# مجموعہ

# احسن الرسائل

شیخ الحدیث و التفسیر

حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب







کتاب کا نام .................... مجموعہ رسائل
مصنف .................... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب
مرتب .................... محمد ہمایوں مغل
ناشر .................... احسنی کتب خانہ (0300- 2608763)
کمپوزنگ .................... دارالتصنیف ( جامعہ عربیہ احسن العلوم )
پروف ریڈنگ وحوالہ جات ...... شعبۂ تخصص (۱۴۲۸ھ)
طباعت .................... سوم
رسائل کی تعداد .................... دس (۱۰)

## ملنے کا پتہ

احسنی کتب خانہ جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
کتب خانہ مظہری بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
مکتبہ عمر فاروق بالمقابل جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی
اسلامی کتب خانہ نزد جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی
القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ نوشہرہ

# فہرست

## مجموعہ احسن الرسائل







# مقدمۃ المؤلف

**الحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ وسلم علی رسولہ ونبیہ رحمۃ للعٰلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبعد**

دین اسلام کی ہمہ گیر خدمت، علماء حق اور ورثاءِ نبوت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے مطابق مختلف طریقوں سے انجادم دیتے ہیں۔ درس وتعلیم، تصنیف وتالیف، مواعظ و خطبات، اصلاح اور ارشاد اور دیگر تدابیر بیش بہا اور مجربات رجال کاملین کے ذریعے ہر دور اور ہر زمانے میں جاری رہیں ہیں۔ بعض اوقات علماء کسی منفرد مسئلہ پر مستقل تصنیف کر لیتے ہیں جسے محدثین کے یہاں جزء کہتے ہیں جیسے "جزء القرأۃ للبخاری" یا "جزء رفع الیدین"، بعض اوقات اطراف ابحاث کو رسائل کی شکل میں مرتب کرتے ہیں جن میں مختلف موضوعات مختلف اہم مہم مضامین ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب بحر حافظ ابن نجیم کے رسائل زینیہ اور آخر فقہاء المحققین علامہ ابن عابدین شامی کے رسائل اہل علم کے یہاں زیادہ کارآمد اور زمانہ بخش ثابت ہوئے علامہ ابن عابدین فقہاء کے طبقے میں ایسے ہیں جیسے محدثین میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مجتہدین میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہدات میں امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے باہوریں صدی ہجری میں شام کے اندر علماء

فقہاء کا ایک سرتاج پیدا فرمایا جن کے متعلق مشہور ہے کہ شاید کوئی کتاب مخطوط کیوں نہ ہو اس کے اٹھارہ اور بیس تک نسخے ان کی نظر عمیق سے گزرے ہیں ان کا فتاویٰ شام " رد المحتار " تو ضرورت فقہا اور دار الافتاء کی زینت کا حامل ہے۔ بایں ہمہ وجوہ جب مکہ مکرمہ میں علامہ ابن عابدین نے شیخ محمد عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی "طوالع" دیکھی "فبکیٰ بکاءً شدیدا وقال یالیت لو دریت مثل ھذا فی شرح الدر ماصنعت ردالمحتار " کم ترک الاول للآخر۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "وفوق کل ذی علم علیم"۔ ابن عابدین نے رسائل میں بعض اہم مہم مقالے لکھے ہیں۔ مثلاً ایک مقالہ اس پر ہے کہ اسلام میں نیک نسب اور اعلیٰ نسلوں کا فائدہ مسلمہ ہے۔ اس رسالے کا نام ہے " النفع الظاھر لنسب الطاھر " ایک رسالہ اس موضوع پر ہے کہ بعض لوگ یہ وصیتیں کرتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے لئے اتنے قرآن پڑھوائے جائیں یا اتنی دفعہ کلمہ پڑھ لیا جائے ابن عابدین فرماتے ہیں کہ یہ وصیت شرعاً درست نہیں ہے اور اس رسالے کا نام ہے " شفاء العلیل وبلل الغلیل فی ابطال الوصیة بالختمات ولتحالیل " اور اس رسالے میں علامہ نے بڑے دلائل اور براہین کے ساتھ اس قسم کے وصایا کے ابطال کے علاوہ اجرت علی الطاعات یا ختم قرآن پر لینا دینا ناجائز فرمایا ہے { باقی علامہ کے ساتھ ان دونوں مسائل میں فقہی اور حدیثی مزاحمت ہوسکتی ہے جس کے لئے ان جیسے وسیع النظر فقیہہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میلان الی الجواز کما فی الفیض اور ان کے شاگرد رشید استاذ گرامی قدر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا کہ "ولکن الدلیل عام فیمکن ان یعم الحکم فی کل ماظھر فیه التوالی وعدم





العنایة الائقة بشأنه واللہ أعلم"

(معارف السنن ج ۲ ص ۲۴۱) دیکھا جاسکتا ہے

اس عاجز نے بھی بعض ملاحدہ جو امامت و تدریس کی اجرت کو بہانہ بنا کر علماء اور دین کے خلاف عوام الناس کو ابھارتے ہیں۔ جیسے کیپٹن مسعود عثمانی وغیرہ اور ان کے لوگ، ان کے جواب میں قلم برداشتہ رسالے جواز اجرت علی الطاعات (دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے) گو مختصر ہے مگر ان شاء اللہ تعالیٰ تیر بہدف ہے اور اب بفضل اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل میں شامل ہے ایک رسالے میں انہوں نے اپنے مرشد شیخ محمد خالد نقشبندی کی تعریف اور دفاع کیا ہے اس رسالے کا نام ہے " سل الحسام الھندی فی نصرت شیخنا مولانا خالد النقشبندی " اس رسالہ میں من جملہ مباحث کے تحت یہ بحث تحقیق سے کی گئی ہے کہ "علم الغیب صفة مخصوصة بذاته تعالیٰ"۔ یہ رسائل دو جلدوں میں تقریباً ۴۲ کی تعداد میں ہیں اور ہر ایک فقہ اور تحقیق کا معدن ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ کے رسائل بھی مشہور ہیں جن سے مشہور زمانہ مفسر علامہ اسمٰعیل حقی بروسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر روح البیان میں بڑا کام لیا ہے (تفسیر روح البیان میں مثنوی مولانا روم گلستان اور بوستان سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور رسائل نجمیہ تقریباً پورے کے پورے پائے جاتے ہیں)۔ علامہ اسمٰعیل اور ان کی تفسیر روح البیان کا تحقیق کے میدان میں وہ مقام نہیں جو علامہ آلوسی بغدادی اور ان کی تفسیر "روح المعانی" کا ہے۔ (اس وجہ سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن کے شروع میں لکھا کہ جب میں کذا فی الروح کہوں تو اس سے مراد روح المعانی ہوگی)۔ لیکن

علامہ اسمٰعیل حقی اور ان کی تفسیر ایسی ساقط اور بھونڈی بھی نہیں جیسا کہ امام اہلسنت محقق العصر مولانا سرفراز خان صاحب نے راہِ سنت میں لکھا ہے یا شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب نے تفسیر سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں فرمایا اس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ معاذ اللہ علامہ اسمٰعیل حقی یا ان کی تفسیر مبتدعانہ روش پر مشتمل ہے ۔ جبکہ وہ انبیاء علیہم السلام اور آنحضرت ﷺ کے علم غیب کے مدعی کو کافر اور اسی طرح ابنیاء اور آنحضرت ﷺ کی بشریت کے منکر کو بھی کافر سمجھتے ہیں ۔

زمانہ حال میں ہندوستان کے صاحب بصیرت عالم قلیل العمر وکثیر العلم حضرت مولانا عبدالحی ٔصاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی متعدد رسائل چھ(۶) ضخیم جلدوں میں موجود ہیں ۔ جبکہ امام العصر حضرت مولانا محمد انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل کشمیری بھی چار ضخیم جلدوں میں شائع ہیں ۔ ہر دونوں مجموعوں سے بعض قیمتی رسائل شاید اہل طباعت کو نہ ملنے کی وجہ سے رہ گئے ہیں ۔ جن کے پاس ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔

استاذ العرب والعجم محدث کبیر فقیہ بصیر مفسر جلیل حضرت الاستاذ شیخنا المکرّم حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری نوراللہ مرقدہ کے بیش بہا مقالات اور رسائل بھی کتابی شکل میں چھپ کر آ گئے ہیں اور ان کے مفاخر المشائخ اور عمدۃ الاساتذہ فقیہ عراق محدث نقاد شیخ الاسلام محمد زاہد الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقالات اور مقدمات علیحدہ علیحدہ عظیم اور ضخیم مجلدات میں نور عالم اور ضرورت دین بن کر منصۂ شہود پر آ چکے ہیں ۔

**والحمدللہ علی ھذا**





ہمارے محترم ومکرم مجتہد فی المناظرہ فقہ اور اجتہاد کے منکرین اور متحرفین کے مقابلے میں فاتح مناظر حضرت مولانا محمد امین صاحب اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور کے بھی چار جلدوں میں قیمتی رسائل شائع ہو چکے ہیں اور دسیوں جلدوں سے متجاوز تجلیات صفدر اس پر مستزاد ۔ مصنف العصر عالم باعمل ہمارے مخدوم اور بزرگ حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سوالات اور جوابات بھی متعدد جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں جن کی افادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے ۔

آجکل ہمارے عزیز مولوی محمد ہمایوں مغل احسنی بھی اس عاجز کے ہفوات اور شطحیات دس رسائل پر مشتمل ''مجموعہ احسن الرسائل'' شائع کر رہے ہیں ۔ عزیزم کو ان کی کوشش محمود کے مطابق یہ ربط یابس ملے تو انہوں نے شائع کئے اور یہ ان کی طرف سے مجموعہ رسائل جلد اول ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ ان کے ذوقِ علم اور طلب صادق کا احترام مجھ سے نہ ہوسکا ورنہ کئی قیمتی رسائل رہ گئے جو ان شاء اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل جلد دوم کی شکل میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر عنقریب شائع ہونگے ۔

ان میں ایک رسالہ مشہور روایت ''اطلبو العلم ولو بالصین'' کی تحقیق میں ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس کا کوئی طریق صحیح نہیں ہے ۔ جن محدثین نے اسے حسن یا ضعیف مانا ہے وہ اس کے پہلے حصے ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم'' کو کہا ہے ۔ ''اطلبو العلم ولو بالصین'' کا ٹکڑا بالاتفاق موضوع اور مکذوب ہے جیسے کہ مجمع البحار اور اتحاف زبیدی میں مفصل موجود ہے ۔ اس کا ایک اقتباس جو اس عاجز نے حضرت مولانا لدھیانوی مرحوم کو لکھا تھا وہ انہوں نے کمال محبت کا ثبوت دیتے ہوئے جنگ کے اسلامی

صفحے میں شائع فرمایا تھا۔اس رسالے کا نام ہے " **التنقیح المتین فی تحقیق اطلبو العلم ولو بالصین** " یہ رسالہ ۶۵ صفحہ سے متجاوز ہے۔

ایک رسالہ اس موضوع پر ہے کہ موجودہ قوالی ہمیشہ ناجائز اور حرام رہی ہے۔ بزرگان دین کی نعت یا ترنم کے ساتھ اشعار جوان کے حلقات اور محافل میں ہوتے تھے الگ چیز تھی جبکہ زمانہ حال کی قوالی حدِ حرمت میں داخل ہے اس رسالہ کا نام ہے " **تحفة الرعناء فی تحقیق حرمت الغناء** "۔

ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا گیا کہ بزرگانِ دین اور مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ اور خیرات جائز اور درست اور مسلک اہل سنت، بزرگانِ دین کے نام اور ان کے مزارات کی نذر و نیاز بالاتفاق فقہاء اور آئمہ اربعہ کے یہاں ناجائز ہے۔اس باب میں مشہور زمانہ مبتدع احمد رضا خان بریلوی کے فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ افریقہ اور ان کا نام نہاد حاشیہ فتاویٰ شام ُجدالممتار ُکے اندر مسئلہ نذر و نیاز کا رد کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ زیورِ طبع سے آراستہ فرمائے۔امت کا خاصہ مداویٰ اس میں موجود ہے یہ رسالہ سو(۱۰۰) صفحات کے قریب ہے۔

ایک تحقیق اس موضوع پر کی گئی کہ احمد رضا خان بریلوی جو اکثر شریعت کے مسائل سے روگردانی کرتے ہیں وہ علم سے ناواقفیت کی بناء پر کرتے ہیں یا پھر ضد و عناد میں شرعی مسائل کو کچلتے ہیں۔ چنانچہ تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کی اس روش میں یہ دونوں ہی عناصر کارفرما ہیں۔کیونکہ احمد رضا خان کے دورۂ حدیث کے اساتذہ کا کوئی پتہ نہیں ہے انہوں نے دورۂ حدیث نہیں کیا اس لئے حدیث نبوی سے مکمل طور پر ناواقف ہے۔ یہ





بات میں تیس سال سے کہہ رہا ہوں لیکن آج تک کسی نے یہ نہیں ثابت کیا کہ احمد رضا خان بریلوی نے دورۂ حدیث کیا ہوا ہے۔اس مسئلہ پر مفصل تحقیق کے بعد جو مسودہ تیار ہوا اس کا نام" مولوی احمد رضا خان کا علمی جائزہ" ہے۔ان شاء اللہ مجموعہ احسن الرسائل کی دوسری جلد میں شامل کیا جائے گا۔

ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا گیا ہے کہ سنن ونوافل کی ضرورت اور فضیلت اور ان کے اداب،فوائد و برکات کیا ہیں اس کا نام ہے " **احسن المراتب بنیل النوافل والرواتب** " یہ رسالہ سو(۱۰۰) صفحے کے قریب ہے اس کا ذکر احسن العطر میں موجود ہے۔

ایک رسالہ اس موضوع پر ترتیب دیا گیا ہے کہ فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ضروری ہے۔اس کا نام ہے " **اعلام الأعلام بأن الفتویٰ مطلقاًعلی مذهب الامام النعمان** " یہ رسالہ فقہی اصطلاحات اور عجائب ونوادر پر مشتمل ہے ۵۰، ۶۰ صفحے کے لگ بھگ ہے۔

ایک مقالہ اس موضوع پر مرتب کیا گیا ہے کہ والدین کے احترام اور صد احترام کے باوجود مسائل شریعہ میں علماء اور فقہاء کے مقابلے میں ان کی بات ماننا درست نہیں ہے۔گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے "**باب الجهاد باذن الابوين**" کی فقہی حدیثی تشریح اس وقت کی مناسبت سے اس کا نام تجویز ہوا تھا "**اباء لآباء لا خ الصباء**"

یہ مقالہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان شرعی امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے شائع ہونے پر اس کی شان ہوگی۔

**كشمس فى كبد السماء وضوءها　　يغشىٰ البلاد مشارقا و مغاربا**

ایک رسالہ اس موضوع پر ترتیب دیا گیا ہے کہ بعض ضروری مسائل فقہ میں کیوں نہیں جیسے مسلمان کرنے کا طریقہ، کافر اور کفر کی اقسام، نکاح پڑھانے کا طریقہ سنن وآداب، مولود سے متعلق تاذین واقامت تسمیہ اور وغیرہ اس رسالہ کا نام ہے" **المحاکمہ والتریاق فی الفقهه بالاستدراک** " یہ دورۂ حدیث اور تخصص کے طلباء کے لئے تریاق وقت ثابت ہوگا۔

چونکہ النہر الفائق کا قلمی نسخہ یا تو مکتبہ ظاہر یہ دمشق میں ہے یا اس عاجز کے پاس ہے۔اس لئے قلمی نہر کے بعض مواطن پر اجلاء فقہاء کی روشنی میں بعض گزارشات نقل کی گئی ہیں۔جس کا نام ہوگا"**الاصل الموافق علی النهر الفائق** " اس طرح فتح القدیر لابن الھمام اور فتح الباری لحافظ بن حجر پر بھی بعض استدراکات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ توفیق تکمیل نصیب فرمائے ورنہ پچیس (۲۵) تیس (۳۰) سال سے ترجمہ اور تفسیر قرآن کا جو مطالعہ اور تحقیق نصیب ہوئی اور پھر بیس (۲۰) سال سے دورۂ حدیث میں بخاری مکمل اور ترمذی جلد اول اور کبھی کبھار مکمل اور کبھی کبھی صحیح مسلم اور ابوداوٗد ساتھ تفسیری محاصل جس طرح اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے اس سے "احسن التفاسیر" کا ایک عظیم ذخیرہ تیار ہو چکا ہے۔ بخاری شریف سے متعلق "محاسن الباری" اور جامع ترمذی کے متعلق "احسن الاحوذی" پر بھی منتشرات اور متفرقات موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ توفیق اور آسانیاں نصیب فرمائے کہ یہ سب کام عزیزم محمد ہمایوں سلمہ کی مردانہ وار جدوجہد اور سعی جمیل کے نتیجہ میں خزائن دفینہ سے گنجینۂ بالا بن کر خلق خدا کی راہنمائی اور دین رشد وہدایت کا بیش بہا متاع بنے۔





ایک حکیم نے مرغی کے انڈے کی حلت کا انکار کیا تھا جسے بعض اخبارات اور جرائد نے شائع کیا اس وقت قلم برداشتہ تنقید اس پر کر دی گئی تھی جو مفتی اعظم پاکستان محدث کبیر حضرت الاستاذ مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔اور اس رسالہ کا نام ہے" **احسن الفیض فی حلة البیض** "

ایک مقالہ اس پر لکھا گیا تھا کہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ قیامت کے دن ماں کے نام سے پکارا جائے گا یہ غلط اور موضوع روایت ہے درست اور صحیح یہ ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم کیا ہے۔" **ان الناس یدعون با بآء هم** "اس رسالے کی تکمیل اور تسمیہ ابھی باقی ہے۔

محققین کی اصلاح اور اطلاع کے لئے ابن صلاح کی کتاب"**نفع المفتی و المستفتی**" کے لئے ایک مقالہ ترتیب دیا گیا تھا جس کا نام تھا " **احسن احتیاط المخطی فی نفع المفتی و المستفتی**" یہ بھی چند صفحات پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

بعض اوقات ایک عالم اور امام الحیٔ جو ہر طرح علم وعمل، شرف ومقام سے آراستہ ہوتے ہیں لیکن ناواقف لوگ کسی سیاسی لیڈر یا کسی پیر وغیر کے لئے وصیت کر لیتے ہیں کہ میری نماز جنازہ فلاں آدمی پڑھائے یا پھر ویسے ہی اکرام کے طور پر اس کو امام الحیٔ کے ہوتے ہوئے آگے کرنے کوشش کرتے ہیں۔یہ مسئلہ فقہ میں اختلافی ہے کہ امام الحیٔ اور ولی میت میں سے کون احق ہے اس سلسلے میں ہمارے بزرگ دوست حضرت مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب مدظلہ جو خود بھی کامیاب مدرس خبر دار مفسر اور محتاط محدث فقہ اور اداب

افتاء کے شناور ہیں نے استفتاء کیا تھا۔اس پر اس عاجز اور بے بضاعت نے فقہی تحقیق کی ہے کہ امام الحیٔ جبکہ اہل حق توحید وسنت اور فقہ حنفی کا حامل ہوتو اس کے ہوتے ہوئے کوئی پیر ،سیاسی لیڈر یا دور سے آیا ہوا مہمان عالم یا غیر عالم قطعاً نماز جنازہ کے لئے تقدم کا حق نہیں رکھتا۔اور اس سلسلے میں اس وقت موجود تمام کتب فقہ اور شروح احادیث کی عبارات جمع کی گئی تھیں۔جن کا حاصل یہی تھا کہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور فقہاء حنفیہ نے کتب میں لکھا ہے۔" **فلاعلم احق با لامامة**" (امام الحیٔ) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی **اهل العلم و لفضل احق بالامامة** (بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ) کا عنوان قائم کر کے گویا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اختیار فرمایا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

حال ہی میں ایشاء کا مقتدر ادارہ جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے مناسک حج کے دو مسئلے یعنی ترتیب بین النسک اور منیٰ میں قصر یا اتمام اور تیسرا مسئلہ اقتداء خلف المخالف فی الفروع سے متعلق ایک فقہی اجلاس یکم اور ۲ مئی کو جامعہ میں منعقد کیا جس میں ملک بھر کے اجلا علماء اور فقہاء نے شرکت کی۔اس عاجز کو بھی اس موقع پر یاد کیا گیا تھا اور سوالات بالا کے جواب میں ایک نہایت ہی تحقیقی فقہی مقالہ مرتب کیا گیا جو کہ عنقریب ماہنامہ الاحسن میں شائع ہوگا اور رسالے کی شکل میں ان شاء اللہ "مجموعہ احسن الرسائل" کی دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا۔ **وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ**

**واخردعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعين .**





# عرض مرتب

**الحمد للہ و کفیٰ وعلیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد**

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ فضل وکرم ہے کہ احسنی کتب خانہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ اسے دین کی خدمت کے لئے چنا۔دینی کتب کی اشاعت اور ترویج نے اسلام کو دور دور تک پھیلانے میں جس قدر خدمات انجام دی ہیں وہ نا قابل فراموش ہیں اور اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔

اس سے پہلے بھی احسنی کتب خانہ سے مختلف قسم کے رسائل چھپتے رہے ہیں اور مستقل طور پر

"احسن البرہان فی اقوال شیخنا مولانا مفتی محمد زرولی خان"

احسن الخطبات چھپ کر منظر عام پر آئی ہیں۔

اب حضرت الشیخ کی دعاؤں سے کامیابی کی منازل کو طے کرتے ہوئے حضرت الشیخ کے مختلف موضوعات پر لکھے جانے والے محقق رسائل کو ایک جگہ یکجا کر کے ایک کتابی شکل میں لانے کا عزم کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی اور اعلیٰ طباعت اور اعلیٰ

امپورٹڈ کاغذ پر چھپ کر یہ کتاب آپ کے سامنے ہے۔اس مجموعہ میں ہم نے حضرت الشیخ کے دس (۱۰) رسائل کو ایک جگہ جمع کیا ہے جو کہ علماء اور طلبہ دونوں ہی کے لئے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔اس کا نام خود حضرت الشیخ نے تجویز فرمایا ''مجموعہ احسن الرسائل''۔اس سے قبل یہ تمام رسائل الگ الگ چھپ چکے ہیں اور عوام وخواص میں خوب مقبولیت حاصل کر چکے ہیں اور کچھ رسالے اس میں ایسے بھی شامل کئے گئے ہیں جو کہ اس سے پہلے نہیں چھپے ہیں ۔ مجموعہ رسائل کی اہمیت اور اس کی تاریخ پر خود حضرت الشیخ نے ایک گراں قدر معلومات سے لبریز مقدمہ کتاب کی ابتداء میں تحریر فرمایا ہے اس لئے مزید اس کے بارے میں میرا کچھ کہنا ٹھیک نہ ہوگا۔اگر اللہ رب العزت نے ہمت اور توفیق دی تو ان شاء اللہ تعالیٰ مجموعہ احسن الرسائل کی اور بھی مجلدات زیورِ طبع سے آراستہ کر کے ہدیۂ قارئین کی جائیں گی جن کی طویل فہرست کا تذکرہ حضرت الشیخ نے اپنے مقدمہ میں فرمایا ہے۔

البتہ واضح رہے کہ کوئی بھی انسان جب کوئی کتاب چھاپتا ہے تو اس کی ہر ممکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس کی یہ کتاب غلطیوں سے بالکل پاک ہو،لیکن ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد بھی کوئی نا کوئی کمی رہ جاتی ہے ۔ ہماری قارئین کرام سے یہ گزارش ہے کہ اگر انہیں کوئی بھی چھپائی یا کمپوزنگ کی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لی جائے اور اس غلطی کو کمپوزنگ کرنے والوں اور چھاپنے والوں کی غلطی سمجھا جائے،کسی بھی قسم کی غلطی یا حوالہ کی غلطی کو حضرت الشیخ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے۔





مجموعہ احسن الرسائل میں شامل رسالوں کی فہرست کچھ اس طرح ہے :

**(۱)احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر**

رات کی آخری نماز وتر ہونی کی تحقیق

**(۲)احسن المقال فی کراهیة صیام ستة شوال**

شوال کے ۶ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق

(۳)احسن المناسک　　　(قربانی کے مسائل)

(۴)احسن المسائل والفضائل　　　رمضان شریف کے مسائل

**(۵)احسن التسنیم فی ما احدث بعد الصلوٰة والتسلیم**

بدعتیوں کے درود وسلام کی شرعی حیثیت

(۶)پیغام مسرت　　　(لاؤڈ سپیکر کا مسئلہ)

(۷)صدر اول کے طبقات مفسرین

(۸)دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے

(۹)تقریر ختم بخاری

(۱۰)دعا خطبۂ عید کے بعد ہی مناسب ہے

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہماری اس کاوش کو قبول ومنظور فرمائے اور ہمیں مزید دینی کتب چھاپنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

محمد ہمایوں مغل

# احسن التسنیم فی ما احدث بعد الصلوٰۃ والتسلیم

## یعنی

# بدعتیوں کے درود وسلام کی شرعی حیثیت





## فہرست

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی رسولہ الکریم ونبیہ الامین وعلی الہ واصحابہ اجمعین وافضل الخلائق بعد النبیین ومن تبعھم و اقتدی اثرھم من المفسرین وفقھا ء الدین

(آمین یارب العٰلمین)

امت محمدیہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ فخر دوعالم جناب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ نبوت میں درود شریف بھیجنا بڑی عبادت ہے اور حقیقت یہی ہے کہ یہ مومن کے لیے اپنے نبی شافع محشر ﷺ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں آپ نے خود جوتفصیلات بیان فرمائی ہیں جو احادیث کی تمام مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ وہ درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کے فضائل سمجھنے کے لیے کافی شافی ذخیرہ ہے۔ امت کے بہت سارے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے شیخ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ کی "القول البدیع فی الصلوۃ علی الحبیب الشفیع" اور حافظ ابن قیم کی "جلاء الافھام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام





" زیادہ معروف ہیں۔ الغرض درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ ایسا ہے جس میں کوئی خفا یا اندھیرا کہیں نہیں دیکھا گیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے اپنے بیان کے مطابق جو آپ کی نبوت ورسالت کے بڑے بڑے معجزات میں سے ہے کہ میرے بعد بڑے بڑے اختلافات دیکھنے میں آئیں گے اور ایسے وقت میں

"فعلیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین المھدیین"

(ابوداؤدج ۲ ص۲۹۰)

یعنی میری سنت اور میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جن میں سے خلفاء راشدین زیادہ ہی معروف حضرات ہیں، کے طریقے کو مضبوطی سے تھامنا لیکن کچھ ناعاقبت اندیشوں نے درود شریف اور صلوٰۃ وسلام کے عظیم مسئلے کو بھی داغدار کر دیا گیا۔ اور اس مسئلے کو آج امت کے اتفاق اور اتحاد کے شیرازے کو بکھیرنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے لہٰذا ہم خالصتاً لوجہ اللہ الکریم صحیح نقول دین کی روشنی میں اس مسئلے کی تفسیری، حدیثی اور فقہی وتاریخی حیثیت عرض کرتے ہیں تاکہ درود وسلام کی آڑ میں بدعات کی دلدل سے حفاظت نصیب ہو اللہ سبحانہ، وتعالیٰ مالک ہدایت وارشاد ہیں اسکی مہربانی وکرم سے امید ہے کہ وہ کسی کو راہ راست پر لانے کی توفیق مرحمت فرمائیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

آج کل ایک فرقہ کے لوگ کہیں اذان سے پہلے اور کہیں اذان کے بعد اور کہیں کہیں نماز فجر ونماز جمعہ کے بعد اور بعض جگہ محفل میلاد کے اختتام پر بھی

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الخ "

کے الفاظ پڑھتے ہیں۔ یہ لوگ اس کو درود شریف سمجھتے ہیں اور کھڑے ہوکر پڑھنا ادب

تصور کرتے ہیں اور اس پر ثواب کی امید رکھتے ہیں بلکہ اس کے پڑھنے کو اہل سنت و الجماعت کی علامت وشعار گردانتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لوگ دین کے تمام امور میں نبی کریم ﷺ کی سنت عالیہ کو اور جماعت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مقتداء اور اپنے لئے معیار عقیدہ وعمل سمجھتے ہیں۔ آئمہ تاریخ وحدیث وفقہ سب لکھ چکے ہیں کہ یہ صلوٰۃ وسلام جو اذان کے بعد اذان سے پہلے پڑھا جاتا ہے۔ ۷۰۰ھ کے بعد کی ایجاد ہوا ہے۔ بعضوں نے ۷۹۱ھ اور بعضوں نے ۷۸۱ھ لکھا ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) فتاویٰ شام ج ۲ ص ۵۲، ۵۷ (بیروت)

(۲) القول البدیع ص ۲۹۱

(۳) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی (تاریخ الخلفاء ص ۵۰۴) پر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

**وفی هذه السنة فی شعبان احدث المؤذنون عقب الاذان الصلوٰة والتسليم على النبی ﷺ وهذا اول ما احدث وكان الامربه المحتسب نجم الدين الطنبذی.** یعنی ۷۹۱ھ میں موذنوں نے اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام ایجاد کر دیا اور یہ پہلی بار ایجاد ہوا اور اس کا حکم دینے والا محتسب نجم الدین طنبذی تھے۔ یہ درحقیقت ایک حاکمِ وقت کے بیٹے کا قتل ہونے کے بعد اس کے بیٹے پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا تھا۔ تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حاکم رافضی تھا ملاحظہ ہو الابداع۔ سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب رحمہ اللہ جب برسراقتدار آئے تو انہوں نے اس بدعت کو بند کرنے کے لیے لوگوں





سے کہا کہ اس کے بجائے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے یوں پہلی بدعت جو بہت ہی زیادہ فساد دین کا باعث تھی ختم ہوگئی۔ یہ اس سلطان وقت نے ایک علاج اور دفع فتنہ کا طریقہ سمجھا اس سے زیادہ اس صلوٰۃ وسلام کی کوئی تاریخی یا دینی حیثیت نہیں اس لیے جن کتابوں میں اس کا ذکر آتا ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ ''احدث'' یعنی گھڑ لیا گیا۔ یہ اس بات کی پہلی علامت ہے کہ یہ دین کا حصہ کبھی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ دین جس ذات پر موقوف ہے وہ جناب نبی کریم ﷺ ہیں جو پہلے ہی فرما چکے ہیں۔

**وایاكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة**

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۰)

یہ حدیث اکثر معتبر کتب میں موجود ہے یعنی گھڑے ہوئے کاموں سے بچو کیونکہ جو دین میں گھڑ لیا جاتا ہے وہ بدعت ہوتا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کا آخری انجام جہنم ہے۔ اس حدیث پر اور خاص کر ''کل بدعه ضلالة'' کے بارے میں آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیل سے عرض کرنے والا ہوں، یہاں یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ بہت سارے علماء اہل سنت نے اپنے اپنے زمانوں میں اس ایجاد کردہ صلوٰۃ وسلام پر گرفت فرمائی ہے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ عبادت ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قرآن وحدیث اور خیر القرون کے تعامل کی روشنی میں ناجائز اور بدعت ہے۔ بہت سارے لوگ آج یہ کہتے ہوئے سادہ مسلمانوں کو ورغلاتے ہیں کہ اس سے منع نہیں کیا گیا اس لئے ہم چند بزرگوں کے حوالے سے ممانعت عرض کرتے ہیں۔

علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ جو اہل سنت والجماعت کے بہت بڑے عالم

گزرے ہیں اور جن کی کتاب المدخل پر بریلوی بھی اعتماد کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب المدخل میں فرماتے ہیں۔

**وکذلک ینبغی ان ینھاھم عما احدثوہ من صفۃ الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی ﷺ** (المدخل ج ا جزء ۲ ص ۲۵۵)

ترجمہ: یعنی مؤذنوں نے جناب نبی کریم ﷺ پر جو صلوٰۃ وسلام پڑھنا ایجاد کیا ہے۔ اس سے ان کو منع کیا جائے۔

آگے انہوں نے بڑی تفصیل سے مثالیں دے کر سمجھایا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر درود شریف بھیجنا اگرچہ بہت بڑی عبادت ہے مگر شریعت نے جس جگہ حکم دیا ہو۔ اور چونکہ یہ بنایا گیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے مؤذنوں نے بھی اذان کے ساتھ بلند آواز سے کبھی نہیں پڑھا اس لیے یہ عبادت نہیں اور اس سے بچنا اور اس سے منع کرنا بہت ضروری ہے۔ علامہ ابن الحاج نے یہ بھی لکھا کہ یہ صلوٰۃ وسلام کی بدعت جس ملک میں ایجاد ہوئی ہے۔ (مصر) اس کی طرف جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہاں سے فتنے اٹھیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

**"واصل احداثہ من قبل المشرق وتقدم الحدیث عنہ علیہ الصلاۃ والسلام بقولہ الفتنۃ من ھھنا واشا رالی المشرق"**

(المدخل ج ا جزء ۲ ص ۲۵۶)

علامہ ابن الحاج مزید فرماتے ہیں۔ **کیف کان خوف الصحابۃ رضی اللہ عنھم**

ترجمہ: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دین میں ایجاد کرنے سے بڑے گھبراتے تھے۔





علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وہم کا بھی ازالہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا قرآن وسنت کی روشنی میں بہت بڑی عبادت ہے اس سے کیسے منع کیا جاسکتا ہے۔؟ تو ہم جواب دیں گے کہ جس جگہ شریعت نے اس کی تعلیم نہ دی ہو اپنی طرف سے پڑھنا عبادت نہیں بلکہ ناجائز ہے اور انہوں نے مثال میں امام ابوالحسین رزین رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے حوالے سے لکھا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی کو چھینک آئی اور اس نے پڑھا "**الحمدللہ وسلام علی رسول صلی اللہ علیہ وسلم**" حوالہ بالا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے چھینکتے وقت ہمیں صلوٰۃ وسلام نہیں بلکہ "**الحمد للہ رب العٰلمین**"، تعلیم فرمایا ہے۔ غور فرمائیے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف اس لیے ناراض ہوئے کہ الحمد اللہ رب العالمین پر صلوٰۃ وسلام کا اضافہ انہوں نے دیکھا۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ چھینکتے وقت نبی کریم ﷺ منع فرما چکے ہیں۔ بلکہ نبی ﷺ نے جو کچھ تعلیم فرمایا اس پر اضافہ اگرچہ صلوٰۃ وسلام کی شکل میں کیوں نہ ہو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ فقہاء حنفیہ کے مشہور محدث علامہ علی ابن سلطان المعروف علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مروجہ صلوٰۃ وسلام سے منع فرما چکے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

**فما یفعلہ المؤذنون الان عقب الاذان من الاعلان بالصلوۃ والسلام مراراً اصلہ سنۃ والکیفیۃ بدعۃ لان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر فیہ کراھۃ** (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۹ مکتبہ حقانیہ)

یعنی اذان کے بعد اگرچہ ہر مسلمان کو درود شریف پڑھنا چاہئے۔ مگر آج کل

مؤذنوں نے اذان کے بعد زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کیا ہے۔ یہ طریقہ بدعت ہے اور پھر مسجد میں اونچی آواز سے اگرچہ ذکر اللہ کیوں نہ ہو، ناپسندیدہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ شرح ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول کریم ﷺ کی اس حدیث کے ذیل میں فرمائی ہے۔

**اذا سمعتم المئوذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی**

(مرقاۃ ج۲ص۳۴۹)

یعنی اذان سننے کے ساتھ ساتھ جواب دو اور پھر مجھ پر درود پڑھو۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ اذان سننے کے بعد درود شریف پڑھنا سنت وعبادت ہے لیکن مؤذنوں کا اونچی آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا ناجائز ومکروہ ہے۔

(نوٹ) اصطلاحات فقہ سمجھنے والے حضرات اس مغالطے میں نہ پڑیں کہ فیہ کراھۃ فرمایا ہے۔ کیونکہ فتاویٰ عالمگیری میں یہ اصول موجود ہے۔

**والمروی عن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نصا ان کل مکروہ حرام**

(عالمگیری ج۵ص۳۰۸)

ترجمہ: یعنی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ وضاحت مروی ہے کہ ہر مکروہ حرام ہوتا ہے۔ نیز فقہاء کے یہاں یہ قاعدہ بھی موجود ہے کہ اگر مکروہ کام باربار کرلیا جائے یا ثواب سمجھ کر کرلیا جائے تو وہ بھی درجہ حرام کو پہنچ جاتا ہے۔" **لا صغیرۃ مع الاصرار ولا کبیرۃ مع الاستغفار** "وغیرہ روایات کا بھی یہی حاصل ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔





**"انہ حرام لماصح عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھراً وقال لھم مالی اراکم الا مبتدعین "**

(۱) فتاویٰ شام ج۵ص۲۵۵ بیروت

(۲) فتاوی شام ج۵ص۲۸۱،۲۸۲ مکتبہ رشیدیہ

یعنی مسجد میں زور زور سے ذکر یا صلوٰۃ وسلام پڑھنا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو مسجد نبوی ﷺ میں مل جل کر بعض روایات میں ہے حلقہ باندھ کر ذکر اور صلوٰۃ وسلام زور زور سے پڑھ رہے تھے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں اور ان کو مسجد نبوی سے باہر نکالا۔ یہ واقعہ شامی کے علاوہ فقہ حنفی کے مشہور فتاویٰ میں بھی موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (**فتاویٰ بزازیہ علی الھندیہ ج ۶ ص ۳۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان**) غور فرمایئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد میں ذکر یا درود زور زور سے پڑھنے کو کتنا بڑا جرم سمجھتے تھے اور ان کو مسجدوں میں نہیں چھوڑتے تھے۔ جن لوگوں کو واقعی رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت اور عشق ہے انکو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ جس کام کو دین ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بے دینی سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو اصحاب رسول ﷺ دشمنان دین سمجھتے تھے اور انہیں مسجد سے نکالتے تھے۔

**فائدہ:** یہ بات تو صراحتاً روایت سے ثابت ہے کہ یہ زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے

صحابہ ہرگز نہ تھے کیونکہ کسی صحابی نے کبھی کوئی بدعت نہیں کی نیز صحابہ نے صحابہ کو کبھی بدعتی بھی نہیں فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صلوٰۃ وسلام مروجہ تو ۷۰۰ھ کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ قبل گذرا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پڑھنے والے کہاں سے آئے؟ تو جواباً عرض ہے کہ دجال قرب قیامت میں ظاہر ہوگا۔ مگر صحابی رسول اللہ ﷺ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دجال کو ایک جزیرے میں ہاتھ پاؤں سے جکڑا ہوا دیکھا ہے۔ اور جب یہ واقعہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کیا تو آپ نے بھی تصدیق فرمائی کتاب الفتن کی احادیث کے ذیل میں شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعلیم وحکمت کے طور پر بعض فتنوں کا خیر القرون ہی میں ظہور فرمایا ہے تاکہ اصولی طور پر اس کا رد ہو جائے اس لیے ایک دو واقعات سے بدعت کا رائج ہونا، سمجھ لینا درست نہیں۔

## آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیماً سے متعلق بحث

عام طور پر اہل بدعت کی طرف سے یہ بات سننے میں آتی ہے جو انہوں نے اپنی تمام کتابوں اور فتاویٰ میں لکھی ہے کہ صلوٰۃ وسلام ”اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِ (سورۂ احزاب آیت ۵۶) . پر عمل کرتے ہوئے پڑھتے ہیں اس وقت بھی میرے سامنے صلوٰۃ وسلام کے جواز کا اشتہار ہے جو دار العلوم قادریہ سبحانیہ شاہ فیصل کالونی نمبر ۵ کراچی کی طرف سے شائع کردہ ہے۔ اس اشتہار میں بھی شروع سے لے کر آخر تک اس آیت کو موضوع بنا کر جواز ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لیے اصولی طور پر چند





گزارشات سمجھی جائیں اولاً یہ آیت کریمہ جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور سب سے پہلے جناب نبی کریم ﷺ کی زبان سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سننے والے ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے زیادہ قرآن کریم سمجھنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے زیادہ قرآن کریم پر عمل کرنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد صحاح ستہ کی احادیث میں موجود ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جناب نبی کریم ﷺ سے پوچھا۔ بخاری ومسلم کے الفاظ میں ہے۔

**قلنا یا رسول اللہ کیف الصلوٰۃ علیکم اهل البیت فان اللہ قدعلمنا کیف نسلم علیک قال قولوا اللهم صل علی محمد وعلی آلِ محمد**

(۱) بخاری شریف ج۲ص۷۰۸

(۲) مشکوۃ ج۲ص۴۸۸

یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(۱) آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم ﷺ سے درود شریف کے بارے میں پوچھا ہے۔

(۲) جناب نبی کریم ﷺ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمایا ہے۔ جو اللّٰھم سے شروع ہوتا ہے یہ عجیب بات ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو سب سے بڑے علماء اور عاشقان رسول تھے انہوں نے اپنی طرف سے صلوٰۃ وسلام بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس سلسلہ میں جناب نبی کریم ﷺ سے مراجعت فرمائی معلوم ہوا کہ درود شریف کوئی بھی اپنی طرف سے نہیں بنا سکتا۔ اور اگر اپنی طرف سے بنایا گیا تو قرآن کریم کی آیت پر عمل کرنے کے خلاف

ہوگا۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہ کرام سے یہ نہیں فرمایا کہ میری تعریف ومنقبت میں جو چاہو الفاظ بناؤ۔ خواہ وہ ’’الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ‘‘ کے الفاظ ہوں یا مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کے الفاظ ہوں۔ بلکہ نبی اکرم ﷺ کا منشا بھی یہی ہے کہ میری تعظیم وتکریم اس وقت بجالائی جاسکتی ہے جبکہ میرے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق مجھ پر درود وشریف پڑھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث میں درود شریف کے جتنے طرق آئے ہیں وہ ’’اللھم صلی علی محمد‘‘ سے شروع ہوتے ہیں علماء اہل سنت نے صاف صاف لکھا ہے کہ اگر ایسے الفاظ سے درود پڑھا جائے جن کے شروع میں اللھم کے الفاظ نہ آتے ہوں تو قرآن کریم کی آیت پر بھی عمل نہیں ہوگا اور وہ درود بھی نہیں کہلائے گا۔

مفسر اہل سنت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

**ومقتضی ظاهر ارشاده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ایاهم الی طلب الصلاة علیه من الله تعالیٰ شانه انه لایحصل امتثال الامر الابما فیه طلب ذلک منه، عزوجل ویکفی اللهم صلی علی محمد لانه الذی اتفقت علیه الروایات فی بیان الکیفیة** (تفسیر روح المعانی پارہ۲۲ص۷۸،۷۹)

نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالیہ کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے اللہ سے درخواست کریں کہ اے اللہ ہمارے نبی کریم ﷺ پر درود وسلام نازل فرما اور حدیث میں درود وسلام کے جتنے طریقے آئے ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ اگر ایسے الفاظ پیش کئے جائیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہوتو وہ ناجائز





ہوں گے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ ’’**الصلوٰۃ علی رسول اللہ فانه لایجزی اتفاقاً لانه لیس اسناد الصلوۃ الی الله فلیس فی معنی الوارد روح المعانی**‘‘ حوالہ بالا۔

ترجمہ: الصلوۃ علی رسول اللہ کے الفاظ بطور درود وسلام کے پڑھنا بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ اس میں صلوٰۃ وسلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کی گئی ہے تو یہ احادیث میں آئے ہوئے درود وسلام کے خلاف ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ ’’**الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**‘‘ یا مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام وغیرہ آیت قرآنی پر عمل کے لیے کافی نہیں ہیں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام کے پوچھنے پر رسول اکرم ﷺ نے اللھم صل کہہ کر جو درود شریف تعلیم فرمایا ہے وہ اس لیے ہے کہ بندوں کی طاقت ہی نہیں کہ وہ بارگاہ نبوت میں صلوٰۃ پیش کرسکیں کیونکہ جب آیت میں آیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور فرشتے آنحضرت ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تو بندے اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ ہماری طرف سے بھی درود وسلام بھیجیں۔ علامہ آلوسیؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

**وفیه ایماء الی انکم عاجزون عن التعظیم الائق بی فاطلبوه من الله عزوجل لی**

(روح المعانی پارہ۲۲ص۷۸)

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرنا اس لیے ضروری ہے کہ

**لان مرتبة العبد تقصر عن ذلک بل یسأل ربه سبحانه ان یصلی علیه الصلاة والسلام** (روح المعانی پارہ۲۲ص۷۹)

ترجمہ: اس لئے کہ بندہ کا مرتبہ اس سے کم ہے بلکہ وہ اپنے رب سے سوال کرے گا کہ وہ

اس کی طرف سے نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے (ابن نجیم نے البحر الرائق ج ا ص ۳۴۸ پر یہی فرمایا ہے )۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یا تو "اللھم صلی " یا " صلی اللہ علی محمد " وغیرہ الفاظ جن میں اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب ہے جائز ہے اور الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ یا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کے الفاظ میں چونکہ اللہ تعالیٰ سے درخواست وطلب کا معنیٰ نہیں ہے، اس لئے یہ صحیح نہیں ہے۔ نماز میں التحیات کے دوران السلام علیک ایھا النبی کے جو الفاظ ہیں وہ چونکہ معراج میں نبی کریم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں اس لئے بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کردہ الفاظ کو عرض کرتا ہے کہ اس لئے وہ الفاظ اپنی جگہ صحیح اور درست ہیں کیونکہ حکایات شرعیہ کو بدلا نہیں جاسکتا جوں کا توں برقرار رکھا جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

**السلام علیک ایھا النبی ووجہ الخطاب لا بقائہ علی ماوردحین التعلیم و اصلہ فی لیلۃ المعراج**

(۱) لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۱۸۱

(۲) مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۳۱

بریلوی حضرات یہاں ایک دھوکہ دیتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی پڑھتے وقت ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سامنے تشریف فرما ہوتے ہیں اور جب نبی کریم ﷺ موجود ہوں تو الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا جاسکتا ہے جیسا کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے تو گزارش یہ ہے کہ





اولاً تو نبی کریم ﷺ کا اپنے روضہ منورہ کے علاوہ کسی اور جگہ تشریف فرما ہونا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ سات سو سے زیادہ فقہا ومحدثین ومفسرین نے نبی کریم ﷺ کا عالم الغیب یا حاضر ناظر جاننے والے کو کافر کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۵

(۲) فتاویٰ قاضی خان علی الہندیہ ج ۳ ص ۵۷۶

(۳) بزازیہ علی الہندیہ ج ۶ ص ۳۲۶

(۴) عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۶

(۵) شامی ج ۳ ص ۲۹۴

(۶) بحر الرائق ج ۳ ص ۸۸

ثانیاً: اگر جناب نبی کریم ﷺ التحیات کے دوران نمازی کے سامنے موجود ہوتے تو پھر بریلوی حضرات کھڑے ہو کر التحیات پڑھتے۔ مگر وہ بھی مسلمانوں کی طرح بیٹھ کر ہی السلام علیک ایھا النبی پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی دل دل میں جانتے ہیں کہ حضرت ﷺ تشریف فرما نہیں ہوتے بلکہ احادیث مبارکہ کے مطابق فرشتے صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جیسا کہ دارمی وبیہقی، نسائی کی روایات میں ہے۔

(مشکوٰۃ ج ا ص ۲۹۱ المکتبۃ الاسلامی)

حیرت وتعجب! مقام حیرت ہے کہ قسطلانی، فتح الباری اور عمدہ القاری کی ایک مجہول توجیہہ نقل کرتے ہوئے زمانہ حاضر کے بریلوی مذہب کے غزالی دوران مولوی احمد سعید شاہ کاظمی ملتانی نے بھی تسکین الخواطر میں یہی دھوکہ دہی کی ہے۔ فاذا الحبیب فی

**حرم الحبیب حاضر** کا ترجمہ بالکل غلط کیا ہے۔یہی دیانتداری اوکاڑوی صاحب نے ''راہ حق'' میں کی ہے۔ کیونکہ اس صوفیانہ توجیہہ کا صرف اتنا مطلب تھا کہ نمازی جب نماز پڑھتا ہے اور وہ قرب خداوندی کے درجات کو طے کر لیتا ہے تو جب یہ نمازی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجاتا ہے اور اللہ جل جلالہ کے جناب میں آنحضرت ﷺ کو موجود پاتا ہے اور یہ سلام پیش کرتا ہے۔ یہاں پر یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نمازی کے سامنے تشریف لاتے ہیں اہل علم یہ بات بھی یاد رکھیں کہ بخاری کے اولین شارحین جیسے کرمانیؒ وغیرہ نے اس توجیہہ کو یکسر نقل ہی نہیں کیا اس طرح غزالی ملتان نے امام غزالیؒ وغیرہ بزرگوں کی عبادت نقل کی ہے۔جس میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ نمازی یہ تصور کرلے کہ نبی کریم ﷺ سامنے ہیں اور وہ سلام پیش کر رہا ہے مگر

**ولیصدق املک فی انه یبلغ** (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۶۹)

ان الفاظ کا ترجمہ وتشریح چھوڑ گئے۔کیونکہ اس جملے میں امام غزالیؒ نے یہ وضاحت فرمائی کہ آپ کا سلام نبی کریم ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔مگر چونکہ یہ الفاظ بریلوی مذہب کی جڑوں کو اکھاڑنے والے تھے اس لیے نظر انداز کر دیئے۔ نیز جن بزرگوں نے یہ فرمایا ہے ان کا مقصد صرف اتنا ہے کہ امتی کا سلام فرشتوں کے ذریعے نبی کریم ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے چنانچہ'' **وفاء الوفاء** ''میں امام غزالی کا مستدل یہ حدیث بنائی گئی ہے۔

**ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ ملکاً یبلغه السلام ممن یسلم علیه من امة**

**(وفاء الوفاء ج ۴۰ ص ۱۳۹۶)**

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں **ھٰذا فی حق من لم**





**یحضر قبرہ** یعنی یہ ان لوگوں کا سلام پہنچایا جاتا ہے جو روضہ اطہر پر موجود نہ ہوں ( کیونکہ روضہ اطہر کے پاس آنحضرت ﷺ کا خود سلام سننا امت محمدیہ کا تقریباً اجماعی عقیدہ ہے اور حق بھی یہی ہے )سنن دارمی میں صریح حدیث موجود ہے۔

**قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان ملائکة اللہ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام**

(سنن دارمی جز۲ ص ۲۲۵)

ان صحیح اور صریح احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی کریم ﷺ تک امت کا سلام فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے اس کے باوجود یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نمازی کے سامنے خود تشریف لاتے ہیں کس قدر دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے ان بے انصافوں نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ اس طرح کہنے سے صحیح احادیث سے انکار کے علاوہ جناب نبی کریم ﷺ کی کس قدر بے حرمتی اور بے ادبی کی بات ہے کہ آپ ایک ادنیٰ امتی کے سلام سننے کے لیے خود معاذ اللہ زحمت فرماتے ہیں۔حالانکہ اس بات کی تردید خود نماز کے اندر موجود ہے۔کچھ ہم لکھ آئے ہیں مزید عرض ہے کہ ''**اللھم صل علی محمد**'' بصیغہ غائب پڑھنا اور تواتر کے درجہ میں اس کا مشہور و معروف ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ تک درود وسلام پہنچایا جاتا ہے آپ ہرگز ہرگز خود تشریف فرما نہیں ہوتے۔

ثالثاً! اگر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا کوئی عبادت ہوتی تو نمازی کو حکم ہوتا کہ **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے وقت کھڑے ہو جایا کرو۔بلکہ نمازی کو یہ حکم ہوتا کہ

رکوع بعد میں کرو اور سلام پہلے پیش کرو۔ سو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسلام کے آداب میں سے روضہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دوسرے مقامات پر کھڑا ہونا نہیں ہے۔

رابعا! یہ لوگ صلوٰۃ وسلام مروجہ کھڑے ہونے کے علاوہ زور زور سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں میں پڑھتے ہیں اذان کے بعد بھی اور میلاد کے اندر بھی اور کہتے ہیں کہ ''آ گیا تاج والا''۔ اگر یہ اپنے کہنے میں سچے ہیں اور تاجدار مدینہ تشریف فرما ہوتے ہیں تو زور زور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں بنص قرآن حرام ونا جائز ہے۔ بلکہ بنص قرآن ان کے تمام اعمال ضائع اور برباد ہو چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو نبی کریم ﷺ کی آواز مبارک پر اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو۔

''اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْن''(سورۂ حجرات آیت۲)

یعنی اگر تم نے اپنی آوازیں اونچی کیں تو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا۔ اس آیت کے ذیل میں مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اونچی آواز سے بولنا بے ادبی ہے جس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں ملاحظہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی، وفاء الوفاء ج۴ ص۱۳۹۶) لہٰذا ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کے الفاظ کھڑے ہو کر پڑھنا اور زور سے سلام پڑھنا سب کے سب شریعت اسلامیہ کی روشنی میں بالخصوص اہل سنت والجماعت کے نزدیک ناجائز بدعت اور حرام ہے۔





## صلوٰۃ وسلام سے متعلق اہل بدعت کے چند مغالطے اور ان کا ازالہ

ہماری مذکورہ بحث کے متعلق جن حضرات نے اہل بدعت کی کتابیں نہ دیکھی ہوں وہ یہ نہ سمجھیں کہ صلوٰۃ وسلام مروجہ کو ان لوگوں نے درود شریف نہیں کہا ہے سو سن لیجئے مشہور مبتدع مولوی شفیع اوکاڑوی کہتے ہیں ''بہر صورت ہر طرح یہ ثابت ہو گیا کہ یہ درود شریف الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا جائز ہے۔ (ملاحظہ ہو راہ حق ص۳۳) بعض اہل بدعت نے یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ علماء نے لکھا ہے کہ التحیات کے دوران اخبار اور حکایت جو معراج میں واقع ہوئی ہیں کا ارادہ نہ کرے بلکہ یہ الفاظ بطور انشاء کے پڑھے۔ اس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ نبی ﷺ سامنے موجود ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ الفاظ امتی عبادت کے طور سے پڑھتا ہے اس لیے اللہ جل جلالہ اپنے فرشتوں کے ذریعہ اپنے نبی ﷺ کے یہ الفاظ پہنچاتے ہیں اور درود وسلام کا ثواب نصیب ہوتا ہے سو واضح رہے کہ کسی عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اخبار اور حکایت نہیں ہے بلکہ اخبار اور حکایت بطور انشاء کے پڑھنے کا لکھا ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۸۵ بیروت) جیسے اللہ جل جلالہ نے اپنے انبیاء اولیاء کی جو منقبت فرمائی۔ وہ بطور حکایت کے ہیں لیکن پڑھنے والا جب پڑھنے لگتا ہے تو اسے ان کا ثواب ملتا ہے لہٰذا اسکے حق میں یہ انشاء بھی ہے فریق مخالف کے مسلمہ عالم احمد شاہ کاظمی لکھتے ہیں کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا **علی سبیل الحکایت** ہونا وارد ہے۔ وہاں مجرد حکایت مراد نہیں بلکہ حکایت علی طریق الانشاء مراد ہے۔ (تسکین الخواطر ص ۶۹) بلکہ کاظمی صاحب نے اس کو تحقیقی بات کہا ہے سو معلوم ہوا

کہ مبتدعین بھی اس کو مانتے ہیں کہ یہ واقعہ اصلاً حکایت ہے۔مگر چونکہ عبادت کی نیت سے پڑھا جاتا ہے۔اس لئے انشاء کی حیثیت رکھتا ہے جس پر ثواب ملنے کا دارومدار ہے۔

## مقام حیرت وافسوس:

کاظمی صاحب نے اپنی کتاب تسکین الخواطر حصہ اول ص ۶۶ تا ۸۷ پر جو کچھ سب و شتم اور لعن طعن برصغیر کے علماء راسخین اور اولیاء کاملین جیسے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ پر کیا ہے اس کے بارے میں اولاً تو یہ عرض ہے کہ اسکا انتقام بروز محشر مقام محمود پر کھڑے ہوکر فخر دوعالم جناب نبی کریم ﷺ خود لیں گے کیونکہ محدثات و بدعات پر ایمان لانے والے وہیں سے گزریں گے۔اور نبی کریم ﷺ ان کی بدعات سے مطلع ہونے کے بعد **فسحقاً فسحقاً لاصحاب النار** فرمائیں گے۔یعنی تباہ وبرباد ہوجائیں یہ سنت کو چھوڑ کر بدعت کرنے والے بدعتی جہنمی۔

(۱) بخاری شریف ج ۲ ص ۹۷۵،۱۰۴۵

(۲) مسلم ج ا ص ۱۲۷،۲۴۹،۲۵۰،۲۵۲

ثانیاً ان تمام بددعاؤں اور گالیوں کے تو یہ حضرات بزرگان اہل سنت ہرگز مصداق نہیں ہوسکتے البتہ بتقضائے حدیث ایسی مقدس ہستیوں کے حق میں ایسی بدگوئی کرنے والا انشاءاللہ العزیز دنیا اور آخرت میں اپنے کلمات کا خود مصداق بنے گا۔ ''**وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ**'' ہم نے یہاں کاظمی صاحب کا ذکر مختصراً کیا ہے جو اس مقام





کا تقاضا تھا۔تفصیلی جائزہ انشاءاللہ العزیز شائع ہوگا۔جس میں غزالی صاحب کی دو کتابوں تسکین الخواطر اور الحق المبین کا تفصیلی تذکرہ ہوگا۔اہل علم کی دلچسپی کے لیے عرض ہے کہ ایسے غزالی کم دیکھنے میں آئیں ہوں گے جنہوں نے ہدایۃ النحو اور کافیہ جیسی معروف کتب نحو شرح جامی سمیت مطالعہ نہ فرمائی ہو کیونکہ کاظمی صاحب پہلے غزالی وقت ہیں جنہوں نے ''ندبہ'' کو ندا کے مبحث سے خارج فرمایا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت که این چه بوالعجبی است

کاظمی صاحب نے جہاں ایجاد نحو کا ایک نیا کارنامہ انجام دیا ہے وہاں ان کی ایک دوسری عقلیت بیضاء بھی پہلے سے کچھ بڑھ کر قابل داد ہے چنانچہ امام العصر امام اہلسنت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں **السلام علیک ایها النبی** کے اندر سلام و خطاب کو حکایت معراج قرار دیا ہے (جیسا کہ تمام شروح حدیث وکتب فقہ میں مصرح ہے) جب اس کا جواب دینے سے کاظمی صاحب بے بس ہوگئے اور سب وشتم جو انہیں اپنے بڑوں سے ورثے میں ملا ہے اسکا فریضہ بھی ادا فرمایا تو علم حدیث کے اصول کے سمندر میں غوطے کھانے لگے اس غوطہ زنی میں جو موتی انہوں نے برآمد فرمائے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں مخالفین کا سلام تشہد کو واقعہ معراج کی حکایت قرار دینا مخالفین کے اپنے اصول و مسلمات کے خلاف ہے اس لیے کہ وہ علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جسکی سند موجود نہ ہو۔آگے انہوں نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عرف شذی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت نے عرف شذی میں فرمایا ہے ''**ولکنی لم اجد سند هٰذه الروایة**'' اور اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کاظمی صاحب نے اپنی طبیعت یوں خوش فرمائی

ہے کہ ہم ابواب فضائل و مناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہوں ۔مگر علماء محدثین یا فقہاء معتبرین و دیگر علماء معتمد علیہم نے انہیں قبول کیا ہو۔ (تسکین الخواطر حصہ اول ص ۸۷) کاظمی صاحب نے اس تنقید میں علم و دیانت کا جو خون کیا ہے اس پر کاظمی صاحب سے اور ان کے ہم مسلکوں سے شکوہ کرنا تو عاشق سے توقع صبر کرنے کے مترادف ہے۔

کوشش بے فائدہ است وسمہ برآبروے کور

البتہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام ہدایت و انصاف کے حال پر رحم آتا ہے جن کے مقدس لقب غزالی کو آج دیوانوں پر چسپاں کیا جارہا ہے۔کاظمی صاحب کا یہ کہنا کہ علماء اہل سنت، علماء دیوبند علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جن کی سند موجود نہ ہو۔ یہ علماء حق پر افتراء اور بہتان عظیم ہے کیونکہ علماء دیوبند سند کے بارے میں احکام و عقائد میں اگرچہ محتاطین محدثین کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں ۔لیکن جن فقہاء و محدثین کے علم پر اعتماد فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب ہدایہ کی بعض احادیث کا حال ہے جن کی سندیں محدثین کے قواعد کے مطابق یا تو کمزور ہیں یا ناپید ہیں ۔جس کی تفصیل جمال زیلعی کی نصب الرایہ میں موجود ہے۔ فضائل و مناقب میں بھی ثقہ حضرات کے علم پر اعتماد کیا جاتا ہے۔نہ جانے کاظمی صاحب کو مطلق و مقید کی تعریف معلوم نہیں یا وہ اپنے ماننے والوں کو اس طرح افتراؤں کے ذریعہ پکا کرنا چاہتے ہیں ۔امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اسکی تفصیل کے ساتھ اسکی سند محدثین کے یہاں نہیں ملی۔کیا کاظمی صاحب کا کوئی وفادار جرات کرکے حضرت مولانا





انورشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ انہوں نے یہ فرمایا ہو کہ اگرچہ یہ روایت محدثین اور فقہاء کے یہاں مشہور و معروف ہے ۔مگر میں اسکو نہیں مانتا کیونکہ مجھے اسکی سند نہیں ملی۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ

(سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

شاید کاظمی صاحب نے اصول حدیث کی مشہور کتاب تدریب الراوی ملاحظہ نہ فرمائی ہو جہاں تلقی امت کو صحت حدیث کیلئے شرط قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ ملاحظہ ہو۔

**یحکم للحدیث بالصحۃ اذاتلقاہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح**

(تدریب ج ۱ ص ۶۷)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ صاحب ہدایہ ایک روایت وعن عثمان رضی اللہ عنہ انہ قال الحمد للہ فارتج علیہ فنزل وصلی کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ فانها لم تصرف فی کتب الحدیث بل فی کتب الفقه .

(فتح القدیر علی الہدایہ ج ۲ ص ۳۰ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

کیا کاظمی صاحب اور دوسرے بدعت کے سرغنے یہ ہمت کرکے ثابت کرسکتے ہیں کہ بزرگان دیوبند نے کسی معتمد فقیہ یا محدث کی ذکر کردہ روایت کو صرف اس لیے ٹھکرایا ہو کہ اس کی سند ان کو نہ ملی ہو؟ دیدہ راد یدہ باید۔(فلاحول ولاقوۃ الاباللہ) کاظمی صاحب نے بخاری شریف کی حدیث تشہد جس میں نبی کریم ﷺ نے التحیات کے بارے میں فرمایا ہے :

**فانکم اذاقلتموھا اصابة کل عبد اللہ صالح فی السماء والارض**

(بخاری ج۱ ص۱۱۵)

سے بھی استدلال فرمایا ہے ۔مگر انہوں نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ حدیث مبارکہ ہمارے اعتراض کا قلع قمع نہیں کر رہی ہے بلکہ خود ساختہ اسلام دشمن عقیدہ حاضرو ناظر کی جڑیں کاٹ رہی ہے کیونکہ کاظمی صاحب اوران کے ہم مسلک صالحین کو یہاں حاضر مانتے ہیں مگر حدیث رسول کہتی ہے کہ جب تم یہ الفاظ سلام کہہ لیتے ہو تو وہ زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو پہنچ جاتے ہیں۔ (ترجمہ کاظمی صاحب کا ہے ) غور فرمایئے! کہ جولوگ کہتے ہیں کہ درودوسلام پہنچایا جاتا ہے حدیث ان کے خلاف ہے یا جولوگ کہتے ہیں کہ نہیں صالحین حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ تشریف لاتے ہیں ۔ یہ حدیث ان کی بدعات سے چنی ہوئی عمارت کو ڈھا رہی ہے۔

**"فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدللہ رب العٰلمین"**

اے چشم اشک بار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

ہماری ذکر کردہ ان تمام تفاصیل ودلائل سے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ **السلام علیک ایھا النبی** کا عقیدہ حاضرو ناظر سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں بددیانتی اور کور باطنی مستقل امراض ہیں جن کی شفاء اللہ جل جلالہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس رسالہ میں ہم مروجہ صلوٰۃ وسلام کے علاوہ دوسرے بدعت آمیز عقائد و نظریات پر نہیں لکھنا چاہتے ۔ یہ چند باتیں بھی بطور مثال کے ذکر کر دی گئیں۔ اسی پر ایک





اوراضافہ کر دیتے ہیں تا کہ اگر کسی کے لئے اللہ تعالیٰ مالک ہدایت کے یہاں ہدایت منظور ہو اور ہدایت نصیب ہو اور جو لوگ حق اور باطل میں تمیز کرنا چاہتے ہوں ان پر حقیقی اہل سنت اور دشمنان اہل سنت کا فرق واضح ہو سکے اور ہر شخص دیانت وانصاف کے آئینہ میں فیصلہ کر سکے

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

فقہ اسلامی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت نمازی نماز ختم کر کے سلام پھیرتا ہے تو جو نمازی وہاں موجود ہوں اور ان فرشتوں کا جو حفاظت کے لئے مقرر ہیں، وصالح الجن جو نماز کے وقت موجود ہوتے ہیں نمازی سب کی نیت کرے۔

(نورالایضاح ص۷۱)

اسکے علاوہ یہ مسئلہ فقہ حنفی کی تمام مستند کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ تفصیل بھی ہے کہ کون کس کس کی نیت کرے جن کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کی نیت کی جائے کیوں کہ حفاظتی فرشتے کراماً کاتبین، نیک جنات اور جو مسلمان وہاں ہوں سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کی جائے مگر یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو **السلام علیک ایھا النبی** پڑھتے وقت (بریلوی عقیدے کے مطابق جو کہ حاضر تھے) ان کی بھی نیت کی جائے حالانکہ ساری کائنات کے کاملین پر نیت ایک طرف اور آپ ﷺ پر سلام کی نیت دوسری طرف **فداہ ابی وامی وصلی اللہ علیہ وسلم** مگر چونکہ جناب نبی کریم ﷺ کی آمد اقدس کا کوئی بھی مسلمان کبھی قائل نہیں ہوا اس لیے کسی کتاب میں نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی، منفرد ہو۔ الغرض کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ جناب نبی کریم ﷺ پر سلام

پھیرتے وقت سلام ورحمت بھیجنے کی نیت کی جائے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ بہت زمانوں بعد کا ایجاد کردہ ہے جو کہ قرآن وسنت اور تعامل امت کی روشنی میں غلط وباطل ہے مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) مبسوط محمد (ج ا ص ۱۰، ۱۱)

(۲) مبسوط سرخسی (ج ا ص ۳۰)

(۳) فتح القدیر (ج ا ص ۲۷۸)

(۴) کفایہ (ج ا ص ۲۷۸)

(۵) عنایہ (ج ا ص ۲۷۸)

(۶) البحرالرائق (ج ا ص ۳۵۲)

(۷) بدائع الصنائع (ج ا ص ۲۱۴)

(۸) کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ (ج ا ص ۲۶۶)

(۹) خلاصۃ الفتاویٰ (ج ا ص ۵۶)

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری (ج ا ص ۷۶-۷۷)

(۱۱) طحطاوی علی الدرج (ا ص ۲۳۰)

(۱۲) طحطاوی علی المراقی (ص ۱۳۹)

(۱۳) ردالمختار (ج ا ص ۳۵۴)

(۱۴) بنایہ (ج ۲ ص ۲۵۵)

ان تمام کتابوں میں یہ مسئلہ تفصیل کیساتھ لکھا ہوا ہے بلکہ بہت سارے فقہاء نے





یہ بھی لکھا ہے کہ موجود مسلمان صالح الجن اور مقرب ملائک کے علاوہ کسی اور کی نیت نہ کرے چنانچہ حلبی کبیر ص ۳۴۷ میں ہے کہ ''دون غیرھم'' اسی طرح نورالایضاح میں ہے۔

''ونیۃ المنفرد علی الملائکۃ فقط'' (نورالایضاح ص ۷۱)

نیز بیشتر فقہاء کرام نے ''تفضیل البشر علی الملائکۃ '' کا مسئلہ بھی یہیں لکھا ہے جس میں انبیاءؑ کا بھی تذکرہ ہے۔ مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ نمازیوں کو انبیاء علیہم السلام یا اولیاء کی بھی نیت کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ مراقی وغیرہ میں ہے کہ جو فرشتے نمازی کے پاس (پیشانی کے اوپر) درود شریف لکھنے کے لیے بیٹھے رہتے ہیں فرشتوں میں ان کی بھی نیت کرے مگر یہ کسی فقیہ نے نہیں لکھا کہ درود لیجانے کی کیا ضرورت۔ آقائے نامدار ﷺ خود موجود ہیں سب سے پہلے ان کی نیت کی جائے۔ ہم فقہاء کے اس متفقہ مسلک کے واسطے سے کاظمی صاحب اور دوسرے ان کے ہم خیال حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان تمام روشن دلائل کی روشنی میں فکر آخرت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ کے ان شب وروز مساعی جمیلہ پر نظر کرتے ہوئے جو آپ ﷺ نے امت کے عقیدے اور عمل کو شرک و بدعت سے بچانے کے لیے فرمائی ہے۔ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور اگر ان کی سمجھ میں بات اتر گئی تو بغیر خوف لومۃ لائم کے واشگاف الفاظ میں درست عقیدہ اور عمل کا اعلان فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ایسے موقعوں پر ہمارا کامل راہنما ہے۔

''ان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب اللہ علیہ'' (بخاری ج ۲ ص ۵۹۶)

یعنی بندہ جتنے بھی گناہ اور جرائم کر چکا ہو لیکن جب وہ اپنے رب کے حضور توبہ

کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

ہم نے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اور بہت سارے علماء اہلسنت کے حوالوں سے یہ عرض کر دیا ہے کہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کے الفاظ نبی کریم ﷺ کے تعلیم کردہ نہیں ہیں۔ اسلئے کسی صحابی نے کبھی بھی نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں ان الفاظ کو درود وسلام کے طور پر نہیں پڑھا مولوی محمد شفیع اوکاڑوی نے اور دوسرے لوگوں نے شجر وحجر کی طرف سے جو ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ غیر ثابت ہے کیونکہ وہ اولاً تو نبی کریم ﷺ کا تعلیم کردہ نہیں ہے۔ ثانیاً (سیرت حلبیہ ج ا ص ۳۶۱) کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے اور سیرت حلبیہ میں یہ راوی کے الفاظ سے ہے جو کمزوری کی علامت ہے۔ ثالثاً نسیم الریاض کے حوالے سے اوکاڑوی صاحب نے نقل کیا ہے۔ نسیم الریاض کے حوالے سے اوکاڑوی صاحب نے جو لکھا ہے صحابہ کرام ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھتے تھے اس کی بھی سند غائب ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں یہ الفاظ ہیں ''والمنقول فی تحیۃ صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ اس طرح پڑھتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی موجودگی میں ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' یا نبی اللہ اگر پڑھا گیا تو اسکی حیثیت سلام موجودگی کی ہے اور یہ عمل بھی ہے چنانچہ روضہ منورہ پر بھی اس نظریہ کے تحت ان الفاظ سے صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن دور دراز اور نبی کریم ﷺ کے روضہ کے علاوہ کسی اور جگہ نہ تو صحابہ کرام یہ الفاظ بطور درود شریف کے پڑھ چکے ہیں اور نہ تو خیر القرون کے مسلمانوں کے اور نہ بعد کے حضرات





معتمدین نے ﴿ واضح رہے کہ اس باب میں مزید تحقیق یہ ہے کہ یہ مروجہ الفاظ بھی حضرت ﷺ کے روزہ اطہر پر نہ تو صحابہ کرام نے پڑھے اور نہ ہی تابعین حضرات میں سے کسی نے پڑھے ہیں یہ سب حضرت ﷺ کے روزہ اقدس پر حضرت ﷺ کا تلقین کردہ درود ہی پڑھا کرتے تھے ﴾ ، بلکہ یہ سب حضرات اللھم صل کے الفاظ پر مشتمل درود شریف پڑھتے تھے۔ چنانچہ قاضی عیاض نے اپنی مشہور کتاب شفا میں بہت سارے صحابہ اور بزرگان دین کے درود شریف لکھے ہیں اور وہ سب کے سب اللھم صل کے الفاظ کے ساتھ نقل فرمائے ہیں۔ اوکاڑوی صاحب وغیرہ کو یہ شبہ تھا یا انکی طرف سے یہ مغالطہ تھا کہ درود ابراہیمی نماز کے علاوہ نہیں پڑھا جا سکتا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بیہقی کی جس روایت کو اوکاڑوی صاحب نے مستدل بنایا ہے اس کے مقابلے میں بخاری ومسلم کی صحیح ترین روایات سے نماز کے علاوہ دوسری جگہوں پر درود ابراہیمی پڑھنے کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ سمھودی فرماتے ہیں۔

والذی اختار ہ لنفسه اللھم صل ( وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۰۰)

نیز اللہ کے نبی ﷺ کو یہ درود وسلام سب سے زیادہ پسند ہے اس لیے تو نماز میں تجویز کیا گیا ہے۔ الغرض امت محمدیہ ﷺ کے علماء اور اولیاء کا اس پر اتفاق ہوا ہے کہ جو درود نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے وہ سب سے افضل ہے اس کے ہم معنی درود وسلام بھی بزرگان دین پڑھ چکے ہیں جس کو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فی معنی الوارد کہہ کر بیان فرماتے ہیں مگر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھنا روضہ منورہ پر بھی ثابت نہیں ہے۔ ''ومن ادعی فعلیه الاثبات'' میں فریق مخالف کے علماء سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ادھر ادھر کی لایعنی باتوں سے اپنے دل کو نہ بہلائیں اور امت کے سادہ

مسلمانوں کو دھوکہ نہ دیں بلکہ اپنی تمام تر توجہ اور تحقیق کو اس طرف مبذول فرمادیں اور خیرالقرون میں کسی مستند اور معتمد مسلمان سے ثابت کرادیں کہ اذان سے پہلے یا اذان کے بعد یا نماز فجر یا نماز جمعہ کے بعد کب اور کہاں اور کس نے کھڑے ہوکر ''**الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**'' اور ''**یا نبی سلام علیک**'' پڑھا ہے؟ تحقیق کرتے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسجد سے صلوٰۃ وسلام زور سے پڑھنے والوں کو نکالنے کا واقعہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے (فتاویٰ شامی ج ۵ ص ۲۵۵) تاکہ تحقیق رساں اور برمحل ہونے کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے خلاف نہ ہونے پائے۔

## بریلوی حضرات کی مروجہ صلوٰۃ وسلام ثابت کرنے کی ہٹ دھرمی

اوکاڑوی صاحب نے صلوٰۃ وسلام کو جائز ثابت کرنے کی جو کوشش فرمائی وہ ملاحظہ ہو وہ جب کسی طرح سے بھی یہ ثابت نہ کرسکے کہ خیرالقرون میں نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کے علاوہ دور دراز ملکوں میں مسلمان درود ابراہیمی کی جگہ مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں تو یہ ایک مجتہدانہ کارنامہ انجام دینے لگے **کلوا واشربوا** پر قیاس کرنے کے بجائے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ہم صلوٰۃ وسلام کیسے پڑھیں اور فخر دوعالم ﷺ نے بھی ''**کلوا واشربوا**'' پر قیاس کرنے کا حکم دینے کے بجائے خود اللھم صل کے الفاظ تعلیم فرمائے۔ اوکاڑوی صاحب کی تحقیق بالا کو کسی عجائب گھر میں آویزاں کرنے کے بجائے اب اس کے لئے مخصوص بالقیاس کی مثالیں تلاش کی جائیں۔

ببیں عقل ودانش بباید گریست





ویسے بھی ان حضرات کی کھانے پینے کے سلسلے میں جنوں حالی اور اسی کو اوکاڑوی صاحب کا مستدل بنانا عجیب کے علاوہ غریب بھی ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ بھوکا ہر جگہ سے روٹی پکنے کی آواز سنتا ہے۔ اوکاڑوی صاحب تو اس دنیا سے تشریف لے جاچکے ہیں مگر انکے بعد جو حضرات موجود ہیں اور اس قسم کے مغالطوں میں مبتلا ہیں۔ انہیں اگر عملاً دین کی کتابیں دیکھنے کا وقت نہیں ملتا تو کم از کم اولیاء اللہ جن کے ساتھ عشق ومحبت کے یہ دعویدار ہیں ان کی کتابیں مطالعہ فرمائیں تاکہ عادات اور عبادات کے درمیان فرق کرسکیں۔ سنئے! شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں یہ لوگ بھی مجدد الف ثانی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ عبادات پر اضافہ کرنے کو بدعت کہتے ہو کیونکہ اس مبارک زمانے میں نہ تھا تو موجودہ زمانے کی بہت ساری چیزیں مختلف قسم کے کپڑے، شال، اور کرتہ، شلوار جو مسلمانوں کے یہاں مستعمل ہیں کیسے جائز ہوئے؟ مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ

بردونوع عبادت است یا برطریق عرف وعادت عملیکه برسبیل عبادت بوده خلاف آن رازابدعتهائے منکر میدانیم ودر منع آن مبالغه مینمائیم که احداث دردین است و آن مردوداست ،وعملیکه بنابرعرف وعادت است خلاف آنرابدعت مفکر نمیدانیم ودرمنع آن مبالغه نمی نمائیم که بدین تعلق ندارد وجود وعدم ، آن مبنی برعرف وعادت است نه بردین وملت ،چه عرف بعضے بلاد خلاف عرف بعضے ازبلاد دیگراست۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص۲۲)

غور فرمایئے کہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کی چیزوں کو عادات

فرما کر دین کی چیزوں سے علیحدہ فرمایا۔ کاش کہ مجدد وقت حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کو یہ لوگ ٹھنڈے دل سے بار بار پڑھیں۔ عبادت وعادت میں فرق سمجھیں اور امت کو غلط مبحث کے حیلہ کے ذریعے سنتوں سے ہٹا کر بدعات کی کیچڑ میں نہ ڈالتے اور یوں سنت کی برکت سے امت کا اتحاد واتفاق برقرار رہتا ہے۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شان مجددی کا حق ادا کرتے ہوئے کیسے صریح لفظوں میں دین میں محدث اور بدعت کو ''آن مردود است'' کہہ کر ولی کامل ہونے کا ثبوت دیا ہے اور دنیاوی چیزیں جیسے کھانے پینے وغیرہ جن کے ذریعہ یہ لوگ مغالطے دیتے ہیں انکے بارے میں کیسے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ''وعملیکہ بنا برعرف وعادت است بدین تعلق ندارد''۔ یعنی ان چیزوں کا تعلق عرف وعادت سے ہے دین میں ان کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں ہے۔

## ایک وہم اوراس کا ازالہ

شاید کوئی نادان یہ کہے کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام یا عرس وغیرہ بدعات ومحدثات کو بھی عادات عرفیہ قرار کیوں نہیں دیا جاتا سو واضح رہے کہ ان کا عبادت ہونا خود شریعت سے ثابت ہے اسلئے صلوٰۃ وسلام کے تمام مسائل وفضائل بلکہ کیفیات اور اوقات تک مذہب اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں اسلیے ان کو عادات نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ عبادات کو عادات کہنا اور درحقیقت اس کی عبادت سے انکار کرنے کے مترادف ہے۔ نیز کیا یہ لوگ





اپنے ان بدعات حسنہ کے بارے میں یہ برداشت کرلیں گے کہ ''بدین تعلق ندارد'' اور ''مبنی برعرف وعادت است نہ بردین وملت''۔ اگر ان کے نزدیک بھی نہ تو ان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق ہے اور نہ دین ملت کے حصے ہیں تو پھر مسلمانوں کو کیوں لڑایا جارہا ہے؟

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے

افسوس کہ عمر بھر اولیاء اللہ کے نام پر کھانے والے ایک طرف تو اپنے آپ کو بزرگان دین کے ماننے والے قرار دے رہے ہیں مگر دوسری طرف حضرت مجدد الف ثانی جیسے کامل ولی الہند کے ارشادات سے انحراف اور ہٹ دھرمی برت رہے ہیں ۔ اگر علماء دیوبند سے تمہیں اللہ واسطے کا بیر ہے تو چلئے جن کو آپ بھی مجدد تسلیم کرتے ہیں ان کی اطاعت کرلیجئے مقصد تو بدعات سے بچنا ہے۔

الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث ماوجدھا فھو احق بھا

(ابن ماجہ ص ۳۰۷)

دادیم ترا از گنج مقصود نشانی

بدعت حسنہ کے نام پر نبی عربی ﷺ کی مبارک سنتوں سے منحرف ہونے والے اولیاء اللہ کے صاف ستھرے آئینہ میں ذرا اپنا عقیدہ مطالعہ کریں اور مجدد صاحب کی یہ عبارت بار بار پڑھیں۔

"سنت وبدعت ضديك ديگر اندوجود يكے مستلزم نفى ديگر يست"

( مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص ۶۴ )

یعنی سنت اور بدعت آپس میں مقابل ہیں۔ بدعت کا مان لینا سنت کی نفی کرنا ہے " پس عبادت راحسنه گويند يا سيئه مستلزم رفع سنت است "یعنی بدعت کے حسنہ یاسیئہ بہرحال سنت کوختم کرنے والی ہے۔

ہرکه عاشق شداگرچه نازنین عالم است

نازکی کے راست آید بار میبا ید کشید

## بدعت حسنہ کی بحث

"عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم............ ويقول امابعد فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم و شر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة "

(مسلم ج ۱ ص ۲۸۴، ۲۸۵)

یہ لوگ بدعت حسنہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ کاش کہ آپ علم منطق کا پہلا رسالہ "ایسا غوجی" پڑھ چکے ہوتے تو آپ کوکلی اور جزئی کا فرق معلوم ہوا ہوتا۔ مگر جن لوگوں کو نبی معصوم ،صاحب وحی محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد عالیہ " كل بدعة ضلالة" پراطمینان نہیں ہے اور وہ حیاء کے پردے چاک کرتے ہوئے بدعات کو حسنہ سمجھنے کے قائل ہوں وہ کبھی بھی قاعدہ کلیہ کونہیں سمجھیں گے۔





## ایک مغالطہ اوراس کا جواب

اہل بدعت کو جب قرآن وسنت میں کوئی چیز نہیں ملتی تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جملہ جوانہوں نے تراویح کے بارے میں فرمایا تھا "نعمت البدعة هذه" سوگزارش ہے کہ اولاً توتراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے اہل سنت کی معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

وهى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل هى سنة عمر رضى الله عنه والاول اصح (عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۶)

یعنی حق اور صحیح یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح باجماعت بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ سنت رسول ﷺ کو کیسے بدعت کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ " لئن كانت هذه بدعة لنعمت البدعة "یعنی اس سنت رسول ﷺ کو کوئی بدعت سمجھے تو پھر یہ بہترین عبادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدعت ہے ہی نہیں۔ یہ روایت کنزالعمال میں بخاری کے باب خلق الافعال میں اور جعفر فریابی کی سنن میں اوراسی طرح ابن سعد اور ابن نصر کے یہاں موجود ہے گویا اس کی مثال ایسی ہوئی جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ"(سورۂ زخرف آیت ۸۱)

یعنی کہہ دو کہ اگر اللہ رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے عبادت کرتا۔ تو جیسا کہ اللہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی کوئی سنت بدعت نہیں ہوسکتی۔

رسول کریم ﷺ نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ

"فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین"

(۱) ابوداؤد ج۲ص ۲۹۰

(۲) ترمذی ج۲ص ۹۶

یہ روایت صحاح ستہ کی اکثر کتابوں میں ہے گویا آنحضرت ﷺ نے خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی سنت کہا ہے۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات بطور تمثیل کے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے نماز تراویح کو سنت و مستحب فرمایا ہے "بدعت نعمت" کی اصطلاح کہیں نہیں ہے۔ جو حضرات جیسے عزابن عبدالسلام وغیرہ بدعت خمسہ کی مثالیں دے چکے ہیں وہ صرف لغوی اور سطحی طرز کی تقسیم ہے ورنہ وہ حضرات بھی کل بدعة ضلالة کو عام قانون سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے دین میں کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ حافظ تقی الدین ابن دقیق العید نے کیا خوب لکھا ہے

" وردبمعناه علی حقیقتها من العموم " (احکام الحکام جلد۲ص ۱۲۲) آگے فرماتے ہیں

"وقسمةالبدعة الی الاقسام المذکورة والی الحسنة والسیئة لیس علیها اثارة من علم لانه لم یرد دلیل دال علیها ولم یرح حدیث وردفی هذا الباب رائحة القسمة قط" (حوالہ بالا) یعنی بدعت کی تقسیم اور حسنہ اور سئیہ کی باتوں میں علم کی بو بھی نہیں کیونکہ نہ تو کوئی ایسی دلیل ہے اور نہ حدیث رسول ﷺ جس میں بدعت کی قسمیں کی گئی ہوں بڑی تفصیل سے لکھنے کے بعد مزید فرماتے ہیں:

ومن ثم انکر الراسخون فی العلم الکتاب والسنة تقسیم





البدعة الی الاقسام (احکام الحکام ج۲ص ۱۲۲)

یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کا صحیح اور راسخ علم عطا فرمایا ہے وہ بدعت کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ بدعت، بدعت ہی ہوگی "کائنا ماکان ومن کان واین ماکان وکل بدعة ضلالة علی اطلاقها" یعنی بدعت جیسی بھی ہو اور جہاں کہیں بھی ہو وہ گمراہی ہوگی کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے یہ حدیث عام ہے۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ بدعت کو حسنہ کہتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو اپنے صحیح معنی سے اور حقیقی بنیادوں سے ہٹاتے ہیں۔" دعت الیه اهوالهم من غیر دلیل لامن قرآن ولامن سنة ولا من اجماع ولا من قیاس جلی ویعتریه شبهة" یعنی جو لوگ بدعتوں کو اچھا کہتے ہیں انکے پاس نہ قرآن کی کوئی دلیل ہے نہ سنت کی نہ اجماع کی اور نہ صاف ستھرے قیاس کی، مزید فرماتے ہیں۔" وحدیث الباب حجة نیرة علی کل قائل بالتقسیم والا نواع" یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ بدعت حسنہ وغیرہ کے قائلین کے خلاف ایک روشن دلیل ہے۔

وهذا الحق الیس به خفاء ندعنی عن بینات الطریق

اولیاء اللہ نے بھی ہمیشہ بدعتوں کے خلاف جدوجہد فرمائی ہے، اولیاء ہند کے تاجدار جن کو مجددیت کا منصب عظمیٰ نصیب ہوا ہے وہ کیا خوب فرماتے ہیں گفته اند که بدعت بردونوع است حسنه وسیئه یعنی کہنے والے کہتے ہیں کہ بدعتوں میں بھی اچھی اور بری ہوتی ہے۔

این فقیر درہیچ بدعتے ازین بدعتها حسن ونورانیه مشاهده

نمیکند وجز ظلمت و کدورت احساس نمی نماید اگر فرضاً عمل مبتدع
راامروزبواسطه ضعف بصارت بطراوت ونضارت نبیند فرداکه حدید
البصر گردند دانند که جزء خسارت وندامت نتیجه نداشت:

ترجمہ: یعنی اس فقیر (مجدد صاحب) کے نزدیک بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دکھائی دیتی اور سوائے اندھیرے اور بربادی کے بدعت میں اور کچھ بھی نظر نہیں آتا اگر آج بدعتیوں کی بینائی کمزور ہے اور وہ بدعت کو عمدہ اور اچھا دیکھتے ہیں تو کل قیامت کے دن جب کہ نگاہیں تیز کردی جائیں گی تو سوائے بربادی اور شرمندگی کے اور کچھ نہ ہوگا،

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
که باکه باخته عشق در شب دیجور

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے، پس معنی حسن و بدعت چه بود، مزید لکھتے ہیں کہ حدیث تخصیص به بعض ندارد پس ہر بدعت سیئه بود یعنی حدیث میں بدعت حسنہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ پس ہر بدعت بری ہی ہوگی۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جن کا نام بدعت حسنہ رکھا گیا ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی سنت کو ختم کرنے والی ہے۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ سوئم ص ۷۲۔۷۳)

## بدعت کا معنی ومفہوم

بدعت لغت میں ہر نو وجود چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ہر اس عمل کا نام ہے جس کا داعی یعنی کرنے کی وجہ خیر القرون میں پائی گئی ہو اور دین سمجھ کر نہ کیا گیا ہو





بعد میں کرلیا جائے یہ بدعت کہلاتی ہے جو قرآن وحدیث کی روشنی میں دین دشمنی کا نام ہے۔ خیر القرون تین زمانوں کا نام ہے جن میں سب سے پہلا اور مقدس نبی کریم ﷺ کا زمانہ ہے اور دوسرا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے اور تیسرا تابعین ومجتہدین ومحدثین کا زمانہ ہے۔ اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے،

عن عمران بن حسین قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير امتی قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (بخاری ج ۱ ص ۵۱۵)

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے تین زمانوں کو بہترین زمانہ قرار دے دیا ہے۔ علماء نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان تینوں زمانوں میں خیر غالب رہے گا اور اصولی طور پر دین میں کوئی کمی وبیشی نہیں کی گئی۔ محدثین انکو ازمنه المشهود لها بالخير یا القرون کہتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علماء حدیث رجال کی کتابوں میں ان تینوں زمانوں کو مقدمین کا دور کہتے ہیں۔ حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"فالهد الفاصل بين المتقدم والمتأخر هو رأس سنة ثلثمائة"

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴)

بدعت کی مذکورہ تعریف علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاعتصام کی (ج ۱ ص ۳۶، ۳۷) پر فرمائی ہے۔ اس تعریف کے پیش نظر مروجہ بدعات با آسانی سمجھی جاسکتی ہیں۔، مثلاً صلوٰۃ وسلام کا داعی (پڑھنے کی وجہ) قرآن کریم کی آیت ہے اور احادیث مبارکہ جو درود شریف کے بارے میں آئی ہیں، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اذان بھی ہوتی تھی۔ الغرض صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی وجوہات موجود تھیں مگر نہ تو دعا میں ان اللہ وملٰئکتہ کی

آیت کبھی نہیں پڑھی گئی حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ دعاؤں میں درود شریف پڑھنا دعا قبول ہونے اور ثواب حاصل کرنے کا عظیم ذریعہ ہے، لہٰذا جو لوگ دعاؤں میں اہتمام کے ساتھ درود والی آیت پڑھتے ہیں وہ دین کے اندر ایک بدعت کا گناہ کرتے ہیں افسوس کہ دعا کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ گریہ وزاری اور معافی مانگنی ضروری ہوتی ہے مگر اب دعائیں بھی بدعت جیسے عظیم گناہوں کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔ اسی طرح اذان سے پہلے یا اذان کے بعد باوجود وجہ موجود ہونے کے خیر القرون کے مؤذنوں نے صلوٰۃ وسلام با آواز بلند کبھی نہیں پڑھا، لہٰذا اذان سے پہلے یا اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت اور گناہ ہے۔ اسی طرح محفل میلاد شریف کی وجہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت ہے اور اس دن کی بزرگی، شرافت اور خیر وکمال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خیر القرون کے مسلمانوں کو زیادہ معلوم تھا مگر انہوں نے ان تاریخوں میں میلاد کے نام سے کوئی محفل نہیں لگائی لہٰذا مروجہ محافل میلاد بھی بدعت ہیں ورنہ دینی مجالس منعقد کرنا صحیح البخاری کی کتاب العلم کی روایت کے مطابق صحابہ کرامؓ منعقد کرتے تھے اس لیے محفل میلاد پر دوسرے دینی جلسوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یا تو ان کا ثبوت خیر القرون میں مل رہا ہے اور یا ان کے انعقاد کی وجہ ہی ان زمانوں میں موجود نہ تھی اس لیے وہ بدعت کی تعریف ہی میں داخل نہیں۔

## طرفہ تماشہ

موجودہ زمانہ کے میلاد خوانوں نے بخاری کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے





چونکہ یہ بہت ہی دلچسپ بات ہے اس لیے لکھ دیتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ بخاری شریف میں ہے کہ ابولہب نے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کی خبر سنی تو اس نے خوشی میں اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا، لہٰذا مجلس میلاد کا انعقاد ثابت ہوا۔ شاید اللہ تعالیٰ اہل بدعت کو اپنے اعمال کی سزاؤں میں سے کچھ حصہ دینا چاہتے ہیں اس لئے علماء دیوبند جیسے پکے اور سچے اہل سنت کو وہابی کے لقب سے داغدار کرنے کی پاداش میں ان کو بھی بنایا جارہا ہے ورنہ ابولہب کے فعل سے استدلال کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ”كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ط وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ“ (سورۂ قلم آیت ۳۳) کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور خیر القرون کے مسلمانوں نے بلکہ چھ سو سال تک کسی بھی مسلمان نے ابولہب کی یہ تقلید نہیں کی ورنہ اہل بدعت کے چھوٹوں اور بڑوں سب کو چیلنج ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کیا اس تاریخ کو کسی صحابی نے بھی خوشی میں یہ غلام یا کنیز آزاد کی ہے؟ اور کیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ فقہ وحدیث اور بزرگان اہل سنت نے بھی کبھی اس تاریخ کو منایا ہے؟

”ومن ادعی فعلیہ الاثبات“

## لطیفہ تحقیق

۱۲ ربیع الاول بالاتفاق تاریخ وفات ہے اور ولادت باسعادت کی تاریخ صحیح قول کے مطابق ۹ ربیع الاول ہے اس لئے آج تک مسلمانوں میں ۱۲ ربیع الاول کو بارہ وفات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مگر موجودہ زمانے میں یہ لوگ بارہ وفات ہی کو یوم ولادت مناتے

ہیں گویا عاشقان رسول اپنے نبی ﷺ کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں۔

نہ پہنچ سکے گا کبھی منزل حقیقت پر
صراط عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا

## تاریخ ولادت کی صحیح تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو

مقالات الکوثری (ج اول ص۵۰۱) (سیرت النبی ﷺ ج اول ص۱۷۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیرالقرون کے مسلمانوں کو اولیاء اللہ بلکہ انبیاء کرام سے بہت بڑی عقیدت اور عشق تھا انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اولیاء اللہ اور پیغمبروں کی زندگیوں کا بیان بڑا مبارک اور روح پرور ہے اور ان کو یہ بھی خوب معلوم تھا کہ مومن کو قبر میں کامیابی پر ''نم کنومته العروس '' کہا جاتا ہے مگر ان بزرگوں نے عظیم عشق اور محبت کے باوجود کسی ولی اللہ کا تو درکنار کسی نبی اللہ بلکہ سید المخلوقات رسول اللہ ﷺ کا بھی عرس نہیں منایا لہٰذا عرس منانے والے بھی ارتکاب بدعت کرتے ہیں۔ ان مختصر سی مثالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جس عمل کی بھی وجہ خیرالقرون میں پائی گئی اور انہوں نے دین سمجھ کر اس کو نہیں کیا بعد میں کرنے والے بدعت کریں گے۔

## اہل بدعت کے مغالطے اور ان سے بچنے کے طریقے

یہ حضرات جب اہل سنت کے براہین ودلائل سے عاجز آجاتے ہیں تو سادہ مسلمانوں کو مغالطہ دینا شروع کردیتے ہیں مثلاً لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، مدارس دینیہ کا قیام، دینی کتب کی تدوین اور قرآن وحدیث کی طباعت وغیرہ یہ لوگ انہیں بدعت ظاہر کرتے





ہیں جو کہ سب مسلمانوں کے یہاں قابل عمل ہیں۔ اس کے اصولی جوابات حافظ تقی الدین ابن دقیق العید نے اپنی کتاب احکام الاحکام (ج۱ جز۲ ص۱۲۲) پر دے چکے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب کام خیرالقرون میں ہو چکے ہیں نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی سورتیں اور آیتیں صحابہ کرام سے لکھواتے تھے، خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بالاتفاق جمع قرآن اور تدوین حدیث کا کام کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس احادیث مبارکہ کا ایک مجموعہ تھا اور اس کا نام ''الصادقہ'' تھا نبی کریم ﷺ سے صحابہؓ قرآن وسنت سیکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ دن رات صحیحین کی روایات کے مطابق اور دیگر حضرات جن کی تعداد گھٹتی بڑھتی تھی ایک ایک وقت میں دوسو اور چار سو تک حضرات پڑھنے کے لیے جمع ہوتے تھے۔ آپ جس چبوترے پر بیٹھ کر انہیں پڑھاتے تھے وہ صفہ کہلاتا ہے گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طالبان دین، حضرت پاک ﷺ استاذ اعظم فداہ ابی امی اور آپ کے مدرسے کا نام صفہ ہوا گویا صفۃ العلوم کی بنیاد صاحب وحی ﷺ خود قائم فرما چکے ہیں گویا دینی مدارس کا ثبوت خیرالقرون سے موجود ہے باقی دنیا کی چیزیں اگر دین کے لیے استعمال کی جائیں اور کرنے والے کی نیت اچھی ہو تو وہ جائز اور باعث ثواب ہے جیسے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، وہ بدعت کی تعریف میں نہیں آتی ہیں کیونکہ بدعت کی تعریف تو یہ ہے کہ۔ ''

**طریقة فی الدین مخترعة تضاهی الشرعیة الخ ''**

(الاعتصام ج۱ ص۳۷)

یعنی دین میں نیا طریقہ نکالا جائے دنیا کی چیزیں ہرگز بدعت کے تحت نہیں آتی

ہیں۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں اس فرق کو بڑے عمدہ اور روشن طریقے سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو۔(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص ۲۲)تفصیلات کے لیے علماء دین کتاب الاعتصام علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاحظہ فرمائیں ۔اردو بولنے والے حضرات کے لئے محقق العصر سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''راہ سنت'' کا مطالعہ مفید ہوگا جو اللہ جل جلالہ کا ایک احسان ہے۔مولانا موصوف بلاشبہ اس وقت کے امام اہل سنت، وکیل اہلسنت اور محسن اہل سنت کے مقام پر فائز ہیں۔ **بارک اللہ فی حیاتہ المیمونہ .**

## ایک علمی مغالطہ اور اس کا ازالہ

شاید کوئی یہ کہے کہ بعض حضرات بدعت کی اقسام مانتے تھے جیسے عزبن عبدالسلام رحؒ، حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ چند اور بزرگ! تو اگرچہ حافظ تقی الدین ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بدعتوں کی قرآن وحدیث واجماع کی روشنی میں تردید کر چکے ہیں جیسا کہ یہ حوالہ گزر گیا اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی حدیث **کل بدعة ضلالة** کو قاعدہ کلیہ کہا ہے۔جیسا کہ باحوالہ گزر گیا۔قاعدہ کلیہ کے بعد بدعت کا کوئی فرد بھی جائز نہیں ہوسکتا مگر مکرر عرض ہے کہ جن چیزوں کو بدعت حسنہ یا مندوبہ یا مباحہ بلکہ واجبہ تک کہا گیا ہے۔حقیقت میں ان میں سے ایک بھی سرے سے بدعت ہی نہیں ہے۔ مثلاً بدعت واجبہ کی مثال **علم النحو** وغیرہ سیکھنا لکھا ہے حالانکہ تاریخ نحو کی تمام کتابوں





میں یہ لکھا ہے کہ نحو کا بانی ابوالاسود الدئلی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے اور **کل فاعل مرفوع و کل مفعول منصوب** وغیرہ اصطلاحات وہی حضرات مقرر کر چکے ہیں، کیونکہ ان چیزوں کی خیر القرون میں جب وجوہات پائی گئیں تو ان پر عمل کر لیا گیا لہذا **اشتغال بالنحو** بدعت ہی نہیں اسی طرح بدعت مندوبہ میں اجتماع تراویح، بنائے مدارس، کلام صوفیاء اور مجلس مناظرہ وغیرہ لکھا گیا ہے حالانکہ یہ سب کام خیر القرون میں ہو چکے ہیں تراویح باالجماعت سنن بیہقی کی روایت کے مطابق خود نبی اکرم ﷺ بیس رکعات پڑھا چکے ہیں اور پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تو اس پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے گویا یہ بدعت ہی نہیں بلکہ سنت رسول ﷺ اور سنتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔تفصیلات اقسام کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱)فتح الباری (ج ۱ص۲۱۳)　　(۲)احکام الاحکام(ج ۱جز۲ص۱۲۲)

سلاسل صوفیاء کی تو بنیاد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی ہے ملاحظہ ہو سلاسل اولیاء اور لمعات التصوف وغیرہ۔بنائے مدارس کے بارے میں صفۃ العلوم کا ذکر ابھی ابھی گزر چکا ہے خود امام مالکؒ جو خیر القرون کے زمانے کے ہیں جن کے درس میں بیک وقت ہزاروں علماء جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ موجود تھے الغرض مدارس اسلامیہ کا وجود خیر القرون میں بطریق اتم موجود تھا۔مجلس مناظرہ کا ثبوت قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ اور تعامل خیر القرون سے ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ اپنے زمانے کے کافر کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ فرعون وقت کے ساتھ، اور نبی کریم ﷺ کا مناظرہ بلکہ مباہلہ وفد نجران

کیساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مناظرہ کیا۔ جس کا موضوع ''ان الحکم الا للہ'' پھر خیرالقرون کے متکلین اور محدثین کے مناظرے اتنی کثرت سے واقع ہوئے کہ آج بھی **بفضلہ تعالیٰ** وہی اصول ہمارے مقتداء ہیں **ومنشاء فلیخرج قرنہ الینا** ملاحظہ ہو **الطبقات الشافیة الکبریٰ .**

## کیا بدعت حسنہ قابل عمل ہوتی ہے؟

بعض اہل بدعت اس مغالطے میں ہیں کہ اگرچہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ بدعت ہے مگر کچھ لوگوں نے تو اس کو بدعت حسنہ بھی کہا ہے لہٰذا اس پر عمل ہوسکتا ہے یہ وسوسہ شیطان کا ہے جس میں اچھے خاصے غزالیوں کو مبتلا دیکھا گیا ہے اس لیے عرض ہے کہ خدارا فکر آخرت سامنے لائی جائے اور ''یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْن'' (تطفیف آیت ۶) کو ملحوظ رکھا جائے اور پھر سوچا جائے کہ نام تو اہل سنت ہے اور اصرار بدعت کے کرنے پر ہے؟

این چنیں زیبا روش کمتر بود اندر جہاں

دوسری بات جو حضرات فقہاء حنفیہ بالاتفاق لکھ چکے ہیں کہ اگر کسی عمل کے بارے میں یہ تردد ہو کہ آیا یہ سنت ہے یا بدعت تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس سنت کو بھی ترک کرنا ضروری ہے تاکہ بدعت جیسے گناہ سے حفاظت ہو جائے، کیونکہ بدعت سے بچنا فرض ہے ملک العلماء علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ جو فریقین کے یہاں بھی مسلمہ حنفی محقق فقیہ ہیں وہ لکھتے ہیں :





**والفعل اذاتردد بین السنة والبدعة تغلب جهة البدعة لان الامتناع عن البدعة فرض ولا فرضیة فی تحصیل السنة اولواجب**

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۰۴ سطر ۱۹،۲۰)

ترجمہ: یعنی فعل جب سنت اور بدعت کے بیچ میں آ گیا تو بدعت کی جہت غالب ہوگی کیونکہ بدعت سے بچنا فرض ہے اور سنت اور واجب کا انجام دینا فرض نہیں ہے۔ بریلوی حضرات کو ٹھنڈے دل سے ضد اور تعصب سے ہٹ کر سنی مسلمان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے حاصل کرنا چاہیے کہ کس تباہ کن دلدل میں امت کو ڈالا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ گمراہ آدمی کو بھی سنت رسول ﷺ کی برکت سے ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ کیونکہ یہ اصل تو کسی ایسے عمل کے بارے میں ہے جو سنت اور بدعت کے درمیان اختلافی ہو۔ یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ جن چیزوں کو ہم بدعت کہتے ہیں جیسے مروجہ صلوٰۃ وسلام، یہ حضرات بھی اسے بدعت مانتے ہیں تب تو حسنہ کی قید لگاتے ہیں سنت اس کو یہ بھی نہیں سمجھتے ہیں انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بدعت سے بچنے کے لیے سنت چھوڑنے کا حکم ہے تو بدعت حسنہ تو کوئی چیز ہی نہیں ہے کیونکہ سنت جیسی مرتبت تو بدعت حسنہ کی ہرگز نہیں ہوسکتی علاوہ ازیں اس نزاع کو اسطرح بھی ختم کیا جاسکتا ہے کہ ایک فریق ہے جن کی ساری کوشش بدعتوں کو زندہ کرنا اور بدعتوں پر جان دینا ہے دوسرا فریق وہ ہے جو بدعتوں سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اب اہل سنت والجماعت ان دونوں میں سے کون سا فریق ہے۔ علامہ ابن کثیر جو قرآن وحدیث وتاریخ کے مسلمہ امام ہیں ان کے الفاظ میں اہل سنت کی نشاندہی سن لیجئے وہ سورۂ احقاف آیت ۱۱ ''لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْهِ'' کی

تفسیر میں لکھتے ہیں:

**"واما اهل السنة والجماعة فيقولون فی کل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة لانه لو کان خيراً لسبقونا اليه لانهم لم يترکو اخصلة من خصال الخير الا وقدبادروااليها**

(۱) تفسیر ابن کثیر ج۴ص۱۵۶ (۲) مختصر تفسیر ابن کثیر ج۳ص۳۱۸

پس اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو ہر ایسے قول وفعل کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (خیر والقرون) سے ثابت نہ ہوا سکو بدعت کہتے ہیں کیونکہ اگر یہ قول وفعل کسی خیر کا ہوتا تو وہ ضرور اسکو کر چکے ہوتے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی خیر اور نیک عمل نہیں چھوڑا (بنیادی طور پر) بلکہ انہوں نے خیر اور نیکی کے تمام اعمال (اصولی طور پر) انجام دیے ہیں۔ لیجئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تو اہل سنت والجماعت ان لوگوں کو قرار دیتے ہیں جو کہ خیر القرون کے بعد نومولود چیزوں کو بدعت کہتے ہیں مگر زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ آج جو فریق اذان سے لیکر نماز ودعا تک اور اعمال سے لیکر عقائد تک بدعات میں لت پت ہیں وہ اہل سنت بنے بیٹھے ہیں اور جو بدعات کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ اور خیر القرون کے تعامل کو معیار عقیدہ وعمل ٹھہراتے ہیں ان کو وہابی کہتے ہیں:

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علامہ شاطبیؒ غرناطی نے کیا خوب لکھا ہے:

**"کل مبتدع يدعی انه هوصاحب السنة دون من يخالفه"** (کتاب الاعتصام ج۱ص۲۲۰)





یعنی ہر بدعتی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بس وہی سنی ہے اور جو اسکی مخالفت کرتے ہیں وہ اہل سنت نہیں ہیں۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را
عیسی نتوا نگشت بتصدیق خرے چند

## بریلوی مکتبہ فکر کی خدمت میں ایک سادہ سی گذارش

مندرجہ بالا تفصیلات اور دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ اہلسنت کی یہ امتیازی شان ہے کہ سنت کو اپنانا اور بدعات کے خلاف کرنا اور جب ایک فریق صاف صاف کہہ رہا ہے کہ وہ بدعات پر عمل پیرا ہے تو اب ان کے اس قرار کے بعد اسے سنی نہیں، بلکہ بدعتی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بات وہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مروجہ بہت سارے عقائد واعمال وہ بدعت کرتے ہیں ہاں اتنا ضروری ہے کہ وہ بدعت کو حسنہ سمجھتے ہیں اور اہل حق ان کے ان اعمال کو بدعت سیئہ کہتے ہیں اور ہم ان کے اعمال کو بدعت اور کرنے والوں کو بدعتی کہہ سکتے ہیں ہاں ہم سیئہ کا لفظ بدلیں گے نہیں وہ حسنہ کا لفظ بولنے کی زحمت نہ کریں دل میں نیت کریں کہ بدعت حسنہ کر رہے ہیں لہٰذا یہ ایک نزاع تو بڑے آرام سے طے ہوجائے گا کہ وہ سنی نہیں بدعتی ہیں مگر حسنی ہیں۔

کل میاں حجام جہاں مونڈھتا تھا اوروں کا سر
آج اسی کوچہ میں خود اس کی حجامت ہوگئی

اور اگر یہ لوگ نہ مانیں تو پتہ چلا کہ دل میں یہ بھی مانتے ہیں کہ بدعت خلاف

سنت عمل کا نام ہوتا ہے اوراس کے کرنے والے اگر چہ حسنہ کی نیت کرلیں تو سنی نہیں کہلائے
جا سکتے بلکہ بدعتی کہلائیں گے۔تو حضرات! جن کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو وہ کیسے سچے مومن
ہو سکتے ہیں؟ ''**یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم**''

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہی پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھیے

## اسلام میں مجدد کا مقام اور پروگرام

جو حضرات ہماری یہ گذارشات پڑھیں گے ان پر عیاں ہوگا کہ ہم نے بدعات
کے رد میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ مجدد الف ثانی کے مکتوبات
شریف کے حوالے بکثرت دیئے ہیں شاید بعض دوستوں کو مجدد کے بارے میں پوری
معلومات نہ ہو اس لئے مختصراً عرض ہے کہ سنن ابوداؤد کے اندر نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی
موجود ہے

**ان اللہ عزوجل یبعث لھٰذا الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من**
**یجدد لھا دینھا** (رواہ ابوداؤد مشکوۃ شریف ج ا ص ۳۶)

یعنی بیشک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے آغاز میں ایک مجدد پیدا فرماتے ہیں جو اس
امت کے دین کو نئے سرے سے پیش کرے یعنی گذرے ہوئے سو سال میں جتنی بدعات
اور محدثات دین میں پیدا ہوئی ہوں ان سب کے مقابلے میں سنت کو زندہ کرے۔ واضح
رہے کہ بعض لوگوں نے **علی راس کل مائۃ سنۃ** کا ترجمہ ہر صدی کے آخر سے کیا ہے
کیونکہ ایک صدی کا آغاز گذری ہوئی صدی کا آخر ہوتا ہے۔ چونکہ حدیث میں سنت کو زندہ





کرنے کے لیے **من یجدد** کا لفظ آیا ہے اس لیے اس مبارک ہستی کا نام امت کے یہاں
مجدد پڑ گیا۔ تاریخ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مجدد الف
ثانی تک مجدد دین کا یہ سلسلہ جاری رہا مگر کوئی ایک بزرگ بھی مجدد کے نام سے اتنے
معروف ومشہور نہیں ہوئے جتنے حضرت مجدد صاحب ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ
احمد سرہندی کے اصل نام کے بارے میں بہت کم لوگوں کو علم ہے بلکہ آپ کا نام گرامی ہی
مجدد بن چکا ہے۔ حضرت نے پوری زندگی جو تجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں۔ ان میں
سے سب سے بڑا کارنامہ خاندان مغلیہ کے فرعون وقت جلال الدین اکبر کے گھڑے
ہوئے دین الٰہی کو ختم کرنے کا ہے۔ تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے والا کوئی بھی شخص اس سے
بے خبر نہیں ہوگا کہ دین الٰہی کو قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں ارض ہند سے ختم
کرنا ہی وہ کارنامہ تھا جس کی بدولت حضرت مجدد مانے گئے۔

آپ کا دوسرا عظیم کارنامہ بدعات کی بیخ کنی ہے جن میں سے بدعت حسنہ کے
خلاف آپ نے جو راست اقدامات فرمائے ہیں وہ بھی آپ کے تجدیدی کام کا درخشاں
باب ہے زمانوں کے گذرنے سے جہاں بہت ساری خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں ان میں سے
ایک خرابی بدعت حسنہ کی اصطلاح تھی جس کو آپ نے فراست، ولایت اور نور ایمان سے
بھانپ لیا اور صرف یہ نہیں کہ بدعت حسنہ کی اصطلاح سے انکار فرمایا بلکہ آپ نے ٹھوس
دلائل اور پوری زندگی کے مساعی کے زور سے نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک ''**کل
بدعۃ ضلالۃ**'' کو اپنے تجدیدی کام کا معیار بنایا اور واشگاف لفظوں میں بدعت خواہ حسنہ
ہو یا سیئہ سنت کے خلاف بغاوت اور دشمنی ثابت فرمایا آپ کی وہ وصیت جو علماء اور مشائخ

اہلسنت کے نام آپ نے فرمائی تا ابد نشان رہے گی کہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن سنت کی لاج رکھتے ہوئے بدعت کو کبھی حسنہ نہ فرمائیں اور نہ ایسا فتویٰ دیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''علماء وقت راحضرت حق سبحانه وتعالیٰ توفیق دہاد که بحسن ہیچ بدعت لب نه کشایند وباتیان ہیچ بدعت فتویٰ نه دہند اگرآں بدعت درنظر شان دررنگ فلق صبح روشن درآید''۔ (مکتوبات امام ربانی دفتر دوئم حصہ ششم ص ۵۷)

یعنی علماء دین کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ کسی بھی بدعت کو حسنہ ہرگز نہ کہیں اور نہ بدعت حسنہ کے فتوے دیں۔ اگرچہ بدعت بظاہر صبح کی طرح چمکتی ہوئی کیوں نہ نظر آئے۔ آگے فرماتے ہیں ''چه تسویلات شیطان رادرماورائے سنت سلطان عظیم است ''یعنی یہ سب کچھ شیطان کا دھوکہ ہوگا ورنہ بدعت کبھی حسنہ نہیں ہوسکتی کیونکہ نبی کریم ﷺ فرما چکے ہیں کل بدعة ضلالة کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مجدد سے متعلق اس حدیث کی شرح میں تمام شراح حدیث نے یہ لکھا ہے کہ مجدد سنت کو زندہ کرے گا اور بدعت مٹائے گا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ بہت ہی روشن ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ تحریر لکھتے وقت تک ہمیں کوئی بھی ایسا مسلمان معلوم نہیں ہے جس کو حضرت بطور مجدد کے تسلیم نہ ہوں، آپ کا یہ اتفاقی مقام اس بات کا متقاضی ہے کہ بدعت حسنہ کے بہانے سنتوں کو مزید تباہ نہ کیا جائے کیونکہ حضرت مجددؒ صاحب تو ان اوہام اور مغالطوں کو زائل کرنے کے لیے تشریف لائے تھے اب آپ کو مجدد ماننا اور پھر بعض لوگوں کی ان باتوں پر باور کرنا کہ ''نیک بات اگرچہ بدعت ونو پیدا ہوا سکا کرنے والا سنی ہی کہلائے گا نہ بدعتی نیز ہر اچھی بدعت





سنت میں داخل ہے اور قیامت تک نئی نئی نیک باتیں پیدا کرنے کی اجازت ہے''

(ملاحظہ ہو فتاویٰ افریقہ ص ۱۱۳۔۱۱۴ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)

یہ دو متضاد نظریئے ہرگز جمع نہیں ہو سکتے اور چونکہ مجدد صاحب متفق علیہ مجدد ہیں اور حضرت کی بمقتضائے حدیث ذمہ داری یہی تھی کہ دین میں نو مولود چیزوں کو رد کر دیں اور حضرت نے یہ فریضہ منصبی بڑی خوش اسلوبی سے ادا فرمایا تو یہ جہاں تک حضرت مجدد صاحبؒ کے مجدد کامل ہونے کی دلیل ہے وہاں قیامت تک دین میں نئی نئی چیزوں کو داخل کرنے والوں اور ان بدعات کی ترویج کرنے والوں کے جھوٹا ہونے کی بھی بڑی وزنی دلیل ہے۔ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علماء دین کو وصیت فرماتے ہوئے یہ دعا فرمائی ہے کہ وہ بدعات کو حسنہ کہنے سے پرہیز کریں۔ الحمد للہ مجدد صاحب جیسے ولی کامل کی یہ دعائے توفیق جن لوگوں کو نصیب ہوئی ہے وہ بدعات کو حسنہ کے مقابلے میں سنتوں کو حسن ونور بیان فرماتے ہیں اور جو لوگ انبیاء اور اولیاء سے کٹ چکے ہیں وہ دین میں نئی نئی چیزوں کو داخل کرنا عبادت اور سنت سمجھتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے بدعتیوں کو جو دعائیں فرمائی ہیں ان کے مصداق بن رہے ہیں۔ اب قارئین حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون اور سنی کون ہے اور بدعتی کون؟

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ'' (سورۃ ال عمران آیت ۱۰۵)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے دین میں تفرقہ اور اختلاف کیا، حالانکہ ان کے پاس روشن دلائل آچکے تھے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو بڑا عذاب ہوگا۔ ہماری اس

تحریر کے وقت رابطہ عالم اسلامی جو دنیا کے بہت سارے علماء پر مشتمل ایک دینی تنظیم ہے ا
سکی طرف سے ممالک اسلامیہ سے یہ سفارش کی گئی کہ اذان کے اول وآخر میں جو الفاظ
صلوٰۃ وسلام کے ایجاد کئے گئے ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے ۔ وزارت اوقاف نے اس
سرکلر کو مساجد اوقاف کے نام روانہ کر دیا مگر افسوس کہ اس ایمان افروز اور نظریات اہل سنت
کے نمائندہ سرکلر کو بعض ذمہ داران حکومت نے عملی جامہ پہنانے کے بجائے پرلے درجے
کی مداہنت اور فرائض منصبی کی ادائیگی سے غفلت برتنے کا ثبوت دیا، حالانکہ اولاً تو جو
حکومت اپنے آپ کو اسلامی کہلانے کی دعویدار ہو قرآن وسنت اور چودہ سو سال کے متفقہ
تعامل امت کی روشنی میں اس کا فرض ہے کہ وہ بدعات پر سخت قسم کی پابندیاں لگائے اور اس
سلسلے میں کسی لچک آمیز رویے کو اپنائے بغیر اللہ کی مدد ونصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے اہل
بدعت کے حوصلوں کو توڑ کر رکھ دیتی کیونکہ مسلمانوں کے دنیاوی مسائل سے بڑھ کر دینی
مسائل کے تحفظ کی ذمہ داری حکومت اسلامیہ پر عائد ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا
ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ . (سورۂ حج آیت ۴۱)

ترجمہ: یعنی کہ جن لوگوں کو ہم نے زمین میں حکومت واختیار دیا ہے انہوں نے نظام صلوٰۃ
وزکوٰۃ کو قائم کرنا ہے اور نیکی کی تلقین اور برائیوں کے خلاف سینہ سپر ہونا ہے اور تمام کاموں
کا انجام اللہ کے حوالے ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے :

**والمراد من هذا تمكن السلطنة ونفاذ القول على الخلق**





(تفسیر کبیر پارہ ۱۷ سورۂ حج ص ۴۱)

یعنی آیت میں سلطنت وحکومت کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں جس کی بڑی ذمہ
داری اللہ کے قانون کا مخلوق پر نفاذ ہے۔ تفسیر کبیر میں یہ بھی درج ہے کہ ہمیشہ حکومت اللہ
تعالیٰ کی رہے گی۔ دوسری حکومتیں لازماً ختم ہو کر رہیں گی۔ گویا ذمہ داران حکومت کو درس
قرآن ہے کہ وہ اپنی عارضی عزت کو بچاتے ہوئے بدعات کا ہرگز ساتھ نہ دیں کیونکہ یہ ان
کی ان ذمہ داریوں کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عائد ہیں۔ علماء اہل سنت
نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکمرانان وقت بدعات پر قدغن لگائے رکھیں۔ مشہور محقق عالم علامہ
ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ اگر سلف صالحین کے عمل کے خلاف کچھ لوگ دین میں اضافہ وایجاد
کرلیں جو لوگوں کو اس طرف دعوت دیتے ہوں اور گمراہ کرتے ہوں تو بادشاہ وقت پر فرض
ہے کہ وہ طاقت کے زور سے اس بدعت کو ختم کر دے اور دلائل شرعیہ کی روشنی میں ان کے
نظریات کے فساد کو رعایا پر واضح کر دے۔ علامہ ماوردیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بدعات کرنے
والوں کے بھی حامی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہر گمراہ کے ساتھ دینے والے ہوتے ہیں،
علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی عبارت ملاحظہ ہو۔

**لزم السلطان ان يحسم بزو اجر السلطانة ظهور بدعة ويوضح بدلائل
الشرع فساد مقالة فان كل بدعة مستمعاً ولكل مستغوٍ متبعاً**

(الاحکام السلطانیہ ص ۱۸۹)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمرانِ وقت کی اس ذمہ داری کو اس اہمیت کے
ساتھ بیان کیا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جو کہلاتے تو علماء ہیں مگر ان کا نظریہ اور عمل

اجماع سلف اور قرآن وسنت کے خلاف بدعت کا ہو اور علماء حق نے ان باتوں کو مسترد کیا ہو اور وہ نہ مانتے ہوں تو بادشاہ ان کو منوائے اور اگر وہ باز آ جائیں اور توبہ کریں تو انہیں معاف کردے ورنہ بادشاہِ وقت پر دین کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں اخلاقِ دین سکھائے اور انہیں بدعات سے باز رکھے۔ علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی عبارت ملاحظہ ہو

وھکذا لو ابتدع بعض المنتسبين الى العلم قولا خرق به الاجماع وخالف فيه النص وردقوله علماء عصره انكره عليه وزجره عنه فان اتلع وتاب والافلسطان بتهذيب الدين احق (الاحکام السلطانیہ ص۲۳۹)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحقیقات سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ حکومت اسلامیہ کا عظیم فریضہ ہے کہ وہ بدعات پر پابندیاں لگائے بلکہ علامہ ماوردیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر قرآن کے ترجمہ وتفسیر کے اندر کسی نے خیانت یا بدعت وتحریف کا ارتکاب کیا ہو تو حکومت وقت اس کے خلاف بھی سختی سے نوٹس لے۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل یا اذان کے بعد مروجہ صلوٰۃ وسلام جو کہ فریق مخالف کے یہاں بھی مسلمہ بدعت ہے، پابندیاں لگانا رابطہ عالم اسلامی سے بڑھ کر حکومت پاکستان کی ذمہ داری تھی۔ اور اس سلسلے میں جس فرقہ نے بدعات کے لیے ماحول بنانے کے لیے قرآن کریم جیسی عظیم امانت خداوندی میں ترجمہ وتفسیر کے بہانے سے خیانت وبدعت کا جو ارتکاب کیا ہے جس کا واضح ثبوت حرمین شریفین کے علماء حق کا ''جو مرکز اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں'' اس ترجمہ وتفسیر پر پابندی لگانے کا اقدام ہے بالکل یہی ذمہ داری سب سے زیادہ حکومت پاکستان پر عائد ہوئی ہے کہ وہ اللہ کے دین پر غیرت کرتے ہوئے قرآن عظیم کو تحریف سے بچاتے ہوئے





برادر اسلامی ملکوں کے ساتھ اتحاد کا ثبوت دیتے ہوئے اس ترجمہ وتفسیر پر پابندی لگائے اور اپنے فرائض منصبی جو اسلام کی طرف سے ان پر عائد ہیں ان سے سبکدوش ہو جائے کیونکہ علماء اہل سنت نے ترقی ونجات کا راستہ یہی بتایا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

فالسعيد من تمسک بما كان عليه السلف واجتنب عن مااحدث الخ (فتح الباری ج۱۳ص۲۱۳)

یعنی سعادت مندی اور ترقی اس پر موقوف ہے کہ سلف صالحین کے طریقہ کو اپنایا جائے اور بعد میں آنے والوں نے جو بدعات نکالی ہیں ان سے بچ کر رہیں۔ مفسر اہل سنت علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان القول بخلاف ماستقر عليه راى اهل سنة ابتداع .

(روح المعانی پارہ نمبر۱۵ص۱۲۰)

بیشک سلف صالحین کے خلاف نظریہ اور عمل اختیار کرنا بدعت ہی ہے۔

ہم نے علماء اہل سنت کے یہ فیصلے اس لیے مدلل ذکر کر دیئے تا کہ حکمران وقت یہ سوچیں کہ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے بدعات کے خلاف سفارش ایک دینی پیغام تھا جس کو خوشدلی کے ساتھ قبول کرنا جہاں مسلمانوں کا فرض تھا وہاں حکومت وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پابند تھی کہ وہ اس کو قانونی شکل میں نافذ کرتی۔ کیونکہ اللہ کے دین کے مقابلے میں کسی کا لحاظ کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے جس کے بعد تمام نقشے بہت جلد کالعدم ہو جاتے ہیں۔ اگر ذمہ داران حکومت اس سلسلے میں مخلص اور سنجیدہ

ہیں تو وہ اس پر دونوں فریق کے سر برآوردہ علماء کو اپنے سامنے مباحثے کی دعوت دیں، ہمیں اللہ جل جلالہ کی ذات اقدس پر اعتماد ہے کہ سات سو سال بعد کے ایجاد کردہ عمل کو دین کا حصہ کوئی بھی نہیں بنا سکتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ: ''الیوم اکملت لکم دینکم'' اٹل ہے اور اگر فریق مخالف یہ مان گیا کہ یہ دین کا حصہ نہیں ہے تو حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ بغیر تاخیر کے قانونی حیثیت سے اس کو بند کردے۔ ہمارا یہ بھی مخلصانہ مشورہ ہے کہ حرمین شریفین کے آئمہ جو درحقیقت کل کائنات کے مسلمانوں کے آئمہ ہیں، انہیں فیصلہ کرنے کا منصب سپرد کردیا جائے۔

''لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ'' (سورۂ انفال آیت ۸)

اگر اس عظیم فرائض منصبی سے غفلت برتی گئی اور وقتی اغراض کے لیے بات گول مول کرلی گئی تو پھر یہ شکلیں بھی عنقریب گول مول نظر آئیں گی کیونکہ خالق کو مخلوق کے لئے یا اغراض نفسانیہ کے لیے ناراض کرنے والے کبھی بھی گرفت خداوندی سے بچ نہیں سکتے۔

''وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ'' (سورۂ مؤمنون آیت ۷۱)

## حکومت سے گذارش سے پیوستہ!

قرآن وسنت کے مسلمات کی روشنی میں یہ ایک حقیقت ہیکہ جہاں علماء اسلام کا فرض ہے کہ وہ حقانیت اسلام کو بغیر روک ٹوک کے بیان کریں، وہاں ارباب حکومت پر بھی یہ فرض ہے کہ اسلام کو منوائیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر پارہ ۲۵ ص ۱۲۵ سورۂ سجدہ) گویا فرائض





منصبی تقسیم کیئے گئے ہیں کہ علماء کرام کے ذمہ بیان ہوا اور ارباب حکومت کے ذمہ نفاذ ہو۔ اب اگر یہ لوگ اپنے اپنے فرائض بجالائیں تو انبیاء کے جانشین ہوں گے اور اللہ جل جلالہ کا سایہ رحمت ہوگا۔ مگر اپنے مقررہ امور کو نظر انداز کرنے کے بعد ان کا جو حال ہوت ہے وہ شافع محشر ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں سن لیجئے

'' اذاظهرت الفتن وسب اصحابی فليظهر العالم علمه فمن لم يفعل فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفاً ولا عدلا''

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۳۰)

''جب فتنے اور بدعات ظاہر ہونے لگیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا جانے لگے تو علماء کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کے ذریعے مقابلہ کریں اور اگر نہیں کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام مخلوقات کی لعنت ہو۔ اللہ نہ ان کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل''۔ معلوم ہوا کہ ساری عزت دین کے لئے تھی اور جب اس دین کا بیان یا نفاذ نہ کیا تو اب اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب و پھٹکار برس رہا ہے۔

# احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر

## یعنی

## رات کی آخری نماز وتر ہونی کی تحقیق





# فہرست

# عرضِ مؤلف

**الحمد لله رب العالمین وسلام علیٰ عباده المرسلین لا سیما علیٰ سید الاولین والآخرین امام الانبیاء و المتقین شفیع المذنبین یوم الدین وعلیٰ اله و اصحابه افضل الخلائق بعد النبیین اما بعد**

وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کی جو عادت ہے کہ بعض حضرات وتروں کے بعد کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر دو رکعت نفل بھی پڑھتے ہیں جبکہ محققین کے نزدیک وتروں کے بعد کوئی نفل پڑھنا خلاف تحقیق اور غیر مستحب ہے اوراس قسم کے تمام نوافل وتروں سے پہلے پڑھنا چاہیے۔اس وقت احسن المسائل میں ہم نے اختصار کے ساتھ عوام کی اصلاح اور اہل علم کی اطلاع کے لئے عرض کیا تھا کہ فقہاءِ دین اور آئمہ مجتہدین وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی وتروں کو آخر میں پڑھنے کے بارے میں ہے اور آپ ﷺ کا عمل مبارک بھی وتروں کو آخر میں پڑھنے کا تھا۔ ہماری فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب میں وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کو نہیں لکھا ہے۔ بلکہ نور الایضاح اور قدوری سے لیکر ھدایہ اور فتح القدیر تک اور خلاصۃ الفتاویٰ سے عالمگیری اور شامی تک، البحر الرائق اور نصب الرایہ، بزازیہ اور قاضی خان وغیرہ تمام مستند





اور معتمد کتب میں وتروں کا آخر میں پڑھنے کو بہتر اور افضل کہا گیا ہے۔وتروں کے بعد نوافل کو ذکر ہی نہیں کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں چونکہ کچھ اہل علم کی طرف سے اشکالات سامنے آئے ہیں اس لئے راقم الحروف نے اس موضوع پر رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا جو انشاء اللہ العزیز اس بحث کیلئے معلومات اور تسلی کا باعث ثابت ہوگا۔

**نمبر ۱ :** زیرِ نظر رسالہ حاشا وکلا کوئی نئی چیز منوانے یا علماء کو کسی چیز پر مجبور کرنے کے لئے ہرگز نہیں لکھا گیا بلکہ ارباب علم کی خدمت میں دعوتِ علمی ہے اور اس بارے میں اگر حدیث اور رجال سمجھنے والے حضرات کچھ فرمادیں تو انشاء اللہ العزیز دل کی گہرائیوں سے بصد شکر صرف قبول نہیں کی جائیگی بلکہ اطاعت کی جائیگی ۔ ہاں بات فن کی ہو اور موضوع سے متعلق ہو، جو لوگ حدیث اور رجال سمجھے بغیر صرف عوام کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں تو ان کو اتنا عرض ہے کہ

تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے

**نمبر ۲ :** جو حضرات ذوقِ علم رکھتے ہوں اور رسالہ ھذا کو غور سے پڑھیں وہ یقیناً وتروں سے پہلے نفل پڑھنے کو ترجیح دیں گے جو کہ اس رسالے کا مقصد تصنیف ہے۔مگر جو حضرات رسالہ ھذا کو پڑھنے کے بعد بھی نہ سمجھیں تو ان سے معذرت ہے۔اگر وہ حسبِ سابق پڑھنا چاہیں تو پڑھتے رہیں، ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں۔

**نمبر ۳ :** زیرِ نظر رسالہ چونکہ وتروں کے بعد دو نفل پڑھنے سے متعلق ہے اس لئے دیگر نوافل اور سنن کی بحث سے اس میں اجتناب کیا گیا ہے۔تہجد کا ذکر بھی ضمناً آچکا ہے جیسا

کہ قارئین حضرات پرواضح ہوگا۔

## " احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر "

رکعتین بعد الوتر پہ بحث کرتے ہوئے علماءِ حنفیہ کے سرخیل اور رجال اوراسانید کے ماہر شیخ جمال الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نصب الرایہ میں رقم طراز ہیں:

**حدیث فی الصلوٰۃ بعد الوتر ، اخرجه مسلم ، عن عائشه رضی الله عنها فی حدیث طویل، قالت كنا نعد له سواكه وطهوره ، فيبعثه الله ماشاء ان يبعثه من الليل فيتسوک ويتوضاء و يصلی تسع ركعات لا يجلس فيهن الا فی الثامنة فيذكر الله ويمجده و يدعوه ثم يسلم تسليماً يسمعنا ثم يصلی ركعتيں بعد ما يسلم، وهو قاعد، وفی لفظ : كان يصلی ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلی ركعتيں وهو جالس فاذا اراد ان يركع ، قام فركع ، قال النووی فی "الخلاصه" ورويت صلاة الركعتيں بعد الوتر ، عن النبی ﷺ من حديث ابی امامة رضی الله عنه و انس رضی الله عنه و ام سلمةرضی الله عنها و ثوبانرضی الله عنه و معظمها ضعيف ، و حديث عائشة رضی الله عنها محمول علیٰ انه عليه السلام فعله مرة ،او مرات ، لبيان الجواز فان الرواية الصحيحة عن عائشه رضی ا لله عنها و خلائق من الصحابة ، ان آخر صلا ته فی الليل كان وترا ، مع حديث ابن عمررضی الله عنه ان النبیﷺ قال اجعلو اٰخر صلاتكم بالليل وترا (متفق عليه) والله اعلم انتهیٰ كلامه** (نصب الرایہ ج۲ص۱۳۷)





**ترجمہ:** وتروں کے بعد نماز کی حدیث کوامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے طویل نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے لئے مسواک اور آپ ﷺ کے وضو کا پانی تیار رکھتے تھے، پس اللہ آپ ﷺ کو اٹھنے کی توفیق عطا فرما دیتے، جب بھی آپ ﷺ رات کو اٹھتے مسواک فرماتے وضو کرکے نو رکعات پڑھتے آٹھ رکعات کے بعد آپ ﷺ بیٹھ جاتے ، اللہ کا ذکر اور بڑائی بیان کرنے میں مصروف رہتے پھر سلام پھیرتے اور ہمیں سناتے۔ سلام کے بعد دو رکعات پڑھتے اور آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہوتے اور یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ آٹھ رکعات پڑھتے اور دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے۔ پس جب آپ ﷺ رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوکر رکوع فرماتے۔ امام نووی ؒ نے خلاصہ میں کہا ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعات حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن یہ روایات بنیادی طور پر ضعیف ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان جواز پر محمول ہے اس لئے کہ صحیح روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور دیگر مخلوقات صحابہ سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی آخری نماز وتر ہوتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم رات کی آخری نماز وتر پڑھو۔

امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے وتر کے بعد کے نوافل کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور وتر کو رات کی آخری نماز بنانے کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہی حق ہے۔

محقق علیٰ الاطلاق وکیل الحنفیہ بالاتفاق حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

**اوتر قبل النوم ثم قام من اللیل فصلی لا یوتر ثانیاً لقولهﷺلا وتران فی لیلة و لزمه ترک المستحب المفاد بقولهﷺ اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا لانه لایمکن شفع الاول لا متناع التنفل برکعة اوثلاث** (فتح القدیر ج ا ص ۳۸۲)

ترجمہ : سونے سے پہلے وتر پڑھ لے پھر رات کو اور نماز پڑھے تو وتر دوبارہ نہ پڑھے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک رات میں دومرتبہ وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ ہاں وتر پڑھنے سے مستحب کا ترک لازم آ گیا جو تقاضہ ہے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ اس لئے کہ وتروں کے بعد نماز پڑھنے سے وتر کا آخر میں ہونا ختم ہو جاتا ہے ۔

ابن القاسم کہتے ہیں "**و سألت مالکاً عن الرجل یوتر فی المسجد ثم یرید ان یتنفل فی المسجد ،قال یترک قلیلاً ثم یقوم فیتنفل ما بدا له ، قالت فان اوتر فی المسجد ثم انقلب الیٰ بیته ایرکع ان شاء قال نعم** "(المدونة الکبریٰ ج ا ص ۹۸)

ترجمہ : ابن القاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے مسجد میں وتر پڑھ لئے پھر اس کا ارادہ ہوا مسجد میں نفل پڑھنے کا ؟امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کچھ دیر ٹھہرے پھر کھڑے ہو کر نفل پڑھ سکتا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر مسجد میں وتر پڑھنے کے بعد گھر چلا گیا اور وہاں نفل پڑھنا چاہے،اس پر امام مالک ؒ نے کہا کہ پڑھ سکتا ہے۔

رکعتیں بعد الوتر کی جملہ روایات رکعتین قبل الوتر پر محمول ہو سکتی ہیں۔جیسا کہ محدث کبیر الشیخ البنوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ابواب الوتر میں لکھا ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے





رکعتین بعد الوتر کے تمام طرق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے **قال الامام یحتمل ان یکون المراد به رکعتان بعد الوتر ویحتمل ان یکون اراد فاذا اراد ان یوتر فلیرکع رکعتین قبل الوتر** (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۳)

ترجمہ :دو رکعات وتروں کے بعد پڑھی گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے یہ دو رکعات وتروں سے پہلے کی ہوں۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں احتمال ثانی یعنی رکعتین قبل الوتر کو اختیار کرتا ہوں اور میرے شیخ امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الستر کے اندر اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

ایسا ہی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں اور طبقات شافعیہ میں بھی رکعتین قبل الوتر کو اختیار کیا ہے۔امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ وتر کے بعد رکعتین منسوخ ہوئی ہیں چنانچہ انہوں نے باب باندھا ہے

**باب من قال یجعل آخر صلاته وترا و ان الرکعتین بعدها ترکتا**

(بیہقی ج ۳ ص ۳۴)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری نماز وتر ہونے کے سلسلے میں تمام روایات باسانید جلیلہ صحیحہ نقل فرمائیں جن سے آخر میں وتر پڑھنے کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگوں نے اپنے اپنے سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ وتر کے بعد دو رکعات نفل پڑھی جائیں یہ تہجد کے قائم مقام ہوں گی۔ اس سلسلے میں اسانید سے قطع نظر امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو رکعت کو قبل الوتر پر محمول

فرمایا ہے اور حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے وتروں کے بعد نفل کو غیر مستحب یعنی غیر اولیٰ فرمایا ہے۔ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ شام کے اندر عشاء کے بعد جو نفل پڑھے جائیں ان کو تہجد کے قائم مقام معتبر فرمایا ہے ملاحظہ ہو ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

**وما كان بعد صلوٰة العشاء هو من الليل وهذا يفيد ان هذه السنة تحصل بتنفل بعد صلوٰة العشاء قبل النوم** (فتاوٰی شام ج ا ص ۴۵۹)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رکعتین بعد الوتر کی روایت کو اعتناءً ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو روایت قابل اعتبار ہوتی ہے اس پر باب باندھتے ہیں چنانچہ محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح ابواب الوتر میں یہی جواب دیا ہے بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں باب باندھا ہے

"**باب ليجعل اٰخر صلاته وترا**" (بخاری ج ا ص ۱۳۶)

اوراس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ" **اجعلوا اٰخر صلوتكم بالليل وتراً**" جو باتفاق محدثین والفقہاء اصح ترین روایت ہے جیسا کہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ظاہر ہوا ہے۔واضح رہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ابواب الوتر میں رکعتین بعد الوتر کے قولاً وفعلاً خلاف موجود ہے۔ہم بطور نمونہ کے کچھ عرض کرتے ہیں قولی روایت تو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی گزر گئی قولاً دوسری بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"**ان رجلا سئل النبی ﷺ من صلوٰة الليل فقال رسول الله ﷺ صلوٰة الليل مثنى مثنى**





**فاذا خشي احدكم الصبح صلى ركعة واحدة يوتر له** (بخاری ج ا ص ۱۳۵)

ترجمہ: ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے رات کی نماز پوچھی آپ ﷺ نے فرمایا کے رات کو دو دو رکعات نفل پڑھنا چاہئیں جب صبح ہونے لگے تو (دو رکعات کیساتھ) ایک اور رکعات ملا دی جائے اور وتر پڑھ لئے جائیں۔اس روایت میں صاف وصریح الفاظ کے اندر نبی کریم ﷺ نے رات کی نماز کے آخر میں وتر بیان فرمائے اور دو رکعت بعد الوتر کا کوئی ذکر نہیں فرمایا چنانچہ اسی روایت کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

**واستدل بهذا على انه لا صلوٰة بعد الوتر** (فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۹)

یعنی اس روایت سے استدلال کیا گیا ہے کہ وتروں کے بعد (نفل کی) کوئی نماز نہیں ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو نقل کر کے علماء کی طرف سے جواب دیدیا۔روایت یوں ہے" **كان يصلى ركعتين بعد الوتر جالسا**" آپ وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ **اجاب من لم يقل بذالک بان الركعتين المذكورتين هما ركعتا الفجر** (**فتح الباری**) اس بات کی ہم ان شاءاللہ وضاحت کریں گے کہ وتروں کے بعد کی رکعات کی جملہ روایات یا تو ضعیف ہیں اور یا رکعتین فجر کی ہیں اور یا رکعتین قبل الوتر پر محمول ہیں "**كما فى البيهقىؒ والمرقاة للقاریؒ وشرح ابواب الوتر للبنوری**" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات کو ٹھہرا تا کہ آنحضرت ﷺ کے معمولات شب دیکھ سکوں۔اس تفصیلی روایت کے آخر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

"ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم صلیٰ رکعتین ثم اوتر ثم اضطجع حتی جاء المؤذن فقام فصلی رکعتین ثم خرج فصلی الصبح　　(بخاری ج ا ص ۱۳۵)

اس روایت میں تمام نوافل وتر سے پہلے ہیں۔ وتروں کی آپ ﷺ نے جو دو رکعت پڑھی ہیں وہ رکعتین قبل الفجر ہیں ایسے ہی بخاری شریف میں ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

کا ن النبی ﷺ یصلی من اللیل مثنی مثنی ویو تربر کعة ویصلی رکعتین قبل صلوٰۃ الغداۃ (بخاری ا ص ۱۳۵، ۱۳۶)

یعنی آنحضرت ﷺ رات کو دو دو رکعات نفل پڑھتے تھے آخر میں ایک اور ملا کر وتر پڑھ لیتے تھے وتروں کے بعد نماز فجر سے پہلے دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے اس روایت میں بھی تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ وتروں کے بعد جو دو رکعات پڑھتے تھے وہ فجر سے پہلے کی دو سنتیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں روایت ہے جس میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ سے آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز جو آپ رمضان شریف میں پڑھتے تھے دریافت فرمائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا

"ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ احدی عشرۃ رکعة یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا
(بخاری ج ا ص ۱۵۴)

ترجمہ: جناب رسول اللہ ﷺ رمضان شریف میں اور اس طرح رمضان کے علاوہ بھی رات





کو گیارہ رکعت پڑھتے تھے جن میں آخری تین رکعت وتروں کی ہوتی تھیں اس روایت میں آخری نماز وتر کی ہے وتروں کے بعد کوئی نفل نہیں ہیں۔ واضح رہے اس روایت میں آٹھ رکعت نماز تہجد قرار دے دی گئیں ہیں چنانچہ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات نماز تہجد آپ ﷺ عام طور پر پڑھتے تھے (عمدۃ القاری ج ۴ ص ۸) چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو بخاری کے حوالے سے اوپر گزری ہے اس میں تہجد کی بارہ رکعات مذکور تھیں جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کبھی کبھی بارہ بھی پڑھتے تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بارہ رکعات تہجد کا قول نقل کیا ہے ملاحظہ ہو　　(شرح شمائل ترمذی ص ۱۵۸، ۱۵۹)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی شام (ج ا ص ۴۶۰) پر لکھا ہے کہ تہجد کی کم از کم دو رکعات ہیں۔ واکثرہ ثمان اور انتہائی آٹھ (۸) رکعات ہیں۔ یہ تعداد بھی عام حالات کے مطابق ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے ذیل میں بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صرف انتہائی نماز تہجد کی تو وہ بارہ رکعات ہی ہیں جس کی وضاحت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آٹھ رکعات کو تراویح کی نماز سمجھا ہے مگر محققین نے اسے نادانی اور غفلت پر محمول کیا ہے۔ ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو خود "فی رمضان ولا فی غیرہ" فرماتی ہیں۔ پھر تو رمضان شریف کے علاوہ بھی غیر مقلدین کو تراویح کی نماز پڑھنی پڑے گی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ　　عکس نام نہد زنگی را کافور

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

ایسے ہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور باب باندھا ہے۔

**باب کیف صلوٰۃ اللیل و کیف کان النبی ﷺ یصلی باللیل**

(بخاری ج۱ص۱۵۳)

اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی جس کے آخر میں صرف وتر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کے شاگرد مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت ﷺ کی رات کی نماز پوچھی تو انہوں نے جواب دیا

**فقالت سبع و تسع و احدیٰ عشر سوی رکعتی الفجر**

(بخاری ج۱ص۱۵۳)

اس میں بھی رات کی آخری نماز یعنی وتروں کے بعد رکعتین قبل الفجر ہیں۔ وتروں کے بعد کے نفلوں کا ذکر نہیں ہے اور اس سے زیادہ واضح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت موجود ہے۔

**عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی ﷺ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ منها الوتر و رکعتا الفجر** (بخاری ج۱ ص۱۵۳)

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے تھے جن میں وتر اور رکعتین قبل الفجر بھی ہوتی تھیں۔ راقم آثم عرض کرتا ہے کہ جس روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ نے گیارہ رکعات کو ذکر فرمایا۔ اس میں رکعتین قبل الفجر سمیت





تیرہ (۱۳) ہو گئیں۔ اس آخری روایت میں وتر اور فجر کی سنتیں مذکور ہیں۔ اس کے ذیل میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

**" وینبغی ان یستحضر هنا ما تقدم فی ابواب الوتر من ذکر رکعتین بعد الوتر والاختلاف هل هما الرکعتین بعد الفجر او صلوٰۃ مفردۃ بعد الوتر یؤیدہ ما وقع عند احمدؒ و ابی داؤد من روایت عبد اللہ بن ابی قیس عن عائشہ رضی اللہ عنها بلفظ کان یوتر باربع و ثلاث و ست وثلاث و ثمان وثلاث و عشر وثلاث ولم یکن یوتر باکثر من ثلاث عشر ولا انقص من سبع و هذا اصح ما وقفت علیه من ذالک و به یجمع بینما اختلف عن عائشہؓ من ذالک** (فتح الباری ج۳ص۱۷)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تفصیل، تحقیق و تطبیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ابواب الوتر میں وتروں کے بعد جو دو رکعت مذکور تھیں اس میں اختلاف تھا کہ وہ رکعتیں قبل الفجر ہیں یا رکعتین بعد الوتر ہیں۔ یہاں یہ بات واضح ہوئی کہ وہ رکعتین قبل الفجر تھیں جس کی تائید مسند احمد، سنن ابی داؤد کے اندر عبد اللہ بن ابی قیس کی روایت جو حضرت عائشہ سے ہے اس سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ ﷺ چار رکعات کے ساتھ تین رکعات چھ رکعات کے ساتھ تین رکعات آٹھ رکعات کے ساتھ تین رکعات اور دس کے ساتھ تین رکعات پڑھتے تھے۔ اس روایت میں تین کے بعد کوئی ذکر مزید نوافل کا نہیں ہے اور جو دو رکعات بعض روایات میں ہیں ان کا ذکر یہاں صراحت سے ہوا **منها الوتر و رکعتا الفجر** کہ وتروں کے بعد وہ دو رکعات سنت فجر کی تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **هذا اصح ما وقفت علیه** کہہ کر اس کی تصحیح فرمائی۔ (جامع ترمذی ج۱ص۱۰۸) ام سلمہؓ

کی روایت رکعتین بعد الوتر کی ہے مگر اس روایت میں میمون بن موسی مرائی ہے جو حد درجہ کا ضعیف ہے چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

**میمون بن موسیٰ ضعیف الحدیث وقال احمد کان یدلس وقال النسائی لیس با القوی** (میزان الاعتدال ج۴ص۲۳۴)

پس یہ روایت تو ضعیف ہوگئی۔ چنانچہ صاحب قوت المغتذی فی شرح الترمذی لکھتے ہیں

**هذا مخالف لقوله ﷺ اجعلو آخر صلوتكم بالليل وترا**

(قوت المغتذی علی شرح الترمذی ج۱ص۱۰۸)

یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کے خلاف ہے جس میں آپ ﷺ نے آخر میں وتر پڑھنا فرمایا ہے آگے آئمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

**ولا يعتبر ممن يعتقد بسنية هاتين الركعتين ويدعو اليه بجهالته وعدم انسه با الاحاديث الصحيحه**

(قوت المغتذی علی الترمذی ج۱ص۱۰۸)

یعنی ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور جو بوجہ جہالت اور احادیث صحیحہ نہ سمجھنے کے لوگوں کو اس کے پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں اور سنت سمجھتے ہیں۔ ہر روایت میں ضعیف راوی کے آنے سے روایت ضعیف ہوجاتی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے **الباحث** ''میں اور ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے **مقدمہ**'' میں اور علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کوثر النبی'' میں تصریح کی ہے یہ اصول محدثین کے یہاں مسلمہ





ہے جس کی تفصیل ابن ابی حاتم رازیؒ کی کتاب الجرح والتعدیل میں ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ

**التنقيح المتين فی تحقيق اطلبو العلم ولو با لصين**

میں اسکو پورے بسط کے ساتھ عرض کیا ہے جو ان شاء اللہ العزیز باعث تسلی ثابت ہوگا۔ بطور تمثیل کے عرض کیا جاتا ہے کہ خاتم المحدثین وسند المفسرین وقدوۃ آئمۃ الجرح والتعدیل امام العصر حضرت مولانا انور شاہ الکشمیری الدیوبندی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت کو راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

**وفی سنده كلام من جا نب ابی عبيد ه فا نه ضعيف عند المحد ثين**

یعنی اس روایت پر ابوعبیدہ کی وجہ سے اعتراض ہے کیونکہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے آگے چل کر مزید لکھتے ہیں ''**فلا اعلم وجه اخر اجه مع ضعف الراوی**''، یعنی باوجود راوی کے ضعیف ہونے کے اس کو کیونکر نقل کیا ہے ملاحظہ ہو (**عرف الشذی علی الترمذی ج ا ص ۱۰۸**) ابوداوٗد کے اندر حضرت عائشہؓ کی روایت ہے تیرہ رکعات نماز شب کی اس کے ضمن میں علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

**فيصير وتره ثلاثا ونفله ثما نيا والركعتا ن للفجر**

(عمدۃ القاری شرح بخاری ج۴ص۴)

یعنی آپ کے وتر تین رکعات اور نفل آٹھ رکعت اور فجر کی دو رکعات سنت تھیں۔ راقم آثم عرض کرتا ہے چونکہ جناب نبی کریم ﷺ وتر کو آخر میں پڑھتے تھے جن کے بعد آپ ﷺ رکعتین قبل الفجر ہی پڑھتے تھے۔ جیسا کہ حدیثوں میں وتروں کے بعد متصل

سنت فجر کا ذکر آتا ہے شاید اس وجہ سے آپ ﷺ نے بعض دفعہ تھک کر بیٹھ کر پڑھ لی جس کی وجہ سے **جالساً** کا ذکر آتا ہے یہ نہ کہا جائے کہ سنت فجر بیٹھ کر ثابت نہیں ہے کیونکہ ابو داؤد کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ آپ ﷺ نے بین الاذنین دورکعات بیٹھ کر پڑھ لی اور یہ ظاہر ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان فجر ہی پڑھی جاتی ہے

**ان السنة اداؤهما قياما فان الجلوس كان لعذر** (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۷)

یعنی بیٹھ کر سنت فجر پڑھنا کسی عذر سے تھا یا نفس جواز سمجھانے کے لئے ملاحظہ ہو

(بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۹)

پس یہ احتمال یقین کے درجہ میں ہوا کہ وتروں کے بعد آپ ﷺ سنت فجر ہی پڑھتے تھے اگرچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آئمہ حدیث نے یہ فرمایا ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعت نفل آپ ﷺ پڑھ چکے تھے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ نے اس کو ترک فرما دیا تھا۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ احتمال ہے کہ یہ دو رکعت آپ ﷺ وتروں سے پہلے پڑھتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تین جواب دے چکے ہیں۔ پہلا جواب کہ یہ دو رکعات ابتداء میں پڑھی جاتی تھیں بعد میں منسوخ ہوگئیں "**اجعلو آخر صلوٰتکم باللیل وترا**" سے اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دو رکعات وتروں سے پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ اور تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دو رکعات فجر کی دو سنتیں تھیں۔

حضرت مولانا عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے رکعتین بعد الوتر کی روایت کو بمقابلہ احادیث صحیحہ قولیہ وفعلیہ کے ضعیف قرار دیتے ہوئے بطور تمثیل کے لکھا ہے کہ رکعتین بعد الوتر کی روایت "**اجعلو آخر صلوٰتکم باللیل وترا**" کے مقابلے میں





مأول ہے یعنی (محتاج تاویل) آگے انہوں نے تین تاویلیں پیش کی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

**عن ابی امامة رضی الله عنه قال كان رسول الله ﷺ يصلی ركعتين بعد الوتر وهو جالس يقرأ فيهما واذا زلزلت وقل يا ايها الكافرون رواه احمد ،وعن ابن عمر رضی الله عنه يرفعه اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وترا ، رواه الشيخان والجواب عنه بثلاثة وجوه احدها انكار الحديث الاول وهو قول مالكؒ ثانيها ان الحديث الاول لبيان الجواز والثانی على الاستحباب ثالثها ان الركعتين ملحقان بالوتر و ستشكل الامام احمدؒ التطبيق والترجيح فقال لا اصليهما ولا انهى عنهما** (کوثر النبی ص ۳۴)

ترجمہ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ زلزال اور دوسری رکعت میں سورۃ کافرون پڑھتے تھے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔ اس کے تین طرح جوابات دیئے گئے ہیں پہلا یہ کہ وتروں کے بعد دو رکعات کی روایت سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ انکار فرماتے تھے، دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلی روایت سے صرف جواز ثابت ہوتا ہے جبکہ دوسری روایت میں امر مستحب بیان ہوا ہے یعنی ابوامامہؓ کی روایت سے زیادہ سے زیادہ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے وتروں کے بعد نفل نہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور مستحب یہی ہے راقم آثم عرض کرتا ہے **اجعلو** اصیغہ امر کا ہے اور امر کا موجب بمقتضائے اصول وجوب کا ہے یعنی جہاں

امراور حکم وارد ہواس سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہذاامام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وتروں کے
بعد دورکعات سے انکار اسلئے فرمایا کہ وجوب جو تقاضہ ہے **اجعلوا** قول رسول ﷺ کا اسکے
ہوتے ہوئے دورکعات صحیح نہیں ہوسکتیں۔دوسرے جواب کا منشاء بھی اصولی ہے وہ یہ کہ
امر کا موجب کبھی استحباب ہوتا ہے لہذا نہ پڑھنا مستحب ہوا ملاحظہ ہو

(نورالانوار ص ۲۷،حسامی ص ۲۷،اصول بزدوی،اصول سرخسی **ذیل مبحث فی الامر** )

تیسرا جواب یہ کہ رکعتین بعد الوتر وتر ہی کی دورکعات ہیں گویا راوی نے علیحدہ
ذکر کیا لیکن درحقیقت یہ وتروں ہی کی دورکعات تھیں۔یہی وجہ تھی کہ امام احمد رحمۃ اللہ
علیہ نے فرمایا کہ میں ان ودرکعات کو نہ پڑھوں گا اور نہ اس سے منع کروں گا۔امام احمد رحمۃ
اللہ علیہ کا منع نہ فرمانا احتیاط پر مبنی ہے ورنہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم حامل حدیث بزرگ
کا وتروں کے بعد نہ پڑھنا ہی کافی ہے۔چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں نے
لکھا ہے

**سئل احمد کیف حفظت الاحادیث کلها فاجاب ما سمعت حدیثاالا عملت به**

یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ نے لاکھوں احادیث کیسے یاد فرمائیں انہوں
نے جواب دیا کہ جب بھی میں نے کوئی حدیث سنی ہے اس پر عمل ضرور کیا۔واضح رہے کہ
چوتھا جواب بھی موجود ہے جو ہم فتح الباری اور عمدۃ القاری کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں
وہ یہ کہ دورکعات بعد الوتر سنت فجر تھی چنانچہ اسی جواب کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح
الباری میں واشگاف الفاظ میں نقل کیا ہے جو قبل میں گزر چکا ہے۔





# ایک علمی شبہ اوراس کا جواب

صحیح مسلم شریف (ج ۱ ص ۲۵۴) رکعتین بعد الوتر کی روایت میں **کان یصلی**
کے الفاظ آتے ہیں ہمارے دور کے بعض فاضل علماء نے اس سے دوام اوراستمرار سمجھا ہے
چنانچہ ایک گفتگو کے درمیان ہمیں یہی معلوم ہوا جبکہ امام نووی ؒ نے شرح مسلم میں اسی
حدیث کے ذیل میں اس کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں

**ولا تغتر بقولها کان یصلی فان مختار الذی علیه اکثرون والمحققون من الاصولیین ان لفظة کان لا یلزم منها الدوام والتکرار** ملاحظہ ہو

(شرح نووی علی المسلم ج ۱ ص ۲۵۴)

یعنی لفظ کان سے دھوکہ نہ کھانا اس لئے کہ اکثر علماء محققین اصولیین کے نزدیک لفظ کان سے
دوام وتکرار لازم نہیں آتا۔محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے
ملاحظہ ہو۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۴۶۶،ج ۵ ص ۱۱۴)

## رکعتین بعد الوتر کے بارے میں ملا علی قاریؒ کی آراء گرامی

ابن ماجہ کی ایک روایت پر کلام کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

**ولعله كان كله قبل قوله عليه الصلوٰة والسلام اجعلوا اٰخر صلوتكم بالليل وترا**

یعنی وتروں کے بعد دو کی رکعات کی جملہ روایات آنخضرت ﷺ کی اس حدیث سے پہلے کی ہیں جس میں آپ ﷺ نے وتر کو آخر میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو باب باندھا تھا کہ وتروں کے بعد دو رکعات بعد میں منسوخ ہو گئیں تھیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرما رہے ہیں (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۴)

سنن دارمی کی ایک روایت جس میں بظاہر وتروں کے بعد دو رکعات معلوم ہوتی ہیں اس پر کلام کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

**فيه دلالة على منع الايتار بواحدة والاظهر ان المراد بالوتر ثلاث ركعات والركعتان قبله نافلة قائمة مقام التهجد و قيام الليل** (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۵)

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا منع ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہاں پر تین رکعات وتر کی مراد ہیں اور دو رکعات وتر سے پہلے کے نفل ہیں جو تہجد کے قائم مقام ہیں اور رات کی نماز کے بھی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں دو اہم باتیں سمجھا دیں پہلی بات یہ کہ یہ دو رکعات درحقیقت قبل الوتر ہیں اور دوسری بات یہ کہ وتروں سے پہلے جو دو رکعات نفل پڑھی جاتی ہیں وہی تہجد کے قائم مقام ہے ہم





نے اس سے پہلے فتاویٰ شام کے حوالے سے بھی یہ بات عرض کی تھی کہ عشاء کے بعد وتروں سے پہلے تہجد کی نیت سے نفل پڑھنا تہجد کے قائم مقام ہے ملا علی قاریؒ کی عبارت سے یہ مسئلہ مزید واضح ہوا۔ مسند احمد کی ایک روایت جو حضرت ابوامامہؓ کے واسطے سے ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، **كان يصليهما بعد الوتر وهو جالس** کہ آنخضرت ﷺ وتروں کے بعد دو رکعات بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

اس حدیث کے ذیل میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**كان اى اوّل الا مر او احيانا**"، یعنی آنخضرت ﷺ نے ابتدا میں یہ دو رکعات پڑھی تھیں بعد میں یہ نہیں رہیں یا یہ کہ یہ آپ کا باقاعدہ عمل نہیں رہا (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۵)

### یہاں پر مندرجہ ذیل فوائد سمجھنے کے ہیں

(۱) آنخضرت ﷺ کا باقاعدہ عمل جو سنت کہلاتا ہے وتروں کے بعد نفل نہ پڑھنے کا ہے اور اس پر آپ ﷺ کے اقوال وافعال دال ہیں۔

(۲) جن روایات میں **بعد الوتر**' کے الفاظ ملتے ہیں محدثین ان کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں ناسخ آپ ﷺ کا قطعی ارشاد **اجعلوا آخر صلوتكم بالليل وتراً** ہے۔ **ملا علی قاریؒ** اور **امام بیہقیؒ** وتروں کے بعد کی دو رکعات کو منسوخ فرماتے ہیں۔

(۳) سنن دارقطنی اور سنن دارمی وغیرہ کی روایات میں وتر کے بعد دو رکعات پڑھنے کو جو تہجد کے قائم مقام فرمایا ہے وہ بھی وتروں سے قبل کی دو رکعات ہیں۔

(۴) عشاء کی نماز کے بعد وتروں سے قبل دو رکعات بنیت تہجد پڑھنا تہجد کے قائم مقام ہو سکتی ہیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں۔

(۵) وتروں کے بعد دو رکعات کی روایات کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم امام الحدیث صحیح نہیں سمجھتے تھے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

" **فانکر الامام مالک ؒ حدیث الرکعتین بعد الوتر وقال لم یصح**"

(لمعات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۹۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سے منع فرمایا ہے۔

**وقال ابن حجر ابیٰ اکثر اصحابنا ذالک** (مرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۳)

(۶) جمہور علماء یعنی محدثین اور فقہاء وتروں کے بعد نفل پڑھنے کو خلاف مستحب فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

(۱) فتح القدیر ج ۱ ص ۳۸۲

(۲) مرقاۃ ج ۳ ص ۳۵۴، ۳۵۵

(۳) لمعات ج ۴ ص ۹۰

ابوداؤد کے ایک نسخے میں یہ موجود تھا کہ وتروں کے بعد دو رکعات نہ پڑھی جائیں

**قال ابو داؤد اصحابنا لا یرون الرکعتین بعد الوتر** (بذل المجہود ج ۲ ص ۲۹۵)

یعنی امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء وتروں کے بعد دو رکعات





پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ متقدمین میں ان دو رکعات سے انکار پایا جاتا تھا۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وتروں کے بعد دو رکعات پڑھنے کو ہمارے زمانے کے بزرگ اچھا نہیں سمجھتے تھے

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۳۱)

ہمارے حنفی فقہاء نے ان دو رکعتوں کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے احسن المسائل میں ذکر کیا ہے۔

## صرف روایت میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں

بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہو جاتا ہے ایک چیز جب کسی روایت میں آ جاتی ہے تو وہ ثابت ہو جاتی ہے یہ ایک علمی لغزش ہے جس پر ہمارے بزرگ تنبیہ فرما چکے ہیں روایت میں آ جانے کے ساتھ ساتھ فقہاء کا اس چیز کو قبول کرنا ضروری ہے ورنہ روایات میں بعض ایسی چیزیں ذکر ہوتی ہیں جو قابل عمل نہیں ہوتیں یہی حال مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ہے امام دارمیؒ نے اس پر باب باندھا ہے

**باب الرکعتین قبل المغرب** (سنن دارمی ج ۱ ص ۲۷۶)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر باب باندھا ہے ملاحظہ ہو

**باب الرکعتین قبل المغرب** (سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۶۴)

مگر ہمارے فقہاء نے اس سے انکار کیا ہے اور نا قابل عمل ہے۔ اسی طرح صحیحین کی روایت میں فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر آتا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے

ہیں مگر مجتہدین اور فقہاء دین نے قرآن وحدیث کے مسلمہ اصول کے پیش نظر نمازوں کے بعد ایسا ذکر جو دوسروں کیلئے تشویش کا باعث ہو منع فرمایا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری ،فتاوی قاضی خان ،اور فتاوی بزازیہ میں موجود ہے۔اسی طرح ذکر بعد الصلوۃ کے بارے بھی یہی عرض ہے کہ فقہاء دین میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں فرمایا اور آج اہل بدعت اس وجہ سے گمراہی کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں کہ وہ فقہاء کرام کا دامن چھوڑے ہوئے ہیں۔محقق ابن الھمامؒ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کے سلسلے میں فرماتے ہیں

**لم یعرف احد من الفقہاء قالہ** (فتح القدیر ج۱ ص۳۸۴)

فقہاء میں سے کسی نے اس کو نہیں لیا۔

**طرفہ تماشہ**: بدعتیوں کے اعلیٰ حضرت جن کو یہ لوگ مجدد تک کہہ جاتے ہیں احمد رضا خان بریلوی حافظ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ کو محقق علی الاطلاق کہتے تھے لہذا موجودہ زمانے کے بدعتیوں کو فوراً نمازوں کے بعد ذکر بالجہر چھوڑنا چاہیے چونکہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تو حسن اتفاق سے ان کے اعلیٰ حضرت کے یہاں بھی مستند اور معتمد ثابت ہوئے ''**والحمد للہ علی ذالک**'' نیز اسی خوش فہمی میں مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر والوں نے فتح القدیر بھی طبع کرادی اب مصنف بھی ان کے یہاں مستند اور کتاب بھی ان کے یہاں کی مطبوعہ اب بھی اگر بدعتی نہ مانیں تو اس کو سوائے ہٹ دھرمی کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

کل میاں حجام جہاں مونڈھتا تھا اوروں کا سر
آج اسی کوچہ میں خود اسی کی حجامت ہو گئی





شاید بریلوی اپنے اعلیٰ حضرت سے اختلاف کرتے ہوئے محقق علی الاطلاق کو وہابی بالاتفاق کہنا شروع کردیں مگر پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اس قسم کی بدعات میں یہ لوگ حنفی تو کیا کسی بھی فقہ کے تابع نہیں بلکہ نرے غیر مقلد ہیں اور غیر مقلدیت کی وجہ سے آج فقہاء دین کے مسلمہ اصول سے انحراف کرتے ہوئے تفرقۂ اعتقاد اور تفرقۂ دین کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات ہم نے ضمناً ذکر دی تفصیلی بحث ان شاء اللہ العزیز ہمارے رسالے ''احمد رضا خان کا علمی جائزہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

# احسن المقال فی کراھیۃ صیام ستۃ شوال

## یعنی

## شوال کے چھ روزوں کے مکروہ ہونے کی تحقیق





# فہرست

# مقدمہ

**الحمد لله رب العٰلمين وصلى الله وسلم على رسوله الكريم ونبيه الامين وعلى اٰله واصحابه افضل الخلائق بعد النبيين ومن بعدهم اقتدٰى وباثارهم اكتفىٰ من المفسرين والمحدثين والفقهاء الىٰ يوم الجزاء**

**اما بعد !**

علماء امت محمدیہ جو دین اسلام کے راہنمایان اور آنحضرت ﷺ اور حضرات انبیاء کے وارثین اور جانشین ہیں ان کے مناصب شریفہ میں سے اہم اور مہم منصب احقاق حق اور ابطال باطل ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے انہیں ہمہ زندگی حدودِ شرع کا تحفظ اور اس کا دفاع کرنا پڑتا ہے۔ "ان العلماء ورثة الانبياء" (ترمذی ج ۲ ص ۹۷) کا منصب ملنے کے بعد "ولا يخافون لومة لائم" (سورۃ مائدہ آیت ۵۴) کے افتخار کے ساتھ وہ یہ فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اس آفاقی دین اور ہمہ گیر شرائع کا خلاصہ دو اساسی مرحلوں میں سامنے آتا ہے عقیدہ کے لئے توحید جس کے لئے ہر قسم کی شرک کی نفی کرنی پڑتی ہے اور سنت جس کے لئے رسوم فاسدہ اور بدعات ومحدثات کا رد کرنا پڑتا ہے یہی وہ دو کٹھن میا





دین ہیں جن میں آ کر اہلیان حق اور اہلیان باطل کا فرق واضح ہو جاتا ہے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جملہ اقدامات چار دانگ عالم میں خواہ وہ جہاد کی شکل میں یا دعوت الی اللہ کی شکل میں ہوں انہی دو حقیقتوں سے وابستہ رہتے ہیں۔ حضراتِ تابعین واتباعھم اور مجتہدین کرام اور محدثین عظام کی تمام کاوشوں کی روح الروح یہی ہے۔ چنانچہ وقت کے اہل باطل جیسے خوارج، معتزلہ، مرجیہ، جہمیہ، قدریہ اور کرامیہ وغیرہ سے وہ انہی مسائل میں نبرد آزما رہے۔ ان کے بعد بھی الیٰ یومنا ھذا علماء اور اولیاء تحفظ دین کے لئے انہی اصولِ اسلام پر کاربند رہے۔ چنانچہ جہاں عقائد واعمال کے باب میں انہیں محسوس ہوا کہ اس عمل کے ارتکاب سے کسی درجہ میں بھی کوئی بدعت پیدا ہو سکتی ہے تو انہوں نے اسے روکنے کی کوشش فرمائی چنانچہ شیخ الصحابہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صلوۃ الضحیٰ کو بدعت فرماتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے ملاحظہ ہو

**"فاذا عبد الله بن عمر رضى الله عنه جالس الى حجرة عائشه رضى الله عنها واذاناس يصلون فى المسجد صلوة الضحىٰ قال فسألناه عن صلوتهم فقال بدعة**　　(بخاری ج ا ص ۲۳۸)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور عروہ مسجد میں داخل ہوئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف بیٹھے ہوئے تھے جبکہ کچھ لوگ مسجد نبوی میں چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی اسطرح کی نماز کا پوچھا تو فرمایا یہ بدعت ہے باوجود اس کے کہ صلوۃ الضحیٰ کا ثبوت قولی اور فعلی روایات میں موجود ہے لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس اہتمام یا کیفیت خاصہ یا ہیئت

فی المسجد وغیرہ کما ذکرھا المحدثون کو دیکھ کر سرے سے عمل کو بدعت قرار دیدیا۔ معلوم ہوا کہ نفس روایت کا وارد ہونا ہمیشہ کے عمل کیلئے کافی نہیں بلکہ ہیئات اور کیفیات محدثہ کی وجہ سے بھی منع کیا جا سکتا ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ہے کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نماز میں زور سے بسم اللہ پڑھنے سے منع فرماتے ہوئے اسے بدعت کہا حالانکہ علماء جانتے ہیں کہ نفس ثبوت روایت میں موجود ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو۔

**عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال سمعنی ابی وانا فی الصلوۃ اقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث قال ولم ارٰی احداً من اصحاب رسول اللہ ﷺ کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ** ( ترمذی ج اص ۵۷ )

چنانچہ فقہاء کرام نے اس سے اصول مستنبط فرمائے ہیں کہ نفس سنت اور استحباب کو بھی اپنی حد میں رکھنے تک وہ سنت یا استحباب وہ عبادت رہے گی۔ جہاں تجاوز ہو یا التزام اور دوام کے نظریات پیدا ہوئے وہ سنت اور مستحب نہیں رہا۔ چنانچہ بعض سورتوں کی قرأت باوجود نمازوں میں مروی ہونے کے، جیسے جمعہ کی نماز میں سورت سجدہ اور سورت دھر اور خود نماز جمعہ میں سورت غاشیہ اور سورت اعلیٰ یا نماز وتر میں سورت اعلیٰ سورت کافرون اور سورت اخلاص پڑھنا روایت میں وارد ہے اور اس کی سنیت مسلمہ ہے مگر بعض خطرات کی وجہ سے فقہاء نے اسے کبھی ترک کرنے کی تاکید فرمائی ہے تاکہ ناواقف لوگ اسے ضروری نہ سمجھیں ملاحظہ ہو





(۱) بدائع الصنائع ج اص ۲۷۲، ۲۷۳

(۲) فتح القدیر ج اص ۳۹۲، ۲۹۲

(۳) البحر الرائق ج اص ۳۴۲، ۳۴۳

(۴) ردالمحتار ج اص ۳۶۴، ۳۶۵

بلکہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متعدد کتب فقہ میں وارد ہے کہ بدعت سے بچنے کے لئے سنت کا ترک ضروری ہے

(ردّالمحتار ج اص ۵۰۶، ۴۳۱)

بلکہ اس قسم کے مواقع پر ایسے اعمال کا ترک کرنا زیادہ باعث اجر و ثواب ہوتا ہے۔ جیسے نفل باجماعت کی کراہت اور بدعت ہونے پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں

**فلو ترک امثال ھذہ الصلوٰت تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعار فحسن** (ردالمحتار ج اص ۴۷۶)

جیسا کہ آگے چل کر اس کی مزید تفصیل آنے والی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شوال کے چھ روزوں کو مکروہ اور بدعت فرمایا ہے اور علماء امت کو تاکید فرمائی ہے کہ عوام کو اس سے منع فرمائیں، جیسا کہ مؤطا میں موجود ہے اور مفصل آرہا ہے اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے علی التحقیق ان روزوں کی کراہت مروی ہے جسے ہم مفصل ثابت کر رہے ہیں ۔ گومتاخرین حنفیہ میں سے بعض حضرات کا میلان یا ترجیح ان روزوں کے استحباب کی طرف ہے، یہ تاثر کب سے پیدا ہوا ؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس قسم کی ابحاث پر ہمارا یہ رسالہ ''احسن المقال'' حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے

مشتمل ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر حضرات علم نے توجہ اور انصاف سے اسے مطالعہ فرمایا تو انشاءاللہ تعالیٰ وہ اس باب میں اسے بصیرت افروز پائیں گے۔اس سلسلے میں بعض حضرات کے فتاویٰ اور تحریرات بھی پیش نظر ہیں جس میں ان روزوں کے استحباب کو اصل مذہب ظاہر فرمایا ہےلیکن تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ مذہب وہی ہے جو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔اس باب میں ہمارا ایک اور رسالہ ’’ **احسن الاعلام بان الفتویٰ مطلقاً علیٰ مذهب الامام** ‘‘ انشاءاللہ احسن المقال کے بعد مستقل شائع ہوگا۔زیرنظر رسالہ میں ہمیں مشائخ کرام کے قول استحباب سے اتفاق نہ ہو سکا،اور حضرت امام صاحب کا قول کراہیت ہم راجح اور مذہبِ حنفی سمجھتے ہیں۔چنانچہ اس موضوع پر یہ رسالہ ترتیب دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے مجھ عاجز کے لئے اور دیگر متلاشیانِ حق کے لئے راہنما ثابت فرمائے۔





امام اہلسنت محقق العصر ترجمانِ مسلک دیوبند شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر بارک اللہ فی حیاتھم القیمہ نے بوجہ امراض مختلفہ کے باقاعدہ تقریظ تو نہیں لکھی مگر حضرت کی نیک دعائیں جو مؤلف اور تالیف کے لئے فرمائیں اس پر مشتمل تحریر سرمایہ رسالہ ہے۔

# تقریظ

استاذ العرب والعجم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب
شیخ الحدیث والتفسیر بجامعۃ دارالعلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک

**الحمد لله و کفیٰ وسلام علی 'عبا ده الذین اصطفیٰ اما بعد.......**

**فقد ثلج صدری وقرّت عینا ی برویة الکتا ب الجد ید الذی الفه العلا مة المفتی محمد زر ولی خان المحترم رئیس الجا معه احسن العلوم (کراتشی) وشیخ الحد یث بها وسما ه "احسن المقال فی صیا م ستة من شوّال" ولا ریب انه کتا ب مبتکر ممتع فی مو ضوع الصیام لستة من شوال وأنه هِد یة ذهبیة لمکتبا ت العلو م الا سلا میة وتد ل محتو یا ت هذا الکتاب الا نیق بأ ن المولف المو قر قد بذل جهو ده المشکو ره فی تحقیق هذه المسئلة الها مة وطا لع لها الا ف الصفحا ت لأمها ت الکتب والمصادر وقد رزقه الله تعا لیٰ قوة التحر یروملکة البیان فی المسا ئل الفقهیة فأ فاد وأجا د**





**وأبا ن جمیع الجو انب لهذا المو ضو ع مع مالها وما علیها ووفّٰی حقو ق هذه المسألة من التو ضیح والتفصیل فجزاه الله احسن ما یجا زی عبا ده المحسنین و وفقه لما فیه رفعة الاسلا م وهد ایة للمسلمین وهو ولی التو فیق والسد ا د وهو المستعان وعلیه التکلان وصلی الله تعا لیٰ علی خیر خلقه واشرف رسله وعلیٰ اٰله واصحا به اجمعین**

**شیر علی شا ه**
**خا دم الطلبه بجامعة دار العلوم الحقا نیه**
**۲۲-۳-۱۴۲۱ھ**

# تقریظ

## شیخ المشائخ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب مدظلہ

**الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا رسول اللہ و مولانا محمد بن عبد اللہ ، وعلیٰ آلہ و صحبہ ومن والاہ وعلیٰ من اختار ھدیہ فی شؤن حیاتہ و ھداہ**

**وبعد ، فقد طالعت ھذہ الرسالۃ الموجزہ" احسن المقال " فی عجلۃ المستوفز لاخینا فی اللہ مولانا المفتی محمد زرولی خان المحترم حفظہ اللہ ورعاہ وأعجبت بما بذل فیھا جھودہ المشکورۃ و حقق الموضوع بغایۃ من النصفۃ ، واجال الفکر فی نواحیہ و اثبت رأیہ مدعما بالادلۃ المقنعۃ علیٰ ضوء قواعد الافتاء واقوال الائمۃ وخاصۃ الامامین الھمامین ابی حنیفۃ النعمان و مالک بن انس رضی اللہ عنھما وقد شاھدت أ نا غلو بعض المتصوفۃ و بعض اھالی الحرمین الشریفین فی ھذہ الصیام ، فللہ درہ وعلیہ مثوبتہ واجرہ وھو موافق المعین.**

**محمد حسن جان**





# تقریظ

## حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب الشہید رحمۃ اللہ علیہ

اس دور میں علم وتحقیق ناپید ہے اور محقق علماء انتہائی کم ہیں۔

**وقد کانو اذا عُدّوا قلیلا**

**فقد صارو اعز من القلیل**

ہمارے یہاں اس دور کے محقق علماء میں سے حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب بانی ومہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عربیہ احسن العلوم ایک محقق عالم ہیں۔ زیرنظر رسالہ میں حضرت مولانا موصوف نے شوال کے چھ روزوں کے استحباب وعدم استحباب کے ایک پہلو پر محققانہ بحث کی ہے یہ مسئلہ اگرچہ ہمارے فقہاء احناف کے ہاں کچھ مختلف فیہ ہے اور دونوں قسم کی عبارتیں ملتی ہیں جن میں سے بعض علماء نے ایک پہلو اور بعض دوسرے حضرات نے دوسرے پہلو کو اختیار کیا ہے۔ حضرت مولانا نے اس موضوع پر فقہ، حدیث، اصول حدیث، اور علم اسماء الرجال کی روشنی میں خوب داد تحقیق دی ہے۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور امت کیلئے اس کو باعث ہدایت بنادے آمین۔

نظام الدین شامزئی

۷ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

# تقریظ

## حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

استاد الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

**الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ وسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد**

صیام ستہ شوال کے بارے میں قرون اولیٰ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ صحیح البخاری کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں اس کی روایات وارد ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ جو مالک الرجال والاسانید کہلاتے ہیں انہوں نے مؤطا میں اس کا صاف اور صریح انکار فرمایا ہے ہمارے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی محققین نے کراہت نقل فرمائی ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق، جامع الرموز، فتاوی تاتارخانیہ، فتاوی ھندیہ وغیرہ میں ہے بلکہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے صوم شک کو تو مکروہ روزوں میں سے شمار کر کے مفصل کلام فرمایا ہے خود انہی کتابوں میں بعض مشائخ متاخرین سے استحباب مروی ہے جس





پر ہمارے زمانے میں جا بجا عمل ہو رہا ہے۔ضرورت تھی کہ اس پر سیر حاصل کلام ہو جاتا تا کہ قول فیصل اور درست نہج کی تعین ہو جاتی چنانچہ ہمارے محترم مولانا محمد زرولی خان صاحب شیخ الحدیث والتفسیر جامعہ عربیہ احسن العلوم نے اس موضوع پر احسن المقال لکھ کر اس قسم کے ابحاث کو نہایہ تک پہنچانے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ ماشاءاللہ رسالہ خوب ہے ادلہ اور براھین سے مزین ہے۔

**کا الشمس فی کبد السماء وضوئھا**

**یغشی البلاد مشارقا و مغاربا**

**کا لبدر فی وسط السماء و نورھا**

**یھدی الی عینیک نورا ثاقبا**

مولانا صاحب نے ایک طرف تو روایات پر سنداً متناً کلام کیا اور یہ ثابت کیا کہ حضرت امام مالکؒ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف برھان ساطع اور دلیل قطعی پر مبنی تھا۔ دوسری طرف استحباب کے قائلین جو کہ بقول سیّد احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ بعض متاخرین ہیں اس کی تنقیح فرمائی اور فقہ اور افتاء کے وہ زرّین اصول نقل کیے ہیں جن سے بڑی متانت کے ساتھ یہ فضاء صاف اور سازگار ہوئی کہ اصل مذہب اور قوی بات وہی ہے جو امامان کبیران امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے علماء کرام کو اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ کا شکر و امتنان بجالانا چاہئے۔کہ انہوں نے اس موضوع پر خاطر خواہ فقہی اور حدیثی موادقوی مواطن سے جمع فرمایا ہے علم وانصاف کے میزان میں یہ بات کم از کم اہل حق کی شان سے مستبعد ہوگی کہ کسی ایک پہلو پر صرف اس لئے اصرار کیا

جائے کہ کچھ عرصے سے ہمارے ہاں اس کے فضائل پر عمل ہونے لگا ہے

''احسن المقال'' کے اہداف خود اس کے آرائے صحیحہ اور مقاصد شریفہ کے لئے کافی ہیں مثلاً (۱) روایات پر سنداً و متناً مُشبع اور مُقنع کلام (۲) حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت کا ثبوت اور اس سلسلے میں مضبوط مراجع سے استفادہ اور تنقیح (۳) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موطاً کی عبارت کی تائید اور توضیح جو کہ رسالہ کے دیکھنے سے واضح ہے چنانچہ فائدہ بعد الوقوع کے طور پر ان متصوفہ یا بعض حضرات کے اس بارے میں تشدد اور اصرار والتزام کا خاطر خواہ رد یا ان اقدامات کی حدود شرعیہ کے اندر رہتے ہوئے اصلاح عظیم مداوا سامنے آچکا ہے اس بارے میں اپنے ہی بعض حضرات کی طرف سے فتویٰ کی شکل میں جو تحریرات سامنے آئی ہیں حضرت مفتی صاحب موصوف نے ان کا علمی جائزہ لیا ہے اور ان سے اس سلسلے میں سنگین نوعیت کی فروگذاشتوں کو بڑی قوت اور متانت کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ مثلاً پہلا فتویٰ جو اس سلسلے میں آیا ہے اس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کراہت نقل کرنے سے پہلو تہی برتی گئی ہے جو کہ علم و دیانت کے شایانِ شان نہیں ہے اور پھر ایک مقلد اپنے مجتہد کے ساتھ ایسا روش برتے ! حضرت مفتی صاحب نے اس پر بجا طور پر ناراضگی ظاہر فرمائی ہے اسی طرح دوسرا فتویٰ جو صادر ہوا ہے اس میں طحطاوی علی الدّر، ج ۱ ص۲۷۰ سے قال الحلوانی رحمۃ اللہ علیہ سے عبارت نقل کی گئی ہے جو استحباب کے لئے مفید تھی مگر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قال الکوهستانی'' رحمۃ اللہ علیہ سے درمختار کی عبارت کی جو تصحیح فرمائی وہ نظر انداز کیا گیا ہے۔ نیز ختم بحث پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت کہ





**''اذا عرفت هذا فما فی المتن قول بعض المتاخرین''**

بھی نظر انداز کی گئی ہے اس قسم کی فروگذاشتوں پر تنبیہ کے لئے ''احسن المقال'' ان شاء اللہ تعالیٰ قول فیصل ثابت ہوگا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ردّ المحتار میں جو تحقیق علامہ قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی نقل فرمائی ہے احسن المقال میں اسے جمہور فقہاء کے مقابلہ میں تفرد ثابت کیا گیا ہے۔

اور بھی بیش بہا علمی مباحث ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مسئلے کی تحقیق میں خاصے مفید ثابت ہوں گے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مؤلف مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور طالبان حق کو ''احسن المقال'' سے احسن ثمرات اٹھانے کی توفیق عطاء فرمائے

**وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و اٰله و اصحابه اجمعین**

وانا احقر الناس (مولانا قاری) مفتاح اللہ

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

# بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح اور حسان میں شوال کے چھ روزے مروی ہیں، جن کا ثواب کہیں عمر بھر (صیام الدھر) اور کہیں سال بھر کا ثواب مذکور ہے، کمافی سنن ابن ماجہ اور یہ احادیث سنداً اور متناً متکلم فیہ ہیں جیسا کہ آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اس کا مفصل جائزہ پیش کریں گے۔ امامان جلیلان امام اہل مدینہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا میں صراحتاً ان روزوں کا انکار اور اس کے ارتکاب کو بدعت فرمانا منقول ہے۔ اسی طرح الامام الاعظم امام ھذہ الامۃ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی معتبر کتبِ فتاویٰ اور مذہب کی معتبر کتب میں کراہت منقول ہے جس کا تفصیلی جائزہ ہم ان سطور میں ان شاء اللہ پیش کریں گے بعض حضرات روایت کو اصح فی الباب اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے انکار یا قول بالکراہیت کو غیر مختار اور ناپسندیدہ کہتے ہیں جو کہ عقلاً اور نقلاً درست نہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے دارالافتاء کا ایک مختصر اور انتہائی بامعنیٰ فتویٰ شائع ہوا ہے جس کے جواب میں قرب و جوار کی بعض تحریرات دیکھنے میں آئیں ان تحریرات کو





دیکھنے سے تین باتیں سمجھ میں آئیں

(۱) پہلی بات یہ کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف کی ضروری اور اہم بحث سے عمداً پہلوتہی برتی گئی ہے جو اس مسئلہ کی اصل اساس ہے۔

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا انکار اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالکراہیت ساقط نقول اور معدوم کتب کے ذریعے رد کیا گیا ہے، جو کہ آداب علم کے منافی ہے۔

(۳) ثالثاً ہمیں یہ الزام دیا گیا کہ ہم نے بعض عبارتیں بناء بر دیانت پوری نقل نہیں کیں جبکہ بفضل اللہ تعالیٰ ہمارے فتوے میں تمام تحریر بقید صفحہ وسطر موافق ومخالف اقوال دونوں موجود ہیں۔ اور جوابی تحریر حدیث اور فتاویٰ دونوں میں اصل مذہب جس کا بیان اور بعدہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے اسکو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مثلاً حدیث ابن ماجہ نقل کئے بغیر صوم الدھر کا ترجمہ سال بھر سے کیا گیا ہے۔ **فیا لضیعة العلم و التحقیق** اور بار بار روایت ابی ایوب رضی اللہ عنہ کو صحیح گردانا گیا ہے۔ جبکہ خود امام ترمذیؒ نے اس کو صحیح کے بجائے صرف حسن درجے کا تسلیم کیا ہے، پھر فقہی وحدیثی جواب دینا تو ان کا شرعی اور علمی حق تھا مگر تحریر میں اضطراب فی الحدیث اور بیان ضعفِ سند اور نقل مذاہب میں اس حقیقت کو نظر انداز کیا گیا کہ خود قرونِ اولیٰ میں اجلہ آئمہ اس قسم کی احادیث یا اس قسم کے صیام ستہ شوال کے سرے سے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں۔ زیر نظر تحریر میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مفصل اور مدلل جائزہ لے رہے ہیں۔

**واللہ الموفق لکل خیر و سعادۃ**

# المبحث فی احادیث صیام ستة شوال

صحیح مسلم کی روایت جس میں مذکور ہے" من صام رمضان ثم اتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدهر "یہ روایت چونکہ سعد بن سعید بن قیس سے ہے اور وہ متکلم فیہ۔ دیکھئے

**لان فیه سعد ابن سعید و فیه مقال**

(المنہل العذب المورود لشرح سنن ابی داؤد ج ۱۰ ص ۱۹۱)

اسی طرح مسند احمد، مسند بزار اور طبرانی کی روایت میں عمر بن ثابت ہے اور وہ ضعیف ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس میں بھی" وفیه من لم یعرفه" کا کلام موجود ہے ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یحی بن سعید مازنی متروک ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی الاوسط میں ہے جس میں مسلمہ بن علی الخوشینی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ بعض اسانید میں عبدالرحمٰن بن غنّام ہے جو کہ مجہول ہے

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۸۶، ۱۸۷)

سعد بن سعید وہ صوم ستہ شوال کے مدار ہیں ،اور وہ ضعیف اور متکلم فیہ ہیں چنانچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

**ضعفه احمد ابن حنبل وقال النسائی لیس بالقوی** آگے لکھتے ہیں **وقال اخرج له مسلم من حدیث یحی ابن سعید الاموی عن سعد عن عمر ابن ثابت عن ابی ایوب حدیث صوم ست من شوال و مدار الحدیث علیه**

(میزان الاعتدال فی نقد الرجال ج ۲ ص ۱۲۰)





ستہ شوال کے راوی جو مدار ہیں اس پر مزید کلام ملاحظہ ہو عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے والد سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں" کہ سعد ابن سعید کی یاداشت نہیں تھی اور جو سنتا تھا آگے بڑھا تا تھا۔ ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں اس کو خطائیں کرنے والا لکھا ہے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۰ ص ۲۶۴)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی ان پر مفصل کلام کر چکے ہیں ۔

دیکھئے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۷۰)

صحیح مسلم میں یا دیگر معتبر کتب میں متکلم فیہ راوی کا آنا تعجب انگیز نہیں ہے، چنانچہ تدریب میں ہے کہ

**قال الحاکم و کتاب مسلم "ملآن من الشیعه"** (ج ا ص ۳۲۵)

چونکہ بعض چیزیں خالص علماء کرام کے لئے اطلاعاً ذکر کی جاتی ہیں اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مدار الحدیث سعد بن سعید پر کلام کیا ہے چنانچہ ملاحظہ ہو

**" وسعد بن سعید هو اخو یحیی بن سعید الانصاری وقد تکلم بعض اهل الحدیث فی سعد بن سعید من قبل حفظه "**

(جامع ترمذی ج ا ص ۱۵۹ باب ماجاء فی صیام ستۃ ایام من شوال)

امام ابو جعفر طحاویؒ نے بھی سعد ابن سعید کی وجہ سے صحت حدیث کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ محدثین بھی اس کی وجہ سے اس روایت سے اعراض کر چکے ہیں۔ **قال ابو جعفر فکا ن هذا الحد یث مما لم یکن با لقوی فی قلو بنا من سعد بن سعید**

**مثله فی الروایةعند اهل الحدیث ومن رغبتهم عنه**

(شرح مشکل الآثار ج۳ص۱۱۷)

آگے فرق کے بارے میں امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اظہار رائے فرمایا ہے مگر ان تمام روایات میں یا تو عمر بن ثابت ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے منکر اور غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد کہا ہے جیسا کہ استذ کار کے حوالے سے آنے والا ہے یا ابن لھیعہ ہے جس کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں۔

**''احادیث ابن لهیعه لیست بنقیه فکن عنها علیٰ تقیه''**

(۱) متعلقات مقدمۂ صحیح مسلم

(۲) جامع ترمذی ج۱ ص۸

(۳) معارف السنن ج۱ ص۹۲

یعنی ابن لھیعہ کی احادیث درست نہیں ہیں ان سے پرہیز ضروری ہے۔ واضح رہے کہ صیام الدھر کی صحیح اور صریح روایت میں ممانعت آئی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ

**لا صیام من صام الا بد لا صیام من صام الا بد لا صیام من صام الا بد**

(صحیح مسلم ج۱ ص۳۶۶)

واضح رہے کہ ثواب کے لئے ہمیشہ ایسے اعمال اور اجور ذکر کئے جاتے ہیں جو شرعاً محمود ہوں جیسے جامع ترمذی میں ہے کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھر بیٹھ کر ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج نکلا اور اس نے دو رکعات پڑھیں تو اس کو حج اور عمرہ کا ثواب ملیگا۔ حج اور عمرہ باعث اجر افعال ہیں۔ اس لئے وہ ثواب میں ذکر کئے گئے۔ یا





دوسری روایت جو معروف عند اصحاب السنن ہیں کما فی البخاری کہ سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے سے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ تو چونکہ قرآن کریم پورا کرنا باعث اجر عظیم ہے اس لئے بطور ثواب ذکر کیا گیا۔ صوم الدھر سے صحیح اور صریح روایت میں منع کیا گیا ہے تو اس کے ساتھ تشبیہ بھی محل نظر ہے۔ چنانچہ بعض محدثین نے اس نقطہ کو اٹھایا ہے۔

**''فلا دلیل فی هذا الحدیث علیٰ فضیلتها لان النبی صلیٰ الله علیه وسلم شبه صیامها بصیام الدهر وهو مکروه''**

(۱) المغنی لابن قدامہ ج۳ ص۱۱۲

(۲) مرقاۃ ج۴ ص۵۴۴

(۳) رسائل الارکان ص۲۲۶

اگرچہ محدثین نے اس اشکال کو پسند نہیں کیا۔

امام الاولیاء والمحدثین عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ صیام ستہ شوال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ستہ شوال کو صوم الدہر کا ثواب سمجھنا خالص تشدد ہے جبکہ حدیث معلول اور ضعیف ہے ''انه لم یصح عنده'' امام مالک کے نزدیک یہ صحیح نہیں تھی۔ چنانچہ

**''ان ترک تلک السنة اولیٰ من فعلها لضعف حدیثها مع خوف وقوع الناس فی اعتقاد فرضیتها ولو علیٰ طول سنین نظیرما وقع لنصاریٰ فی زیادة صومه''** (المیزان الکبریٰ ج۲ ص۲۷)

ابن رشد فرماتے ہیں کہ

**لم یصح عندہ وھو الاظھر**

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ستہ شوال کی حدیث صحیح نہیں تھی اور یہ بالکل واضح ہے
(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۲۵)

ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ شرح ترمذی میں رقم طراز ہیں:

**وصلة الصوم بأيام شوال مكروهة جدا لان الناس قد صاروا يقولون شيع رمضان و كما لا يتقدم له لا يشيع ومن صام رمضان و ستة ايام من ايام الفطر له صوم الدهر قطعا با لقرآن ( من جاء بالحسنة فله عشر امثالها ) شهر بعشر و ستة ايام بشهرين فهذا صوم الدهر كان من شوال او غيره و ربما كان من غيره افضل او من اوسط افضل من اوله وهذا بين هو احوىٰ للشريعة و اذهب للبدعة وراى ابن المبارک و الشافعی انها فی اول الشهر و لست اراه ولو علمت من يصومها اول الشهر وملكت الامر أدبته و شردت به لان اهل الكتاب بمثل هذه الفعلة و امثلها غيروا دينهم وأبدوا رهبانيتهم**
(عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح ترمذی لامام حافظ ابن العربی المالکی ج ۳ ص ۲۹۳)

رمضان شریف کے فوراً بعد شوال کے روزے رکھنا سخت مکروہ ہے چونکہ لوگ کہتے ہیں کہ رمضان کو چھوڑنے کے لئے روزے رکھو۔ اور جیسا رمضان کے شروع میں شعبان کے اخیر میں روزہ رکھنا منع ہے اسی طرح رمضان ختم ہونے کے بعد۔ اور جو رمضان کے روزے رکھے تو وہ بھی منع ہے۔ اور چھ ایام الفطر کے بعد رکھے اس کو قطعاً عمر بھر روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جاتا ہے مزید لکھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں





کہ یہ شوال میں ہی رکھے جائیں بلکہ شوال کے بعد رکھنا بہتر ہے یا اول کے بجائے اوسط میں رکھے جائیں اور یہ بالکل واضح ہے اور اس میں شریعت کی حفاظت ہے اور بدعات ختم کرنے کا طریقہ ہے۔ امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اوّل شہر سے رکھنے کے قائل ہیں مگر میں ایسا نہیں کہتا اور اگر مجھے پتہ چلا کہ شروع شوال سے کوئی یہ روزہ رکھتا ہے اور مجھے اختیار ہو تو میں ان کو عبرت ناک سزا دے دیتا ایسا کہ دوسروں کے لئے نمونہ عبرت بن جاتا کیونکہ اہل کتاب نے ان جیسے افعال سے اپنے دین کو بدلا تھا اور ہمیشہ کے لئے بے دینی ڈالی تھی غور فرمایا جائے کہ امام ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ان روزوں کو دین کے لئے خطرہ اور بدعات کا پیش خیمہ اور باعث تادیب سمجھتے تھے کیا کسی مستحب سے جب اتنے خطرات پیدا ہوں تو خطرات کے ٹالنے کے لئے اور بدعات کے ابواب بند کرنے کے لئے اس سے امت کو بچانا ضروری ہے؟ یا اس کی نشر و اشاعت اور مساجد میں سطحی فضائل اور اپنے امام کے اقوال سے ہٹ کر کسی مذہب کی ترویج کی جائے؟

فالیٰ اللہ المشتکیٰ

## مؤطا امام مالکؒ اور استذکار بابت ستہ شوّال

**قال یحییٰ سمعت ما لکا یقو ل فی صیا م ستة ایام بعد الفطر من رمضا ن انه لم یر احداً من اهل العلم و الفقه یصو مها و لم یبلغنی ذلک عن احد من السلف و ان اهل العلم یکر هون ذلک و یخا فو ن بد عته و ان یلحق برمضان ما لیس**

منہ اھل الجھالة والجفاء لو رأوا فی ذلک رخصةعن اھل العلم ورأواھم یعملون ذلک۔ (مؤطاامام مالکؒ ص۲۵۶)

اولاً علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے انکار عن صیام ستہ شوال پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث انفرد بہ عمر بن ثابت۔یعنی یہ عمر بن ثابت کا تفرد ہے۔

ثانیاً یہ بعض طرق میں بجائے مرفوع کے موقوف ہے۔

ثالثاً علامہ بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث اور فضائل کا انکار نہیں فرمایا ہے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کی وجہ جہل وہٹ دھرم لوگوں کا غلو ہے کہ کہیں اس کے ساتھ فرائض رمضان کا برتاؤ نہ کریں۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو یہ روایت یقیناً معلوم تھی البتہ یہ ان کے یہاں قابل اعتبار نہ تھی بوجہ عمر بن ثابت کے علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو۔

ومالکؒ لا یجھل شیئا من ھذا ولم یکرہ من ذالک الا ما خافہ علی اھل الجھالة والجفاء اذا استمر ذالک ،وخشی ان یعدوہ من فرائض الصیام مضافا الی رمضان ،وما اظن مالکا جھل الحدیث واللہ اعلم لانہ حدیث مدنی انفرد بہ عمر بن ثابت ،وقد قیل انہ روی عنہ مالک ولو لا علمہ بہ ما انکرہ واظن الشیخ عمر بن ثابت لم یکن عندہ ممن یعتمد علیہ .وقد ترک مالک الاحتجاج ببعض ما رواہ عن بعض شیوخہ اذا لم یثق بحفظہ ببعض ما رواہ

(الاستذکار ج۱۰ص۲۵۹)





حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق یہ اندیشہ ہے کہ ناواقف لوگ اس کو ضروری سمجھیں لہذا یہ بدعت اور واجب الترک عمل ہے بعض لوگوں کا یہ خیال کہ عیدالفطر کے بعد یہ خدشہ جاتا رہا نا قابل فہم ہے۔کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو تصریح فرماتے ہیں کہ ''بعد الفطر'' یعنی یوم الفطر کے بعد بھی اس کو ضروری سمجھیں تو یہ بدعت اور ناجائز ہے۔محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں یہی لکھا ہے

''وجہ الکراھة انہ قد یفضی الیٰ اعتقاد لزومھا من العوام لکثرت المداومة''

یعنی ان روزوں کا ہمیشہ اہتمام عوام کی طرف سے لزوم کا اعتقاد ہے اور اس وجہ سے یہ مکروہ ہیں مزید لکھتے ہیں کہ ہم نے بعض لوگوں سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری عید عیدالفطر نہیں ہے بلکہ ہماری عید بعد میں ہوگی (یعنی چھ روزے رکھنے کے بعد)

(فتح القدیر ج۲ص۲۷۲)

مشہور زمانہ محقق فقیہ اور مفسر اور نحریر محدث فرید عبدالعزیز الجندی امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے فوائد میں لکھتے ہیں۔

وقد وقع ما خافہ حتی أنہ کان فی بعض بلاد خرُاسان یقومون لسحورھا علیٰ عادتھم فی رمضان

یعنی امام مالکؒ کا ستہ شوال کے عمل میں خوف بجا تھا چنانچہ خراسان کے بعض علاقوں میں لوگ رمضان شریف کی طرح اس کے لئے سحری کا اہتمام کرتے ہیں۔

(جامع الاحکام لاامام القرطبی من تفسیرہ، ج۱،ص۳۲۸،۳۲۷)

## امام مالک اورامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہما کا متفق ہونا بہت وقیع بات ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اورامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا اہل علم کے ہاں بہت بڑی سند اور حجت ہوتی ہے یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ اور مجتہدین کے اقوال ان کے مقابلے میں نا قابل قبول ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ دوعلم دین کے سمندر ہیں امام ابوحنیفہؒ اہل مشرق کے لئے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مغرب کے لئے لہٰذا ان کے سامنے دوسرے مشائخ اور ان کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں

انما کا نابحرین أبو حنیفة لاهل المشرق وما لک لأ هل المغرب أفنتر کها ونشتغل با لسا قیة .

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ج۲۱ص۳۴)

### صیام ستہ شوال اورامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

☆امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کتب فقہ اور فتاوی معتبرہ میں ستہ شوال کی کراہت متواتر منقول ہے۔ چنانچہ جامع الرموز میں ایام منہی عنہا میں سے منها ست شوال فا ن الصوم فیها یکره مطلقاً عنده آگے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام حسن رحمۃ اللہ علیہ مشائخ متاخرین اورعلامہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال موجود ہیں لیکن مذہب،قول امام ہوتا ہے (کمافی النہر،جامع الرموز،ج۱ص۳۷۲)

☆ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ومنه ایضاً صو م ستة من شوال عند ابی حنیفةؒ





متفر قاً کا ن او متتا بعاً (البحرالرائق،ج۲ص۴۵۱ مکتبہ رشیدیہ)

☆ہندیہ میں ہے ''ویکره صو م ستة من شوال عند ابی حنیفةؒ متفر قاً کا ن او متتا بعاً '' ( عالمگیری۔ج۱ص۲۰۱)

☆واما صوم الستة بعد الفطر متتا بعة منهم من یکره ذلک

(قاضی خان علی الھندیہ،ج۱ص۲۰۶)

☆الافصاح میں بھی وزیرابن ہبیرہ نے لکھا ہے کہ

امام ابو حنیفةؒ وما لکؒ فی قو لهمایکره ذلک ولا یستحب

(الافصاح،ج۱ص۲۵۲)

☆ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول مطلقاً کراہت کا لکھا ہے ''وکره ابو حنیفةؒ متفر قاً کا ن او متتا بعاً''(المسوی شرح الموطاص۳۰۸)

☆فتاوی تاتارخانیہ میں بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول مطلقاً کراہت کا منقول ہے۔

صوم ست من شوال مکروه عند ابی حنیفة متفرقاً کان او متتابعاً

(فتاوی تاتارخانیہ ج۲ص۳۸۸)

☆ تاتارخانیہ میں یہ بھی ہے کہ ومن المشائخ من قال ینبغی للعالم ان یصوم سراً و ینهیٰ الجهال عنه (ج۲ص۳۸۸)

☆محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق : صوم ستة من شوال عن ابی حنیفة و ابی یوسف کراهة و عامة المشائخ لم یروا به بأساً واختلفوا فقیل الافضل وصلها بیوم الفطر وقیل بل تفریقها فی الشهر وجه الجواز انه قد وقع الفصل بیوم

الفطر فلم يلزم التشبه باهل الكتاب وجه كراهة انه قد يفضىٰ الىٰ اعتقاد لزومها من العوام لكثرة المداومة ولذا سمعنا من يقول يوم الفطر نحن الىٰ الآن لم يأت عيد نا او نحوه فاما عند الامن من ذالک فلا بأس لورود الحديث به .

(فتح القدیر مع الکفایہ ج۲ص۲۷۱)

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اورابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب مطلقاً کراہت کانقل کیا ہے (شرح صحیح مسلم ج۱ص۳۶۹)

چنانچہ امام نووی نے مجموع شرح مہذب میں بھی یہی لکھا ہے

وقال مالک و ابو حنيفة يكره صومها (المجموع شرح مہذب ج۲ص۳۷۹)

☆ تبیین کے حواشی میں منقول ہے صوم ستہ من شوال عن ابی حنیفہؒ و ابی يوسفؒ كراهة و عامة المشائخ لم يروا به بأساً

(تبیین الحقائق ج۱ص۳۳۲)

☆ **المبحث فی کلمة لابأس : لا بأس (الخ) والمشهور فی هذه العبارة كونه لما خلافه اولىٰ** (فتح القدیر ج۱ص۳۸۴)

فلا بأس به و اولىٰ الا يفعل (حلبی کبیر شرح منیہ ص۶۱۲)

واضح رہے کہ کلمۃ لابأس کا اصل وضع خلافِ اولیٰ کے لئے ہے کیونکہ خود علامہ شامیؒ نے تصریح کی ہے کہ ''لأن البأس شدة'' فقہاء کرام کے یہاں بھی کلمہ لابأس خلافِ اولیٰ کے لئے آیا ہے۔ مواطنِ استحباب کیلئے احیاناً اس کا استعمال علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد ہے جیسا کہ حضراتِ علم جانتے ہیں ۔





## صرف روایات میں آنا عمل کے لئے کافی نہیں ہے جب تک فقہاء کرام نے اس پر عمل نہ فرمایا ہو

چنانچہ محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

لم يعرف احدمن الفقهاء قا له (فتح القدیر، ج۱ص۳۸۴)

حالانکہ ذکر بالجہر یا تکبیر ''بر فع الصوت بعد الفر اغ من الجما عة'' صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے مگر فقہاء کرام کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے یہ عمل ترک کرنے کے لائق ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر آئمہ فقہ وحدیث نے جب ستہ شوال کے روزوں کو منع یا مکروہ فرمایا ہے تو جوازِ عمل یا اولیت عمل برقرار نہ رہ سکی جوابی تحریر میں اس کو بڑے شدومد سے لکھا ہے کہ مشائخ یا حضرات متاخرین ہمارے بعض اکابر جیسے صاحب اعلاء السنن یا صاحب معارف السنن، اصح یا استحباب کا قول کر چکے ہیں۔

تو اس کے کئی جوابات ہیں۔اوّلاً امام ابوحنیفہؒ سے نقل کراہت تقریباً متواتر ہے۔

جبکہ مشائخ : اوّلاً امام کے مقلد ہیں اور مجتہد کا قول مقلد کے لئے چھوڑنا قلب موضوع اور خروج عن المذهب کے مترادف ہے۔

ثانیاً حضرات مشائخ نا معلوم ہیں کہ امام کے قول سے انحراف کب اور کس دلیل سے روا رکھا گیا۔

ثالثاً مشائخ نے بھی کہیں کہیں تو متفرقاً اور کہیں فی کل اسبوع کا جواز پیش کیا ہے جبکہ یہ نہ تو حدیث مذکور سے مستفاد ہے اور نہ امام مذہب سے اس کا کوئی اشارہ ملتا ہے۔

رابعاً یہ تاثر ظاہر بعض روایات مشائخ سے پیدا ہو چکا ہوگا اور چونکہ روایات متکلم فیہ ہیں اس لئے مشائخ کا قول بظاہر غیر محقق اور غیر مصحح ہے۔

خامساً یہ قاسم ابن قطلو بغہ رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ تحریر الاقوال نادر الوجود ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ خود تشریح کر چکے ہیں کہ نادر الوجود کتب کا حوالہ نہیں دیا جائے گا

(ردالمحتار ج۴ ص۳۰۶)

سادساً جب اکثر بلکہ جمہور فقہائے حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلقاً کراہت نقل کر چکے ہیں جیسا کہ حوالہ جات بالا سے معلوم ہوا تو صرف تحریر الاقوال کے پیش نظر مقتدر فقہاء جن میں سے بیشتر قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ سے متقدم ہیں ان کو ترک کرنا خلاف ضابطہ فقہ ہے۔

سابعاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مطلقاً ستہ شوال کا انکار فرمایا ہے اور علماء کو تاکید کی ہے کہ وہ بھی اس سے منع فرمائیں اور یہ روزہ رکھنا بدعت گردانا ہے تو اتنی تحقیق جلیل القدر امام سے موطا جیسی معتبر کتاب میں منقول صرف تحریر الاقوال کی وجہ سے نظر کرنا علماء ربانیین کی شان نہیں ہے۔

ثامناً جو روایت قرنِ اوّل میں غیر معروف اور غیر معمول بہ ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے صنیع اور صراحت سے معلوم ہوا۔ بعد میں اس پر ترک عمل بہتر ہے یہ کہنا قواعد علم کے خلاف ہے کہ موطا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مقلد نہیں ہیں اولاً یہ دین کا مسئلہ ہے اور ثانیاً ہمارے امام سے بھی کراہت منقول ہے۔

تاسعاً وجوہ کراہت مصرح ہیں جبکہ نصاریٰ اور یہود نے اس طرح دین میں اضافہ کیا





تھا اور اس کے اقدام سے عوام ثواب کی نیت سے بدعت کر سکتے ہیں "کما ظھر عن المؤطا" اس لئے ایک مستحب کے بہانے کہیں بدعت جیسی وعید وسزا کا ارتکاب نہ ہو سکے۔

عاشراً فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر ایک امر بدعت اور سنت کے درمیان دائر ہو جائے تو ترک اولیٰ ہے کیونکہ کسی مستحب یا سنت کا انجام دینا فرض اور واجب نہیں ہے جبکہ بدعت سے اجتناب فرض ہے ملک العلماء علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کی تصریح ملاحظہ ہو۔

**والفعل اذا تردد بين السنة والبدعة تغلب جهة البدعة لان الامتناع عن البدعة فرض ولا فريضة فى تحصيل السنة أو الواجب.**

(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۰۴، جامع الرموز، ج۱ ص۲۷۵)

اہل علم کو ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیے کہ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ستہ شوال کو بدعت قرار دے رہے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقول صحیحہ کے ساتھ کراہت منقول ہے تو آخر اس مستحب کا کیا درجہ رہ گیا؟ قرونِ اولیٰ میں دین کے سب سے بڑے آئمہ جس عمل کو ناپسند فرمائیں بعد میں آنے والے اگر اسے مستحب سمجھ کر کریں تو وہ اس عمل میں کیا نیکی کمائیں گے۔ ملاعلی قاریؒ نے ایسے موقع پر ایک قاعدہ لکھا ہے کہ

**فيه اشارة الىٰ ان كل سنة تكون شعار اهل البدعة تركها اولى**

(مرقات ج۴ ص۴۴۵ مکتبہ حقانیہ)

یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال مذہب نہیں بن سکتے تفصیل کے لئے

''اعلام الا علام بان الفتویٰ مطلقاً علی مذهب النعما ن'' جیسی کتب ملاحظہ فرمائی
جائیں۔ تو آخر صاحبینؒ سے مشائخ یا متاخرین کسی درجے میں بھی قابل قبول نہیں ہوسکتے

وهذا لا یخفٰی علیٰ من له ادنیٰ الما م بمصطلحا ت الفقهاء .باب ما جاء
فی صیام ستة ایا م من شوال حدثنا احمد بن منیع نا ابو معاویة نا سعد بن سعید
عن عمر بن ثابت عن ابی ایو ب قال قال رسول اللهصلیٰ الله علیه وسلم من
صام رمضان ثم اتبعه بستٍّ من شوال فذالک صیام الدهر وفی البا ب عن
جابر وابی هر یره و ثوبان قا ل ابو عیسیٰ حد یث ابی ایوب حدیث حسن
صحیح وقد استحب قوم صیام ستة من شوال لهذا الحد یث وقال ابن
المبارک هو حسن مثل صیام ثلثة ایا م من کل شهر قال ابن المبارک ویروی
فی بعض الحد یث ویلحق هذا ا لصیام بر مضان واختار ابن المبارک ان
یکون ستة ایام من اول الشهر وقد روی عن ابن المبا رک انه قال ان صام ستة
ایام من شوال متفر قاً فهو جا ئز قال ابو عیسیٰ وقد روی عبد العزیز بن محمد
عن صفوان بن سُلیم وسعد بن سعید هذاالحد یث عن عمر بن ثا بت عن ابی
ایوب عن النبی ﷺ هذا وروی شعبة عن ورقا ء بن عمر عن سعد بن سعید هذا
الحد یث وسعد بن سعید هو اخو یحییٰ بن سعد الانصاری وقد تکلم بعض
اهل الحد یث فی سعد بن سعید من قبل حفظ (ترمذی ج۱ص۱۵۹)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تخریج سے معلوم ہوا کہ یہ روایت اور اس سے
مستفاد مسئلہ قرنِ اوّل سے کمزور چلا آرہا ہے۔ مثلاً روایت میں سعد بن سعید اور عمر بن ثابت





کا موجود ہونا عمر بن ثابت پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بحوالہ استذکار گذرا ہے اور سعد
بن سعید تقریباً متفق علیہ ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ابن
المبارکؒ کا ارشاد ہے کہ اگر شوال میں روزہ رکھے اور متفرقاً رکھے تو جائز ہے معلوم ہوا کہ
اول شوال یا متتابعاً کی کراہت سب کے یہاں موجود ہے نیز اسی حدیث پر امام ترمذی رحمۃ
اللہ علیہ کے بڑے اور اولین شارحین میں سے ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جس میں
ستہ شوال کے روزے کی ممانعت بوجوہ مذکور تھی گزرا ہے۔ جبکہ اعلاء السنن اور معارف السنن
کی عبارات کے جوابات بفضل اللہ تعالیٰ اپنے محل پر دیئے جاچکے ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے

## اعلاء السنن اور معارف السنن کے بارے میں ایک وضاحت

صوم ستہ شوال کے سلسلے میں اعلاء السنن میں اجمال پایا جاتا ہے اور معارف السنن
میں حضرت مولانا نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کراہت
کی نسبت نقل فرمائی ہے یہاں صیغہ تمریض نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ صیغہ مجہول برائے ضعف
نہیں ہوتا ورنہ قرآن کریم کی آیت ''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ''(بقرہ۱۱) کے
بارے میں کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ یہ صیغہ تمریض ہے ایک صریح اور ثابت حقیقت کیلئے
اس قسم کے صیغے برائے تبیین ہوتے ہیں نہ کہ تمریض کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے
کراہت کا نقل متوارث ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مؤطا میں کراہت بلکہ شدت
ممانعت اور حکم بالبدعت منقول ہے اس کو صیغہ تمریض کہنا رجال علم کی شان کے لائق نہیں
ہے خود استاذ گرامی قدر حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے متاخرین علماء حنفیہ کے نقول کو

''مضطرب'' فرمایا ہے قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا'' ولكن افرد هذا الموضوع '' کہ گویا تنہا قاسم ابن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ ''تحریر الاقوال'' میں شیخین سے اس کے استحباب کے درپے ہیں ۔　　　　(معارف السنن ج۵ص۴۴۳)

الحمدللہ معارف السنن سے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید وضاحت سے ثابت ہوئی آگے مشائخ کا تذکرہ چونکہ اصل مذہب سے معارض ہے اس لئے اس سے اصل مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جیسا کہ آگے چل کر تعاریض تصحیح اور آداب افتاء کے ضمن میں ہم عرض کرنے والے ہیں۔

حدیث : من صام رمضان وأتبعه بست من شوال فكأ نما صا م الدهر مسلم من حديث ابى ايوب ، وجمع الد ميا طى طرقه وفى الباب عن جا بر رواه احمد بن حنبل وعبد بن حميد ،والبزار وعن ثوبا ن أخر جه النسا ئى وابن ماجه واحمد والدرامى ،والبزاروعن ابى هر يرة رواه البزار من طريق زهير بن محمد عن العلاء عن ابيه عنه ومن طريق زهير ايضاً عن سهيل عن ابيه عنه واخر جه أبو نعيم من طريق المثنىٰ بن الصباح فى الضعفاء عن المحرر بن ابى هريرة رضى الله عنه عن ابيه، و رواه الطبرانى فى الاوسط من اوجه اخرىٰ ضعيفة ، و عن ابن عباس رضى الله عنه اخرجه الطبرانى فى الاوسط ايضاً ، وعن البراء بن عازب رضى الله عنه اخرجه الدار قطنى.

(تلخیص الخبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج۲ص۸۱۹ بیروت)

ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ اصلاً ان میں عمر بن ثابت مدنی، سعید بن





سعید بن قیس اور بعض میں ابن لھیعہ موجود ہے جو کہ متکلم فیہ اور ضعیف رجال ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بابت مذہب مالکؒ اور مذہب حنفیہ ''اهل الجهالة لو رأوا اهل العلم انهم لا يشددون فى ترك هذه الصيام لادخلوها فى رمضان كما زاد اهل الكتاب فى الصيام ''۔ شیخ الحدیث مزید لکھتے ہیں ''اعلم ان صوم ستة شوال مختلف عند الآئمة'' آگے وجوہ کراہت مفصل مذکور ہیں۔

مذہب مالکیہ کے بارے میں فرماتے ہیں''ان شراح الحديث الما لكيون أطلقوا الكر اهة وأجابوا عما يرد من الروايات فا لظاهر هو مذهب المختار

(أوجز المسالک، ج۵ص۱۷۳)

یعنی مذہبِ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شارحین حدیث نے ستہ شوال کو مطلق مکروہ کہا ہے اور اس سلسلے میں جو روایات آئی ہیں ان کے جوابات دیئے ہیں پس مختار مذہب مالکیہ کا ستہ شوال کے مکروہ ہونے کا ہی ہے حنفیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وأما الحنفية فا ختلف النقول عنهم واختلف اهل فر وعهم فى ذلك ،ففى ''البحر الرائق ''ومن المكروه صو م ستة من شوال عند ابى حنيفةرحمه الله متفر قاً كان او متتا بعاًوعن ابى يو سف رحمه الله كراهة متتابعاً لامتفر قاً لكن عا مة المتأخرين لم يروا به بأ سا انتهى وعد ها فى ''نور الايضاح''وشرحه مراقى الفلا ح '' من المند وبات وفى ''البد ئع '' ومنها ( اى المكروهات ) أتبا ع رمضا ن بست من شوال كذا قال ابو يو سفؒ كا نو يكر هون أن يتبعو

ارمضان صوماً خوفاان یلحق ذلک با لفر ضیة وکذا روی عن ما لکؒ

(اوجزالمسالک ج۵ص۱۷۳)

واضح رہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلق کراہت نقل فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''وقال مالکؒ وابو حنیفةؒ یکرہ ذلک ''البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اورامام احمد رحمۃ اللہ علیہ اورداؤدظاہری اوران کے موافقین سے بحوالہ نوویؒ استحباب نقل کیا ہے(اُوجز حوالہ بالا)۔

اکثر حضرات نے جو استحباب یا ندب نقل کیا ہے خواہ وہ علماء احناف ہوں یا اور کوئی ہو یہ سب شوافع اور حنابلہ محدثین سے متاثر ہونے کی بات ہے ورنہ خود مذہب حنیفہ میں جب امام المذہب سے کراہت منقول ہے جیسا کہ متعدد معتبر کتب کے حوالے سے نقل کیا گیا تو کہیں اور جانا جائز نہ تھا ''الضیاء المعنوی شرح مقد مۃالغزنوی'' میں ہے کہ احناف کا فتویٰ ہمیشہ کراہت کا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر متأخرین نے مشائخ کے حوالے سے کلمۃ لا بأس کے ساتھ جواز نقل کیا بلکہ بعض حضرات نے استحباب ندب یا سنیت کا قول کیا ہے مگر اس پر فتویٰ دینے سے احتراز فرمایا۔ چنانچہ الضیاء المعنوی کی عبارت ملاحظہ ہو

وذکر فی الفتا ویٰ کرا ھیة صوم ست من شوال

(الضیاء المعنوی ص۳۴۰)

قالوا صوم ست من شوال من الیو م الثانی مندوب ونقلو افیه حد یثا عن ابی ایوب الانصاریؓ ان رسول اللہ صلیٰ اللہ علیه وسلم قال من صام رمضان





ثم اتبعه بست من شوال کا ن کصیا م الد ھر رواہ مسلم والترمذی وابو داؤد ولفظه کا نما صام الدھر قال الشیخ الاکبر فی الفتو حات المکیة ھذا الحد یث عندی لیس صحیحا ومع ھذا لیس تر کیبه علی قاعد ۃ النحو لان لفظ الست صفة للصیام فینبغی ان یکون ستة با لتاء ولایو سو سک ان اسنا دہ صحیح من مر ویا ت مسلم لان صحة الا سناد لا ید فع الو ھم ولعل الشیخ الا کبر قدس سرہ عر ض علی رسو ل اللہ صلیٰ اللہ علیه وسلم فلم یجدہ صحیحا ثم الحد یث لو صح لا ید ل علی افضلیة ھذہ الصیام نصا لانه یحتمل ان یکون وجه الشبه بصوم الدھر الکر اھة لا الندب

(رسائل الارکان، ص۲۲۶)

شیخ الاکبرؒ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔ قد تقدم ذکر الخلاف فی وقتھا وفی ھذا الخبر عندی نظر لکو ن رسو ل اللہ ﷺ لم یثبت الھا ء فی العدد اعنی فی الستة وقال واتبعه ستاً من شوال وھو عر بی والایا م مذکرۃ والصوم لا یکون الا فی الیوم وھو النھا ر فلا بد من اثبا ت الھاء فیه فھذا سبب کون الحدیث منکر المتن مع صحة طر یق الخبر (الفتوحات المکیہ ج۱ص۶۳۷)

رسائل الا رکا ن کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حد یث سے استحباب کے بجائے کراہیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ صوم الدھر بنصوص صریحہ منع فرمائی گئی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالہ سے گذرا ہے نیز محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء اللہ کے سرخیل اور سیّد الطائفہ ہیں وہ بھی اس حدیث کو منکر اور ضعیف فرما چکے ہیں گویا علماء اور اولیاء کا ان

روایات کے ترک پر اتفاق معلوم ہو رہا ہے جو اس کے استحباب کے بجائے کراہیت کا
قرینہ ہے          **واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل.**

## قد يردّ الحديث مع صحة سنده

**قال القرطبیؒ "قال علماء نا وهذا الحديث وان صح سنده فيرده**
**مع يعلم على القطع والبتات"** (تفسیر قرطبی ج۱ص۱۵)
**والامام مالکؒ احيانا يرد الاحاديث الصحاح بعمل اهل المدينة**
(تفسیر قرطبی ج۱ص۹۵)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عمل اہل مدینہ کو سرچشمہ ہدایت سمجھتے ہیں اور چونکہ اپنے زمانے میں انہوں نے حرمین شریفین میں نہ تو کسی مسلمان سے حدیث ستہ شوال سنی اور نہ کسی مسلمان کو یہ چھ روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو اس وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ علما کو تاکید فرماتے تھے کہ عوام کو اس سے روکیں اور ان روزوں کے عمل کو بدعت اور دین میں اضافہ سمجھتے تھے۔ ہم نے الجامع لاحکام القرآن کے حوالے سے یہ چند ضابطے اس لئے نقل کئے تا کہ مؤطا کی عبارت جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک فیصلہ ہے وہ اہل علم کے سامنے واضح ہو سکے اس سے پتہ چلا کہ علامہ ابن عبدالبر مرحوم نے اگر چہ سنداً اور متناً اور خارجی احوال کو وجہ بنا کر امام مالکؒ کے قول کی تنقیح فرمائی مگر یہ اصل بنیاد (جو امام مالکؒ کے مذہب کے مقابلے میں کاتبتاً علماء کو معلوم ہے تا کہ اس معاملے میں علامہ مغربیؒ سے ذہول





ہو گیا "**وما كان ربك نسيا**" غور کرنے کا مقام ہے امام اہل المغرب والحجاز مقدس کا امام مالکؒ بھی منع فرما چکے ہیں۔ اور امام اہل المشرق وامام سائر الدنیا امام ابوحنیفہؒ بھی مکروہ سمجھتے ہیں تو روایات بابت ستہ شوال صرف ضعیف نہیں بلکہ متروک ہیں۔

**وكم من فرق بين الضعيف والمتروك كما لا يخفى على من لهالمام**
**بمصطلحات الحديث والفقه**

محدثین اور فقہاء اس پر متفق ہیں۔ کہ جو روایت قرونِ اولیٰ میں متروک ہو چکی ہے بعد کے زمانوں میں اس پر عمل جائز نہیں ہے جبکہ یہاں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ نفس کراہت کے قول میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی متفق ہیں گویا کہ شیخان امامان یعنی امام اہل مدینہ اور امام اہل عراق کے اتفاق کے بعد مذہب حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی مطلقاً و متتابعاً اس کی کراہت پر متفق ہیں اب بھی اگر ہمارے بعض کرم فرماؤں کو یہ مذہب قوی یا مطابق حدیث اور مذہب حنفی کا قول مختار معلوم نہیں ہوتا تو ہم معذرت خواہ ہیں۔

تیرا جی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں
آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے

**ولنعم ما قال الشاعر العربی ؛**

**وان كنت لا تدرى فتلك مصيبة     وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم**

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ستہ شوال کے صوم کی کراہت تو تقریباً متواتر ہے اس وجہ سے اکثر فقہاء اجلہ جیسے صاحب بحر (ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ) ملک العلماء علامہ علاؤ

الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب بدائع نے ستہ شوال کو مکروہات میں شمار فرمایا ہے یہی حال ھندیہ اور معتبر فتاوٰی کا ہے بلکہ ''الضیاء المعنوی'' کے حوالے سے تو یہ تصریح بھی آچکی ہے کہ فتوی کراہیت کا ہوگا۔ بعض حضرات نے اگر تسامحاً یا بناء بر قول متاخرین اس کو مندوب کہا جیسے درمختار کی عبارت ہے ''وندب تفریق صوم ست من شوال'' اس پر علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کوہستانی کی تصحیح نقل کرتے ہیں ''قال الکوھستانی صوم ست من شوال یکره مطلقاً عنده ومتتابعاً عند ابی یوسفؒ ''

(طحطاوی علی الدر ج۱ ص ۴۷۰)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا بابت صوم ستہ شوال کا موقف محل نظر ہے اور یہ شکوہ علامہ موصوف سے کبار فقہاء کو رہا ہے کہ وہ بعض اوقات غیر مصحح قول کی تصحیح کے درپے ہوجاتے ہیں ملاحظہ ہو ''کتاب التعلیم والارشاد'' کی عبارت

'' وابن عابدین یعنی صاحب رد المحتار علی سعته وضخامته ترک اکثر المواضع من غیر تحریر وغفل عن التنبیه علی اکثر ما فیه من الاغلاط والعذر له فی ذالک انه ینقل من کتب المذهب ما تیسر له النقل فاذا لم یجد سکت فان تکلم شیئا من عند نفسه خانته قواه .

(مقدمۃ القدوری ص ۱۳ الدکتور غلام مصطفیٰ سندی من کبار علماء ھذا العصر)

اولاً علامہ ابن عابدین مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن قطلو بغا رحمۃ اللہ علیہ کی ''تحریر الاقوال'' پر اعتماد فرمایا ہے مگر یہ واضح نہ ہوسکا کہ ''تحریر الاقوال'' آج تک کسی نے دیکھی ہے۔





ثانیاً جب جماہیر فقہاء حنفیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مطلقاً کراہت نقل فرما چکے ہیں جیسا کہ فتاوی معتبرہ اور دیگر کتب فقہ سے صراحتاً ثابت ہے تو علامہ قاسمؒ علامہ تتائیؒ کا رد کیسے فرماتے ہیں کیونکہ رجال الحنفیہ کا تتبعاً علامہ تتائی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے مؤید ہیں۔

ثالثاً ایسا کوئی قاعدہ نہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور نہ کسی اور نے کہ قاسم بن قطلو بغاؒ کو فقہ کے معروف اور مصدقہ مسائل سے انکار کرنے کا حق ہے۔

رابعاً قطلو بغا مرحوم نے اپنے شیخ محقق علی الاطلاق ابن الہمام مرحوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کبھی کبھی خروج عن المذهب وجنوح الی اهل الحدیث کرتے ہیں۔ (کما ظهر من کتاب الحج من رد المحتار)

مگر اب معلوم ہوا کہ خود قطلو بغا مرحوم بھی کبھی کبھی اس کا ارتکاب فرماتے ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المذہب سے صحیح نقل کے ساتھ کہیں بھی ستہ شوال کا استحباب مروی نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ ہیں جیسا کہ تمام کتب معتبرہ عن هذا المیدان سے واضح ہے مشائخ متاخرین (جو کہ نامعلوم ہیں) کا قول اگر اس کو کہیں اصح یا مختار کہا گیا ہے تو یہ حسب قاعدہ فقہ حنفی خلافِ مذہب ہے چنانچہ حلبی کبیر شرح منیہ میں ہے

'' جعل العلماء الفتویٰ علی قوله فی العبا داتِ مطلقاً

( حلبی کبیر ص ۲۶)

خود ابن عابدین مرحوم شرح العقود میں فرماتے ہیں

"ثم الفتویٰ علی الاطلاق علی قول ابی حنیفه"

(شرح العقود ص۱۹)

بلکہ یہاں تک وضاحت موجود ہے اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور امام کے قول پر فتویٰ دیا گیا "فلیس حکماً" تو یہ حکم، حکم شرع ہوگا ہی نہیں۔ یہی قاعدہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ے ردالمحتار کے مقدمہ میں لکھا ہے ملاحظہ ہو

"والا صح کما فی السراجیة وغیرها انه یفتیٰ بقول الامام علی الا طلاق ....الخ"

اس کی شرح میں ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ثم الفتویٰ علی الاطلاق علی قول ابی حنیفةؒ" (الخ) علی الاطلاق کی تشریح فرماتے ہیں" ای سواء انفرد وحده فی جانب او لا کما یفید کلام السراجیة (الخ) مزید فرماتے ہیں کہ امام کے قول کو چھوڑنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔

"وكذا لا تخير لو كان احدهما قول الامام لانه لما تعارضا التصحيحان تساقطا فرجعنا الى الاصل وهو تقديم قول الامام بل فی شهادات الفتاوى الخيرية المقرر عندنا انه لا يفتى ويُعمل الا بقول الامام الاعظم .ولا يُعدل عنه الىٰ قولهما لانه صاحب المذهب او قول احدهما او غيرهما" مزید فرماتے ہیں" وان صرح المشائخ بان الفتوى على قولهما لانه صاحب المذهب والامام مقدم". مزید "بحر" اوقات الصلوٰۃ اور کتاب القضاء کے حوالے سے لکھتے ہیں





یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من أین قال

(مقدمہ ردالمحتار لابن عابدین ص۷۲)

اس عبارت کے چند فوائد ملاحظہ ہوں

(۱) مذہب حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال واجتہاد کا نام ہے۔

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کسی کے لئے ترک نہیں کیا جائے گا اور اس میں کسی کا اختیار نہیں چلے گا۔

(۳) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی موجودگی میں دیگر اقوال ساقط ہوں گے اور امام کے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہی مذہب ہے اور وہی اصل ہے۔

(۴) فتویٰ اور عمل صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا۔

(۵) امام صاحب کا قول چھوڑ کر صاحبین یا کسی اور کے قول پر فتویٰ اور عمل جائز نہیں ہے

(۶) اگرچہ مشائخ حنیفہ صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ بھی دے چکے ہوں تب بھی مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور اجتہاد کا نام ہے۔

(۷) فتویٰ امام کے قول پر دینا جائز ہے بلکہ واجب ہے۔

(۸) اس تحقیق اور تجسس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ امام نے یہ قول کہاں سے اختیار کیا ہے۔

(۹) جب امام کے قول کے سامنے صاحبین کے اقوال مرجوح ہیں اور ان پر فتویٰ اور عمل منع ہے تو مشائخ حنفیہ کے قول پر امام صاحب کا مذہب چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(۱۰) زیر بحث مسئلہ میں بھی الحمدللہ ہمارا موقف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید وتشریح ہے اس لئے ہم اپنے مذہب کے مطابق عمل پیرا ہیں۔ اور دوسری تحریرات وفتاویٰ کا ٹھکا

نہ کم از کم مذہب حنفی نہیں ہے ’ تلک عشرۃ کاملۃ ‘

مدعی گو برو ونکتہ بحافظ مفروش

کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی یہ وقعت اور اساس مذہب ہونے کی وجہ سے ان کے شاگرد خاص امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ المشائخ فقہاء اور اولیاء کے سرتاج امام عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود صحابہ کو دیکھا ہے اور تابعین کے ساتھ ٹکر کے فتاویٰ دیئے ہیں اس لئے ان کا قول مضبوط اور مستحکم ہے

قال عبد اللہ ابن المبارک لأنہ رای صحابة وزاحم التابعين في الفتویٰ فقوله اشدّ واقویٰ (مقدمہ ردّ المختار، ص ۷۰،۷۱)

مشہور فقیہ محمد خالد الاتاسی لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کا اعتبار ہوگا کیونکہ ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی وغیرہ مزید لکھتے ہیں اس لئے محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ان مشائخ کا رد کیا ہے جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

”ما قلنا في مسئلة قولا الا وهو رواية عن ابي حنيفة فلم يتحقق اذا جواب ولا مذهب الا له كيفما كان وما نسب الیٰ غيره الا بطرق المجاز للموافقة فان قلت اذا رجع المجتهد عن قول لم يبق قولا له فاذا كان كذلك فما قاله اصحابه مخالفين له فيه ليس مذهبه فحينئذ صارت اقوالهم





مذاهباً لهم مع انّنا التزمنا تقليد مذهبه دون مذهب غيره ولذا نقول ان مذهبنا حنفي لا يوسفي ونحوه (شرح المجلہ، ج۶ ص ۵۸،۵۹)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ فتویٰ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہوگا بغیر کسی دلیل شرعی کے صاحبین یا مشائخ کے قول پر فتویٰ دینا خلاف مذہب ہے اور اس کے مستقل دلائل موجود ہیں۔

” و لذا رد المحقق ابن الهمام على بعض المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بانه لا يعدل عن قول الامام الالضعف دليله“

(بنوع تلخیص من ردالمختار شرح المجلۃ ج۶ ص ۵۹)

اس لئے محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ان مشائخ حنفیہ کا رد کیا ہے جنھوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں صاحبین یا کسی اور کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

ثم ان الاقوال الواردة فيها فما اتفق عليه آئمتنا الثلاث لا يجوز ولو للمجتهد في مذهبهم ان يقول برأيه فما بالک في غيره وان اختلفوا يقدم ما اختاره الامام ابو حنيفةؒ سواء وافقه احد اصحابه ام لا (شرح المجلۃ ج۶ ص ۶۲)

ہمارے آئمہ ثلاثہؒ کے اتفاق کے بعد کسی اور طرف جانا قطعاً ناجائز ہے اور امام کے قول کی موجودگی میں صاحبین کی طرف جانا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ مشائخ حنفیہ یا کسی اور کی رائے اور قول کو قابل عمل سمجھا جائے اور ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ ان فقہی ابحاث سے واضح ہوا کہ چونکہ ستہ شوال کے روزے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ارشاد کا ترک لازم آتا ہے اور یہ تصریح موجود ہے کہ امام سے قول بالکراہیت منقول ہے۔ جبکہ

استحباب مشائخ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی رائے ہے اسلئے مشائخ کو ترک کرنا پڑے گا اور عمل بقول الامام ضروری ہوگا ۔

**کما ھو مقتضی المذھب والقواعد الفقھیة مفصلة ومدللة**

جوابی فتوی میں مولوی صاحب محترم نے لکھا ہے شوال کے چھ روزوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی صحیح سند کے ساتھ حدیث کی مستند کتابوں میں موجود ہے۔

**عن ابی ایوب الانصاری انه حدثه ان رسول الله ﷺ قال من صام رمضان ثم اتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدھر رواہ الجماعة الا البخاری والنسائی**

**(نیل الاوطار ج۴ ص ۱۲۰ ،اعلاء السنن جزء ۹ ص ۱۵۳)**

واضح رہے کہ یہ عبارت صحیح مسلم ج ۱ص ۳۶۹ پر موجود ہے جس میں سعد بن سعید بن قیس حد درجہ ضعیف اور غیر معتمد ہے ۔چنانچہ **المنھل** میں ہے

**لا نه فیه سعد بن سعید وفیه مقال** (ج۱۰ص۲۵۹)

نیز دوسرا راوی عمر بن ثابت ہے جس کے بارے میں مولوی صاحب کے دیئے ہوئے حوالے تیس جلدوں والی استذکار میں لکھا ہے۔

**واظن الشیخ عمر بن ثابت لم یکن عنده ممن یعتمد علیه**

(استذکار، ج۱۰ص۲۵۹)

نیز اس روایت کے موقوف اور مرفوع ہونے کا اضطراب بھی موجود ہے

(استذکار ج۱۰ص۲۵۸)

روایت کے متن کو بھی منکر کہا گیا ہے (فتوحات مکیہ، ج۱ص۶۳۷)





علاوہ ازیں مفصل بحث فی الاسناد بفضل اللہ تعالیٰ گزشتہ صفحات میں گذر گئی ہے اس لئے یہ کہنا کہ یہ صحیح السند ہے ”**علم الاسانید والرجال**“ سے ناواقفیت کی بات ہے۔

**کل من یدعی حب لیلیٰ**

**ولیلیٰ لا تقر لھم بذالک**

آگے لکھتے ہیں کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں نے بھی ان روزوں کو مستحب وسنت قرار دیا ہے اور تنویر الابصار اور الدر المختار کے حوالے سے ندب استحباب یا تسنن کی عبارات نقل کی ہیں:

اولاً تو اس سے زیادہ معتبرات جیسے البحر الرائق ، بدائع الصنائع ،فتاویٰ کوھستان، جامع الرموز وغیرہ میں بشمول فتاوی ہندیہ کے ان روزوں کو مکروہات میں سے گنا ہے جو کہ ہر اعتبار سے قوی اور مؤید بالدلائل ہیں جیسے تفصیلاً گزرا ہے۔

ثانیاً اسکو بھی آگے چل کر لا بأس کے ساتھ ذکر کیا ہے جو اصلاً خلافِ اولیٰ کے لئے آتا ہے۔جیسا کہ ہم پہلے بحوالہ ذکر کر چکے ہیں۔

ثالثاً ان اقوال کی اساس متأخرین یا قاسم بن قطلو بغاؒ کی ”تحریر الاقوال“ ہے جن سے علی التحقیق ثبوت مشکل ہے ”**کما ذکرنا قبل ذالک مفصلاً و مدللاً**“

**اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْد**

(سورۂ ق آیت ۳۷)

رابعاً صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے کراہت مروی ہے اور قواعد افتاء کے مطابق امام صاحب کے مقابلے میں مشائخ کا قول مرجوح ہوتا ہے اس لئے

ندب یا استحباب کا ثبوت مشکل ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ محترم جناب مولانا صاحب کے فتویٰ میں فتاویٰ عالمگیری اور البحر الرائق کے حوالے سے جوان روزوں کو مکروہ کہا گیا ہے افسوس یہ ہے کہ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی آدھی عبارت نقل کر کے استدلال فرمایا ہے کاش وہ بعد والی عبارت بھی پڑھ لیتے جس میں اصح قول کے مطابق کراہت کو مسترد قرار دیکر استحباب کو ثابت کر دیا ہے، آگے مولوی صاحب محترم نے فتاویٰ عالمگیری کی عبارت نقل فرمائی ہے سو واضح رہے چونکہ یہ اقوال مشائخ کے ہیں خود امام صاحب سے عالمگیری میں مطلقاً کراہت نقل ہے اور حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے متتابعاً کراہت منقول ہے۔ آگے "والاصح انہ لابأس بہ" جبکہ لابأس بہ کا اصل وضع خلافِ اولیٰ کے لئے ہے جیسا کہ فقہائے کرام جانتے ہیں مزید انہوں نے ان روزوں کا استحباب متفرقاً یعنی ہر ہفتہ میں دو رکھنے کا قول فرمایا ہے اور یہ مابہ النزاع سے خارج ہے اور محترم مولوی صاحب کو مفید نہیں ہے کیونکہ وہ مطلقاً یعنی متتابعاً و متفرقاً جواز کے قائل ہیں اس لئے عالمگیری کا حوالہ اپنے لئے مفید سمجھنا نا قابل فہم ہے۔ نیز کراہت کو مسترد قرار دیکر استحباب ثابت کرنا مقلد کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو رد کرنے کا اختیار امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہیں ہے چہ جائیکہ مشائخ کے قول سے وہ رد ہو سکے یہ بھی مولوی صاحب کی طرف سے نرالا اقدام ہے ورنہ عالمگیری میں ردوقدح کا کوئی کلمہ نہیں

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے





یہی حال البحر الرائق کا ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔ کلمہ لاباس کے بارے میں مولوی صاحب محترم کا یہ لکھنا (کہ غیر متعلقہ مقام پر پیش کیا گیا ہے) باعث تعجب ہے کیونکہ یہ تو فقہی قاعدہ ہے جو حسب ضرورت پیش کیا جاتا ہے۔ نیز "**كلمة لاباس قد يستعمل فی المندوب**" کی عبارت محل نظر ہے دیکھئے کتاب الجنائز اور کتاب الجہاد من البحر الرائق۔ نیز اگر کہیں اور بھی بقول مولوی صاحب کے سیاق وسباق کی مناسبت سے استعمال بھی ہوا ہو مگر یہاں چونکہ کراہت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مصرح ثابت ہے تو اس کے مقابلے میں کلمہ لاباس خلاف اولی ہی کے لئے ہے نہ کہ استحباب وندب کیلئے۔ مزید لکھتے ہیں کہ "فتح القدیر کی عبارت ہم نے ناقص نقل کی" جبکہ محترم موصوف نے خود بھی نقل کرتے ہوئے اساسی جگہ جوان کی تحقیق کیلئے مضر تھی نقل نہیں فرمائی اصل عبارت ملاحظہ ہو "**صوم ستة من شوال عن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ کراهة**" محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین سے مطلق کراہت نقل فرمائی ہے مزید لکھتے ہیں "**وعامة المشائخ لم یروا به بأسا**" آگے فصل اور وصل وغیرہ کی صورتیں نقل فرما کر قول کراہت کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"**وجه الكراهة انه قد يفضى الى اعتقاد لزومها من العوام لكثرة المداومة ولذا سمعنا من يقول يوم الفطر نحن الى الآن لم يات عيدنا او نحوه فاما عند الامن من ذالك فلا باس لورود الحديث به**" (فتح القدیر ج۲ص۲۷۲،۲۷۱)

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کبھی یہ روزے لزوم کے اعتقاد کو پہنچتے ہیں عوام اگر کثرت سے رکھنا شروع کر دیں چنانچہ ہم نے ایسے لوگوں سے سنا ہے جو کہتے تھے عید الفطر ہماری عید

نہیں ہے بلکہ چھ روزے رکھنے کے بعد ہماری عید آئے گی اور اگر ان چیزوں سے امن ہو جائے تو مباح ہے بوجہ روایت وارد ہونے کے محقق رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک کراہت کا قول دعوی بلا دلیل یا دعویٰ کا ذبہ نہیں ہے بلکہ یہ فقہ کا مضبوط اور مستحکم فیصلہ ہے۔ نیز عوام کے اعتقاد کو اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے یہاں تک کہ شریعت کی مقرر کردہ عید کو عید ہی نہ سمجھا جائے اور چھ روزے رکھنے کے بعد عید تصور کی جائے۔ اتنے بڑے خطرات جب ان علم وعمل کے محترم زمانوں میں موجود تھے تو بعد میں کیسے اور کب یہ خطرات ٹل گئے

نہ پہنچ سکے گا کبھی منزل حقیقت پر
صراط عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا

محترم نے فتح القدیر کی عبارت **وعامة المشائخ** سے شروع فرمائی اور ناقص نقل کرنے کا الزام ہمیں دیا

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ الکراہت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کراہت کی تائید وتوضیح فرمائی ہے اور عوام الناس کا اس سلسلے میں سوء اعتقاد اور سوء اقوال نقل فرماتے ہیں اور کلمہ لاباً س سے فقہاً وحدیثاً کچھ بنتا نہیں اور حدیث سنداً اور متناً متکلم فیہ ہونے سے قرنِ اول سے ہی متروک ہے اور منکر رہی ہے جیسا کہ گزشتہ ابحاث سے مفصل معلوم ہوا۔

مولوی صاحب محترم کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''ایک صحیح حدیث کی موجودگی میں جس کو





جمہور امت نے قدیماً اور حدیثاً تسلیم کیا ہو۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول جو کہیں میں مرفوع روایت سے موید بھی نہیں ہے ترجیح دینا اصول کے خلاف ہے'' سوعرض ہے کہ روایت اس باب میں جتنی وارد ہیں وہ سنداً اور متناً ضعاف او متکلم فیہا ہیں، جیسا کہ مفصل گزر گیا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے اور امام ابوحنیفہؒ کے مکروہ فرمانے کے بعد اس کو جمہور امت کے یہاں مسلمہ کہنا آداب علم اور دیانت تحقیق کے سراسر خلاف ہے۔ امام قرطبیؒ کے حوالہ سے یہ قاعدہ گزرا تھا کہ جس مسئلہ پر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ جمع ہو جائیں تو ان کے بعد کسی اور کے قول کا کوئی وزن اور قیمت نہیں رہتی۔ جیسا کہ بحوالہ تفصیلاً گزرا ہے بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو صرف روایت نہیں بلکہ حرمین شریفین بالخصوص اہل مدینہ کا تعامل اس کے رد کرنے کے لئے پیش فرما چکے ہیں پھر موطا امام مالک جو بخاری اور مسلم کی اصل اساس ہے، ملاحظہ ہو

''**عجالہ نافعہ**' اور '**الحطہ فی ذکر صحاح ستہ**''

مزید مولوی صاحب محترم کا یہ ارشاد فرمانا ''اور جو لوگ مسلکاً مالکی بھی نہ ہوں ان کا یہ کام انجام دینا تو باعث حیرت بھی ہے'' سوعرض یہ ہے کہ اگر مسلک کی پابندی آپ مضر سمجھتے ہیں تو بخاری اور مسلم کے حوالے پیش کرنا بھی ٹھیک نہ ہوگا۔

'' **حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء**'' ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہے۔

مزید ان کا یہ لکھنا کہ ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً منع تو نہیں فرمایا ہے بلکہ ان روزوں کو ضروری اور فرض قرار دینے کو منع فرمایا ہے'' باعث حیرت ہے کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''**انہ لم یرا احداً من اھل العلم والفقہ یصومھا**'' یعنی میں نے

کسی عالم اور فقیہ کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، مزید لکھتے ہیں ''ولم یبلغنی ذالک عن احد من السلف''، یعنی گزشتہ بزرگوں یعنی صحابہ اور تابعین سے یہ عمل ہم تک نہیں پہنچا ہے۔مزید فرماتے ہیں کہ

''وان اھل العلم یکرھون ذالک و یخافون بدعته''

یعنی اہل علم ان روزوں کو مکروہ اور ان سے ایسا ڈرتے تھے جیسا بدعت سے ڈرتے ہوں کیونکہ جاہل اور ناسمجھوں کو اگر اس کی اجازت اہل علموں نے دی تو وہ ان کو رمضان سے ملا دیں گے۔(مؤطا امام مالک ص ۲۵۶) غور فرمایا جائے کہ ان عبارات واضحہ سے کسی قسم کے جواز یا اباحت کا بھی کوئی پہلو نہیں نکلتا ہے۔اپنی طرف سے فرض یا ضروری کے پیوند لگانے سے چودہ سو سال کے متفقہ مسئلہ کی اصل حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

آگے مولوی صاحب موصوف نے مذہب مالک کے ایک مقلد علامہ ابن عبدالبر مرحوم کی عبارت استذکار سے اپنی منشاء کے مطابق توڑ مروڑ کر پیش فرمائی ہیں جو ان کے جمالِ دیانت اور پاسِ تفقہ کا آئینہ دار ہے۔مزید استذکار کی عبارتیں پیش کرتے ہوئے حضرت والا نے تیس جلدوں کا بھی بارعب صنیع اختیار فرمایا ہے۔مگر علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء سمجھنے کی کوشش مطلقاً نہیں فرمائی۔مثلاً علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ''والذی کرھه له مالک أمر قد بینه و اوضحه''یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ





کا ستہ شوال کے روزوں کو مکروہ سمجھنا بالکل واضح اور روشن ہے تاکہ رمضان شریف کے فرض روزوں کے ساتھ غیر ضروری چیزوں کو عوام نہ ملائیں، مزید لکھتے ہیں ''وکان رحمه الله متحفظاً کثیر الاحتیاط الدین'' کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دین کے محافظ اور محتاط تھے۔ان عبارات سے علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا کی بھرپور تائید اور حمایت فرمائی ہے جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے مزید علامہ مرحوم کا یہ لکھنا کہ ''فان مالکا لایکره ذالک'' اس کے ضعف کیلئے کلمہ ان شاء اللہ کافی ہے۔علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید لکھا ہے کہ چونکہ اس روایت کے راوی عمر بن ثابت مدنی ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو معتمد نہیں سمجھتے تھے اسلئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں سے اور بعض شیوخ سے احادیث لینا ترک فرمایا ہے (استذکار ج۱۰ص۲۵۹) اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی درجہ میں ان روزاں کو مستحب سمجھتے تو علامہ ابن عبدالبر مرحوم کو اتنی وجوہات اور تاویلات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات

محترم و مکرم مزید فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب (اعلاء السنن جزء۹ص۱۷۷) میں ان چھ روزوں کو مستحب قرار دیتے ہوئے ایک باب ''باب استحباب صیام ستة من شوال'' قائم کر کے مذکورہ حدیث کو ذکر کیا ہے سو عرض ہے کہ اس کے فوراً بعد علامہ موصوف نے ''وفی الطحطاوی الست من شوال صومھا مکروہ عند الامام متفرقة او متتابعة لکن عامة المتاخرین لم یرو به باسا''یعنی طحطاوی میں ہے کہ شوال کے چھ روزے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

یہاں متفرق اور متابع دونوں طرح مکروہ ہیں اگرچہ متاخرین نے لاباس به کہا ہے۔ اگر علامہ موصوف کے نزدیک استحباب ہی کا قول فیصلہ ہے جو بقول مولوی صاحب کے حدیث کا مقتضاء ہے تو اپنے امام سے مطلق کراہت کیوں نقل فرمائی ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اعلاء السنن سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان روزوں کو مطلقاً مکروہ فرمانے کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مولانا نے اس مبحث کو بھی کراہت پر ختم فرمایا ہے'' **قلت الكرا هت محمو لة على احتمال سوء العقيدة لئلا يظن انها من الفرائض لا تصا لها بر مضا ن** (اعلاء السنن جزء ۹، ص ۱۵۳)

**وللہ الحمد اولاً و اٰخرا**

محترم جناب مولوی صاحب زیدعلمہ نے معارف السنن کی عبارت سے اپنے موقف پر استدلال فرمایا ہے اور ان کی دورس نگاہیں صیغہ تمریض پر پڑ گئیں کہ نسب فعل مجہول جب بھی وارد ہو تو اس سے تمریض یعنی قول کا ضعف معلوم ہوتا ہے مگر محترم نے اس عموم اور طرد پر کوئی عقلی یا نقلی حوالہ پیش نہیں فرمایا ہے مگر صیغہ مجہول کبھی قوت کے لئے آتا ہی نہیں تو یہ محترم کا جدید ''علم نحو'' ہوگا۔ قرآن کریم سورۃ البقرہ دوسرے رکوع کا مطالعہ ضروری تھا۔ ''وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ '' (سورۂ بقرہ آیت ۱۱) اس سے پہلے ہماری گفتگو اس سلسلے میں گزری ہے، کہ حضرت بنوریؒ نے بھی'' **واقوال علماء نا مضطربة**'' یعنی ہمارے علماء احناف کے اقوال مضطرب ہیں (**معارف السنن** ج ۵ ص ۴۴۳) پر ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے





کراہت تسلیم فرمائی ہے۔ اور خود علماء احناف کے اقوال کو بھی مضطرب فرمایا ہے۔ آگے استحباب کا قول ''**تحریر الاقوال**'' پر موقوف ہے جس پر تفصیلی کلام اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلے گزرا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کی مزید عبارتیں یعنی ''**تفریق و تتابع بالاتفاق لاداء اصل الفضيلة باى طريق كان بغير كراهة**'' بھی تحریر الاقوال کا نتیجہ ہیں۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول **بالتفریق** نقل کر کے **رد المحتار** کے حوالے سے معلوم ہوا۔ جواب فتویٰ کے اخیر میں محترم نے ''**الفقه الاسلامى و ادلته لدكتور وهبه الزحيلى**'' سے ان روزوں کا استحباب چاروں مذاہب کے علماء کے اتفاق کے ساتھ نقل کیا ہے مگر مولوی صاحب محترم ومکرم اس ناگہانی فتح میں مذاہب کا سارا سرمایۂ علم بھول بیٹھے بھلا مؤطا امام مالک، البحر الرائق، المیزان، اور المنہل جیسی معتبر کتب کے ہوتے ہوئے جس میں امام مالکؒ کا منع اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کراہت منقول ہے کسی محقق دکتور کی کتاب کے حوالے سے کیسے اتفاق و استحباب ثابت ہو سکتا ہے؟ مولوی صاحب محترم کو یہ خیال بھی نہیں رہا کہ'' **تحریر الاقوال** اور **رد المحتار**'' جن کی عبارات پر جواب فتویٰ میں اعتماد کیا گیا تھا ان میں بھی مطلق کراہت کی نفی تھی، نفس کراہت وہ بھی تسلیم فرما چکے ہیں تو دکتور کی ''**ادله**'' سے اچانک مذاہب اربعہ کے علماء کا اتفاق کیسے برآمد ہوا؟

**ولنعم ما قال الشاعر العربى**

**الا ان للحرب رجالا ورجالا لقصعة و ثريد**

اس مفصل تحقیق اور جواب فتویٰ کی تنقیح کے بعد عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اس پوری بحث کا خلاصہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) شوال کے چھ روزے چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح نقول کے مطابق مکروہ منقول ہیں اور زمانۂ حال میں عوام کا اعتقاد گزشتہ زمانوں کے مقابلے میں زیادہ دین سے دوری کا ہے اس لئے یہ روزے رکھنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں

(۲) انہیں مستحب سمجھنا متاخرین مشائخ حنفیہ یا دوسرے مذاہب کے لوگوں کا خیال ہے، جبکہ مذہبِ حنفی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور اجتہاد کو کہتے ہیں اس لئے امام صاحب کی پیروی ضروری ہے۔

(۳) یہ روزے نہ فرض ہیں اور نہ واجب بلکہ نہ سنت مؤکدہ اور نہ مستحب نہ مندوب اتفاقیہ ہیں اس لئے ان کا ترک مناسب اور اولیٰ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر، حافظ بدرالدین العینی اور احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہم تینوں حضرات نے شروح ثلاثہ میں تصریح فرمائی ہے کہ اس قسم کے مستحب کے ترک کا ثواب اصلاح اور تبلیغِ دین کی وجہ سے زیادہ ہے۔

**قد یترک الشئ المستحب لبیان الجواز ویکون فی حقہ افضل لمصلحۃ التبلیغ**

(۱) فتح الباری ج۴ ص۲۸۰

(۲) عمدۃ القاری ج۶ جزء ۱۱ ص۱۰۶

(۳) ارشاد الساری ج۳ ص۴۱۶

(۴) شوال کا پہلا دن یعنی عید کا دن چھوڑ کر متفرق مہینہ کے کسی حصہ میں بھی یہ روزے رکھنا گو متاخرین حنفیہ کے قول کے مطابق مباح اور بنیت حسنہ مستحب ہو سکتے تھے مگر احادیث کے قرنِ اول میں متروک و منکر ہونے کی وجہ سے اور آئمہ کبار کے انکار اور اقوال مشائخ کے





اضطراب کے نتیجے میں اس کا ترک زیادہ بہتر ہے اور باعث ثواب ہے۔

حق تعالیٰ شانہ علماءِ دین کو احقاق حق اور ابطال باطل کی توفیق عطاء فرمائے، اور عوام کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادت سے حق تعالیٰ شانہ حفاظت فرمائے۔

**"واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"**

بحمد اللہ تم

# احسن المناسک

## قربانی کے مسائل





# فہرست

# قربانی کا تاریخی پس منظر

جب سے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تخلیق فرمائی ہے قربانی بھی انسانوں پر ضروری قرار دی ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی کا ذکر ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق دونوں بھائیوں نے ایک اختلاف ختم کرنے کے لئے اپنی اپنی قربانی خدا کے سامنے پیش کی۔ چنانچہ تفاسیر میں ہے کہ ہابیل نے ایک مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے اپنے کھیت کی پیداوار سے کچھ غلہ وغیرہ پیش کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِ“

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ان کو صحیح طرح بتا دیجئے

”اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ“

(سورۂ مائدہ آیت ۲۷)

ان دونوں نے قربانیاں کیں ان میں سے ایک (ہابیل) کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے (قابیل) کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر مخالفین کا یہ سوال موجود ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اس نبی کی قربانی کو بھی





آسمانی آگ آکر جلا دے

”حتى يأتينابقر با ن تأكله النا ر“

یعنی اس پیغمبر پر ہم جب ایمان لائیں گے کہ اس کی قربانی کو آسمانی آگ کھا لے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں قربانی کے گوشت کا استعمال کسی کے لئے جائز تھا یہاں تک کہ آسمانی آگ اس کو جلا دیتی یہ قبول ہونے کی علامت ہوتی تھی بلکہ شیخ ابوحیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے البحر المحیط میں نقل کیا ہے۔

” قال مجا هد كا نت النا ر تأكل المردود وتر فع المقبول الى السما ء“

(تفسیر البحر المحیط ج۳ص۴۶۱)

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو قربانی قبول نہ ہوتی اس کو آگ جلا دیتی اور جو قبول ہو جاتی اس کو آسمانی آگ آسمان پر لے جاتی۔

موجودہ قربانی کی تاریخ اور شکل تاریخ عالم کی ایک حیرت انگیز مجاہدانہ قربانی سے شروع ہوتی ہے اور وہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اس قربانی سے ہے جو انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے قربانی کے لئے پیش کیا۔ اس کا تفصیلی واقعہ قرآن کریم میں سورۂ صٰفٰت (آیت ۱۰۲ تا ۱۲۰) میں موجود ہے اور اس کی مزید وضاحت حدیث وسیر کی کتب میں ملے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی دعاؤں اور تمناؤں کے نتیجے میں

اللہ منعم ومحسن نے ایک لڑکا حضرت اسماعیل عطا فرمایا، ابھی یہ لڑکا چھوٹا ہی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا ایک امتحانی حکم ملا کہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو مع ان کی والدہ ہاجر کے مکہ معظّمہ جو اس زمانے میں ایک چٹیل ریگستانی خطہ تھا میں چھوڑ دیں۔ حضرت نے اپنے رب کا یہ حکم پورا فرمایا، حدیث کی کتابوں میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا اور آپ روانہ ہوئے تو حضرت ہاجر نے پیچھے سے آواز دی ’’ الیٰ من ترکتموانی ؟ یعنی کن کے حوالے کر کے جا رہے ہو ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا کی طرف سے ان کی طرف مڑ کر دیکھنے کی اجازت نہ تھی، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھے بغیر چلے جا رہے تھے، جب نظروں سے وہ لوگ اوجھل ہونے لگے تو حضرت ہاجر نے پوچھا کہ ’’ اللہ اذن لک بھٰذا؟‘‘ خدا تعالیٰ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا؟ حضرت نے فرمایا ’’نعم ‘‘ہاں مجھے میرے رب نے ایسا ہی فرمایا تھا، اس پر حضرت ہاجر نے ایک متوکلانہ اور مؤمنانہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ’’ اذا لا یضیعنا ‘‘ یعنی اس وقت وہ خدا ہم کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب کچھ آگے بڑھے بیوی اور بچہ نظروں سے غائب ہوئے حدیث میں آتا ہے کہ حضرت زمین پر بیٹھ گئے اور پدری شفقت سیلاب کی طرح موجزن ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر فرمایا۔

’’رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ‘‘ (سورۂ ابراہیم آیت ۳۷)

اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان ( مکہ ) میں جہاں کھیتی نہیں تیری عزت ( وادب ) والے گھر کے پاس لابسائی ہے اے پروردگا تا کہ یہ نماز پڑھیں۔ اس کے بعد





ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ حضرت کو اسی بیٹے کو قربان کرنے کے لئے کہا گیا اور حضرت کو یہ حکم بذریعہ وحی خواب میں ملا تھا چنانچہ فرماتے ہیں

’’اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ‘‘

یعنی اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ کو ذبح کر رہا ہوں آپ کی کیا رائے ہے ؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے انتہائی مطیعانہ جواب دیا اور فرمایا

’’قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ زسَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ‘‘ (سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۲)

اے ابا جان آپ وہی کر لیں جو آپ کو خدا کا حکم ہوا ہے آپ مجھے ان شاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو قبول فرمالیا اور فرمایا

’’وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰہِیْمُo قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْ یَا‘‘ (سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۴)

اے ابراہیم آپ نے اپنا خواب سچا کر کے دکھایا۔

’’وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ‘‘ (سورۂ صٰفٰت آیت ۱۰۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت اسماعیل کا بدلہ ایک عظیم قربانی بنا دیا۔ ایک تو یہ خود عظیم قربانی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے سنتِ ابراہیمی کے نام سے تا قیامت ابدنشان رکھا ہے۔ دوسری طرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے میں جنتی مینڈھا بھیج دیا گیا جس کو دیکھ کر باپ بیٹے کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔

# قربانی کی موجودہ عبادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم یادگار ہے

قربانی کی موجودہ عبادت جو اسلامی روایات کا ایک درخشاں باب ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے حدیث شریف میں آتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا

''ھذہ سنة ابیکم ابرا ھیم ''(ابن ماجہ ص ۲۳۳)

یہ تمھارے روحانی باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے تو صحابہؓ نے پوچھا ہمیں کیا ملے گا ؟ فرمایا ہر ہر بال کے بدلے میں مغفرت ملے گی۔

نیم جان بستاند وصد جان دہد

آں چہ در ہمت نہ آید آں دہد

جناب نبی کریم ﷺ نے اس تاریخی سنت کو اپنے قول اور عمل سے ایک سلسلہ تشکر وعبادت بنا دیا چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا اور ہر سال قربانی فرماتے تھے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہے کہ ایک سفر میں ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے ہم نے سات آدمیوں کے طرف سے ایک گائے کی قربانی کی

(۱) ترمذی ج ا ص ۲۷۶

(۲) نسائی ج ۲ ص ۲۰۴

(۳) ابن ماجہ ص ۲۳۳





بعض مرتبہ کسی سفر میں قربانی کے دن آجاتے تو وہاں بھی آپ ﷺ قربانی ترک نہیں فرماتے۔ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں اللہ کے نزدیک انسان کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ محبوب نہیں۔

(ترمذی ج ا ص ۲۷۵،ابن ماجہ ص ۲۳۳)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ہم قربانیوں کو فربہ کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے اور سب مسلمانوں کی یہی عادت تھی۔

(صحیح البخاری کتاب الاضحیه)

نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ عید کے نماز کے بعد عیدگاہ میں قربانی فرماتے تھے (ابن ماجہ ص ۲۳۳) تاکہ سب مسلمانوں کو اس حکم شرعی کی اطلاع بھی ہو جائے اور آداب قربانی بھی سیکھ لیں اور یہ بھی سب کو معلوم ہو جائے کہ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں راقم آثم زرولی عرض کرتا ہے؛ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بزرگوں نے صراحت فرمائی ہے کہ عیدگاہ جا کر عید کی نماز پڑھنا عیدگاہ کے آس پاس قربانی کرنا اور جنازوں کی نماز مسجد کے باہر پڑھنا شعائر اسلام میں سے ہیں۔اس لئے فقہی مسئلہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے شہر والے قربانی نہ کریں۔ایک حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا

'' ان اول ما تبدأ من یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل فقد اصاب سنتنا ومن نحر فانما ھو لحم یقدمه لاھله ''(بخاری ج ۲ ص ۸۳۴)

یعنی پہلا کام آج کے دن ہمارا نماز ہے پھر قربانی کریں گے۔ہاں دیہات

والوں کیلئے عید کے لئے شہر میں جانے کیلئے قربانی عید سے قبل جائز کی گئی ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں؛

کان رسول اللہ ﷺ یذبح وینحر باالمصلیٰ (نسائی ج۲ص۲۰۲)

آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں ہی قربانی کیا کرتے تھے۔قربانی کی عبادت کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے لگالیا جائے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے آخری حج کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی فرمائی جن میں سے ۶۳،اونٹوں کانحر آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس سے فرمایا، باقی کوحضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے فرمایا۔(صحیح مسلم ج۱ص۳۹۹)محدثین نے لکھاہے کہ چونکہ یہ آپ ﷺ کا آخری حج اور منٰی کا مبارک میدان تھا آپ ﷺ نے اس فضیلت کوخوب حاصل کرنے کے لئے اتنی بڑی قربانی فرمائی ورنہ اس سے قبل ہر سال دو مینڈھے قربانی کرنے کی عادت شریفہ تھی۔ (شروح بخاری)

# مسائل عید وقربانی

(۱)نماز عید ہر عاقل بالغ مرد پر بشرط صحت واقامت واجب ہے اور یہ دو رکعت ہے۔
(عالمگیری ج۱ص۱۳۹،شامی ج۱ص۵۵۵)

## (۲)عید کے مستحبات

صبح سویرے اٹھنا،غسل کرنا،مسواک کرنا،اپنے اچھے کپڑے پہننا نئے ہوتو بہتر ہے ورنہ دھلے ہوئے (محیط سرخسی) خوشبو لگانا،عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے لئے آتے جاتے وقت بآواز بلند تکبیر کہنا،ایک راستے سے جانا دوسرے راستے سے آنا اور عیدگاہ کوجلدی جانا





نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا واپسی پر اپنے قربانی کے گوشت میں سے کھالینا عید کے دن خوشی ظاہر کرنا یعنی انبساط سے پیش آنا اور اپنے اہل وعیال پر کشادگی سے خرچ کرنا۔

محتاجوں اور ضرورت مندوں کا خیال رکھنا واضح رہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے اور مسلمانوں کا ہمیشہ سے شعار رہا ہے۔اگر عیدگاہ قریب ہوتو پیدل چلنا افضل ہے۔ (فتاویٰ ظہیریہ)

## (۳)طریقہ نماز عید

دو رکعت واجب نماز عید کی نیت کی جائے اور امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ کہی جائے پھر ’’سبحنک اللھم ‘‘ پڑھا جائے اس کے بعد امام تین تکبیر کہے گا اور ہر تکبیر کے بعد بمقدار تین تسبیحات کے ہاتھ کھلے چھوڑ کر کھڑا رہے گا اس دوران کچھ نہیں پڑھا جائے گا تیسرے تکبیر کے ساتھ ہاتھ باندھے اور چپ چاپ کھڑا ہوجائے باقی یہ رکعت اور نمازوں کی طرح پوری کی جائے گی۔دوسری رکعت جب امام پوری کرے تو رکوع میں جانے سے پہلے امام تین تکبیریں کہے گا اور تینوں کے ساتھ ہاتھ کھلے چھوڑنے پڑیں گے۔بعد میں رکوع کو جانے کے لئے امام چوتھی تکبیر کہے گا باقی نماز اور نمازوں کی طرح پوری کی جائے۔
نماز کے بعد دونوں خطبے سننا سنت ہے۔

## (۴) تکبیرات تشریق

۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے تکبیرات تشریق شروع ہوجاتی ہیں ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے ہر فرض نماز کے بعد خواہ وہ جماعت سے پڑھی گئی ہو یا علیٰحدہ پڑھی گئی ہو ایک

مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے خاتون کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ آہستہ پڑھے۔ اگر امام بھول گیا تو مقتدیوں کو پڑھنا چاہئے یاد آتے ہی اس کا پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر پہلے کی قضاء نماز ایام تشریق کے دنوں میں پڑھ لی گئی تو اس فرض نماز کے بعد بھی تکبیر پڑھی جائے گی۔ اور اگر ایام تشریق کی کوئی نماز بعد میں پڑھی گئی تو تکبیریں نہیں کہی جائیں گی۔
(عالمگیری ج۲ص۱۵۲)

ایام تشریق پانچ ہیں۔ یعنی ۹ ذی الحجہ کی نماز فجر سے تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک مجموعہ تیئیس (۲۳) نمازیں کہ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ باآواز بلند پڑھنا ضروری ہے مسبوق نمازی بھی اپنی نماز پوری کرنے کے بعد تکبیر پڑھے گا۔ نماز عید کے بعد تکبیرات تشریق پڑھنا جائز ہے۔ (نور الایضاح ص۱۲۱، البحر الرائق ج۲ص۲۸۵)

تکبیرات تشریق یہ ہیں۔

**اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ا للہ اکبر و للہ الحمد**

## قربانی کے مسائل

(۱) ہر مسلمان عاقل، بالغ، صاحب نصاب اور مقیم پر واجب ہے

(۱) عالمگیری ج۱ص۱۳۹
(۲) بدائع الصنائع ج۵ص۶۳
(۳) مبسوط سرخسی ج۱۲ص۸
(۴) ہدایہ رابع ص۴۲۷





(۵) فتح القدیر ج۸ص۴۳۵

(۲) واضح رہے کہ نابالغ پر بھی بشرط غنی ہونے کے قربانی واجب ہے
(قاضی خان، عالمگیری ج۵ص۲۹۳)

(۳) نابالغ کی طرف سے اس کا باپ یا ولی قربانی کرے یہ ان کے لئے مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (عالمگیری ج۵ص۲۹۳)

(۴) قربانی نعمت زندگی کا شکرانہ ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث کو زندہ کرنا ہے۔ (عالمگیری ج۵ص۲۹۲ بحوالہ بدائع)

(۵) مسافر پر قربانی نہیں ہے قربانی کے دن متعین ہیں یعنی ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ تک ۱۰۔ ذی الحج کو صبح صادق کے بعد قربانی کرنا جائز ہے مگر نماز عید سے پہلے شہریو ں کے لئے ناجائز ہے۔ (ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ ص۴۲۹)

(۶) مستحب وقت پہلا دن نماز عید اور خطبہ سننے کے بعد ہے قربانی رات کو بھی ہو سکتی ہے مگر مکروہ ہے۔ (عالمگیری ج۵ص۲۹۶، ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ)

(۷) قربانی خود کرنا افضل ہے بشرطیکہ وہ جانتا ہو ورنہ کسی دوسرے سے کرائے لیکن قربانی کے وقت اس کا موجود ہونا بہتر ہے۔

## مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز ہے

اونٹ (کم از کم پانچ سال کی عمر تک) گائے اور بھینس (کم از کم دو سال تک) دنبہ اور بکرا (سال بھر کا) واضح رہے کہ کوئی دنبہ اگر چھ مہینے کا ہو مگر دیکھنے میں سال بھر کا لگتا

ہوتو اس کی قربانی بھی جائز ہے اگر کسی حیوان کے دانت وغیرہ پورے نہیں نکلے ہیں مگر شکل و صورت سے وہ پورا لگتا ہے۔ اور اس کا مالک اس کی مطلوبہ عمر بتاتا ہے تو ایسے حیوان کی قربانی جائز ہے گائے بھینس اور اونٹ کے اندر سات آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں سات سے کم ہوں تو بھی جائز ہے مگر سات سے زیادہ جائز نہیں۔

(ہدایہ رابع ص ۴۲۸ مطبوعہ رشیدیہ دہلی)

جس جانور کے سینگ بالکل نہ نکلے ہوں اس کی قربانی بھی جائز ہے خصی اور مجنون حیوان کی بھی قربانی جائز ہے چونکہ خصی کا گوشت اچھا ہوتا ہے اس لئے اس کی قربانی بہتر ہے مردے کی طرف سے بھی قربانی کی جاسکتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں اگر مردے کی وصیت ہے تو اس قربانی کا سارا کا سارا گوشت فقراء ہی کو دیا جائے، غنی کو اس سے کھانا جائز نہیں۔ اگر مردے کی وصیت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے بطور ثواب کے کی جاتی ہے تو قربانی کا حکم دیگر قربانیوں کی طرح ہے یعنی خود بھی کھا سکتا ہے اور غنی اور غیر غنی سب کو کھلا سکتا ہے۔

(ہدایہ جلد رابع ص ۴۳۳)

## مندرجہ ذیل حیوانات کی قربانی جائز نہیں ہے

(۱) اندھے، بھینگے اور ایسے لنگڑے کی جو اپنی قربان گاہ تک نہ جاسکتا ہو اسی طرح ایسے دم کٹے اور کان کٹے جن کے کان یا دم کا نصف حصہ یا اکثر کٹ چکا ہو قربانی جائز نہیں ہے۔ اگر کان یا دم کا اکثر حصہ باقی ہے تو قربانی جائز ہے۔

(شامی ج ۵ ص ۲۰۶، ہدایہ رابع ص ۴۳۱، فتح القدیر ج ۸ ص ۴۳۴)





(۲) قربانی کے اندر اگر شرکاء قربانی میں سے کسی کی نیت قربانی کی نہیں ہے تو اس کے ساتھ تمام شرکاء کی قربانی خراب ہو جائے گی۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد رابع کتاب الاضحیہ صفحہ ۳۲۲ ہدایہ رابع ص ۴۳۳)

## قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کا مستحب طریقہ

قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں بانٹنا مستحب ہے۔ ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ رشتہ داروں اور احباب کیلئے، تیسرا حصہ فقراء اور مساکین کیلئے۔ قربانی کا گوشت خود کھانا اور ذخیرہ کرنا مستحب ہے قربانی کا گوشت کسی غنی کو فقیر کو مسلمان کو غیر مسلمان کو دے دینا سب جائز ہے۔ (عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۰)

اگر سارا گوشت کسی کو دیدیا گیا یا سارا خود رکھ لیا تو بھی جائز ہے۔ ہاں سارا گوشت صدقہ کرنا افضل ہے۔ واضح رہے کہ اگر وہ شخص خود صاحب عیال ہے اور ضرورت مند ہے تو بہتر یہ ہے کہ سارا خود رکھ لے۔ (بدائع الصنائع کتاب الاضحیہ، عالمگیری ج ۵ صفحہ ۳۰۰)

قربانی کے دنوں میں جو شخص بوجہ قادر ہونے کے قربانی نہیں کرسکتا ہو اس کو مرغی یا مرغا ذبح کرنا مکروہ ہے اس لئے یہ مجوسیوں کی رسومات میں سے ہے۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۰)

## قربانی کے آداب

مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور فربہ، خوبصورت اور موٹا ہو۔ دنبے کی قربانی افضل ہے بہتر یہ ہے کہ سینگوں والا خوبصورت اور موٹا تازہ ہو ذبح کرنے کا چھرا لوہے کا اور تیز دار

ہونا چاہئے ، مستحب یہ بھی ہے کہ ذبح کرنے کے بعد کچھ دیر انتظار بھی کیا جائے یہاں تک کہ وہ حیوان ٹھنڈا ہو جائے اور اس کی جان بالکل نکل جائے ، ذبح کر کے کھال کا فوراً کھینچنا مکروہ ہے یہودی یا عیسائی کے ہاتھوں کا ذبح کیا ہوا جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے ۔قربانی کے جانور کو چند دن پہلے پالا جائے اور اس کے گلے میں پٹہ یا اس کے اوپر شال ڈالنا بہتر ہے ،اور اسے قربان گاہ کی طرف بہت اچھے طریقے سے اور نرمی کے ساتھ لیجایا جائے ذبح ہونے کے بعد اس کی شال یا پٹہ صدقہ کر دیا جائے ۔قربانی کے جانور سے قربانی ہونے سے پہلے فائدہ لینا مثلاً دودھ نکالنا ،روئی کٹوانا یا سوار ہونا یا کوئی اور کام لینا مکروہ ہے اگر تھنوں میں دودھ موجود ہے تو اس کو ٹھنڈے پانی سے چھینٹے دیئے جائیں تا کہ وہ سوکھ جائے ،لیکن اگر دودھ نہ نکالنے سے حیوان کو نقصان پہنچتا ہے تو دودھ نکالا جائے اور صدقہ کیا جائے ۔قربانی کے جانور کی کھال کو صدقہ کر دیا جائے ۔واضح رہے کہ کھال اگر بیچ دی گئی تو اس کی قیمت لازماً مستحق فقراء کو دے دی جائے ۔

مسئلہ: اگر کھال بیچ دی گئی تو وہ رقم فقراء کو پہنچانا ضروری ہے قربانی کا گوشت یا کھال بطور عوض کے قصاب وغیرہ کو دینا جائز نہیں ہے ۔(ہدایہ رابع کتاب الاضحیہ ص۴۳۴) مسئلہ: کسی سیاسی جماعت یا رفاعی ادارے میں کھالیں دینا درست نہیں یہ خالصتاً مستحقین اور نادار لوگوں کا حق ہے ۔

مسئلہ: مسجد میں یا مردے کی تجہیز وتکفین میں کھال خرچ نہیں ہو سکتی اس دور میں کھالوں کا بہترین مصرف مدارس دینیہ عربیہ ہیں جن کے نادر طلبہ کی ہمہ کفالت تقریباً اس تعاون سے





ہوتی ہے یوں دین کی نصرت و معاونت بھی ہو جاتی ہے اور نادر مستحقین کو اپنا حق بھی پہنچ جاتا ہے ۔

مسئلہ: مدرسے کی تعمیر یا اساتذہ وملازمین کی تنخواہوں میں کھال کی قیمت بھی زکوۃ فطرے کی طرح خرچ نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا مصرف نادرو مستحق طلباء کی ذات ہے ان کے کھانے پینے ناشتے وظائف و علاج و معالجہ اور دیگر ضروریات میں خرچ ہوگی ۔

**وضاحت**: واضح رہے کہ اہل علم اس بات کا پورا اہتمام فرماتے ہیں کہ اس قسم کی رقوم طلباء ہی پر خرچ ہوں ہم نے بھی یہ مسئلہ مزید وضاحت کے طور پر عرض کر دیا ۔

## ذبح کرنے کے آداب

ذبح کرتے وقت زبان سے نیت کرنا غیر ضروری ہے دل میں نیت کی جائے اور زبان سے بسم اللہ اور اللہ اکبر کہنا ضروری ہے ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے ۔

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ" (سورۂ انعام آیت ۷۹)

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ"
(سورۂ انعام آیت ۱۶۲،۱۶۳)

ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھی جائے ۔

**اللهم تقبله منی کما تقبلت عن حبیبک محمد و خلیلک**
**ابرا هیم علیهما السلام.** (بدائع الصنائع ج۵ ص۷۹،۸۰)

اگر قربانی کسی کی طرف سے ہو تو منی کی جگہ من اور پھر اس شخص کا نام لیا جائے۔

# تکملہ

(۱) نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا افضل تو یقیناً ہے جس کو مستحب کے درجے میں فقہاء نے لکھا ہے حسن ابن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نابالغ اولاد اور یتیم پوتے کی طرف سے باپ اور دادا پر قربانی واجب لکھی ہے مگر مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور واجب نہیں ہے عالمگیری میں ہے

**والفتوی علی ظاهر الروایة** (عالمگیری ج۵ ص۲۹۳)

مبسوط سرخسی کی عبارت سے بھی یہی سمجھا گیا ہے کہ واجب ہے (مبسوط سرخسی ج۶ ص۱۴) مگر تحقیق یہ ہے کہ دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ باپ یا دادا خود مالدار ہو اور اولاد یا پوتے غیر مالدار ایسی صورت میں فقہاء نے استحباب کے درجے میں ان کی طرف سے قربانی کرنا لکھا ہے جیسا کہ غلاموں کی طرف سے آقا کیلئے قربانی کرنا مستحب لکھا ہے

**"ویستحب ان یضحی عن ممالیکه هکذا فی التاتارخانیة"**

(عالمگیری ج۵ ص۲۹۳)

دوسری صورت وجوب کی ہے یہ تب ہوگی کہ نابالغوں کی اپنی مالیت ہو اس میں اگرچہ اختلاف رہا ہے مگر وجوب کا قول بھی کیا گیا ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے





**"وان کان لصغیر مال قال بعض مشائخنا تجب علی الاب کذا فی فتاویٰ قاضی خان وهو الاصح هکذا فی الهدایه"**

(عالمگیری ج۵ ص۲۹۳)

درمختار کی عبارت میں جہاں آیا ہے کہ "**عن نفسه لا عن طفله**" یعنی اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے نابالغ اولاد کی طرف سے نہیں۔ اس پر علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے "**ای من مال الاب**" یعنی باپ کے مال میں سے واجب نہیں۔ آگے انہوں نے استحباب کو تسلیم کرلیا ہے۔ (فتاویٰ شامی ج۵ ص۲۰۰)

آگے چل کر درمختار کی عبارت میں

**"ویضحی عن ولده الصغیر من ماله ای من مال الصغیر"**

یعنی اگر نابالغ اولاد کا اپنا مال ہو تو باپ ان کی طرف سے قربانی کرے۔ علامہ شامیؒ نے یہ فرق واضح فرمایا کہ مال ہونے کی صورت میں خود نابالغ کے مال میں سے کرنا ہے۔ اس کی تائید میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بدائع الصنائع کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں قربانی کے وجوب کیلئے عقل و بلوغ شرط نہیں ہے۔ گویا یہ وجوب شیخین کے قول کے مطابق ہے۔ اب معلوم ہوا کہ علامہ ابن عابدینؒ کا اضحیہ کی بحث کے آخر میں یہ فرمانا

**"ان الصحیح عدم وجوبها فی مال الطفل"**

بنا بر اختلاف بعض مشائخ ہے مگر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ وضاحت

کردی کہ ظاہر مذہب کے مطابق نہ تو بچے کے مال میں قربانی واجب ہے اور نہ بچے کی طرف سے باپ پر قربانی واجب ہے اس کو ظاہر روایت کہا ہے۔

(۲) اس میں اختلاف ہے کہ عیب کتنا ہو جس کی وجہ سے قربانی ناجائز ہو۔امام ابوحنیفہؒ سے چار روایتیں ہیں چنانچہ ہندیہ میں ہے

''فعن ابی حنیفة اربع روایات'' (فتاویٰ عالمگیری ج۵ص۲۹۸)

مشہور قول ہے۔فقہ حنفی کے تمام متون میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر نصف سے کم معیوب ہو اور اکثر حصہ درست ہو تو قربانی جائز ہے بعض کتب فتاوی میں دوسرا قول راجح سمجھا گیا ہے یعنی ایک تہائی اور اس سے کم کم تو معاف ہے لیکن ایک تہائی سے زیادہ عیب ہونے کی صورت میں قربانی جائز نہ ہوگی عالمگیری اور قاضی وغیرہ میں اس کو اختیار کیا گیا ہے آجکل اکثر دارالافتاء اس کے مطابق فتوی صادر کرتے ہیں مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا قول یعنی نصف سے کم قلیل معاف ہے اور نصف یا نصف سے زیادہ ہونے کی صورت میں عیب کثیر یعنی قربانی کے لئے ناجائز ہونے کی وجہ سمجھا جائے شیخ شمس الدین سرخسیؒ فرماتے ہے کہ نصف کے اندر بھی جواز اور عدم جواز برابر ہے

''لکن لمااستوی المانع والمجوز یترجح المانع احتیاطا''.

(مبسوط سرخسی ص۱۶ جز۱۲)

یعنی بناء بر احتیاط نصف عیب کو ناجائز سمجھا گیا۔

یہی تحقیق علامہ علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے

(۱) بدائع الصنائع ج۵ص۷۵





(۲) فتح القدیر ج۸ص۴۳۴

(۳) بنایہ شرح ہدایہ ج۹ص۱۴۴،۱۴۵

ان تمام کتب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ پہلے سے قول تھا بعد میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اختیار فرمایا چنانچہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہے کہ

''ھٰذا رجوع من ابی حنیفة الی قوله''

(مبسوط سرخسی ج۱۲ص۱۶)

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ شامی میں اس کو حق اور مفتیٰ بہ کہا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

''وھی قولهما والیه رجع امام ان الکثیر من کل شیء اکثره وفی النصف تعارض جانبان ،ای فقل لعدم الجواز احتیاطا بدائع وبه ظهر انما فی المتن الهدایة والکنز والملتقی هو الرابعة وعلیها الفتوی''

(فتاویٰ شام ج۵ص۲۰۶)

یعنی صاحبین کے قول ہونے کے علاوہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور نصف سے کم کم سمجھی جاتی ہے نصف میں احتیاطا ناجائز کو اختیار کیا گیا ہے لیکن جب نصف سے زیادہ صحیح ہے اور نصف سے زیادہ میں عیب ہو تو متون اور مذہب صحیح کے مطابق فتویٰ اسی پر ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ

علیہ کے ایک اثر پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ احادیث اور آثار کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا یہ فرمانا کہ جب نصف سے کم ہو تو اس کو معاف سمجھا جائے یہ درست ہے کیونکہ کسی چیز کا نصف سے کم ہونا عرف میں قلیل سمجھا جاتا ہے۔

''وھذا ھو قول ابی یوسف ومحمد رجع ابو حنیفۃ الیہ''

(اعلاء السنن ج ۱۷ ص ۲۴۳)

یعنی اب ہمارے تینوں اماموں کا یہ آخری قول ہے۔

## آخری گذارش

کوشش اس بات کی کی جائے کہ جانور خریدتے وقت ایک تہائی سے زیادہ عیب والا نہ ہوتا کہ اختلاف سے حفاظت رہے مگر کہیں ایسا جانور آ گیا ہو۔ جس کے اندر ایک تہائی سے زیادہ اور نصف سے کم عیب پایا گیا تو اس کی قربانی بھی درست ہوگی کیونکہ مضبوط اور فیصل قول یہی ہے۔

(۳) شرکاء قربانی کے لئے یہ تو افضل ہے کہ سب کی نیت قربانی ہی کی ہو لیکن اگر قربانی کے علاوہ اور قربت یعنی ثواب کی نیت سے قربانی کر لی گئی مثلاً بعض شرکاء قربانی کی نیت سے شریک ہیں لیکن بعض عقیقہ کی نیت سے شریک ہیں یا بعض شرکاء نے نفلی قربانی کی نیت کی ہے اسی طرح کسی مرحوم کی طرف سے بطور ثواب کی جو نیت کی جاتی ہے یہ سب چونکہ عبادت کی قسمیں ہیں اس لئے قربانی جائز ہوگی، بلکہ اگر ولیمے کے لئے گوشت کا ارادہ ہو تو اس سے قربانی خراب نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۰۴، فتاویٰ شام ج ۵ ص ۲۰۷)





ہاں جہاں تک ہو سکے سب شرکاء کی نیت قربانی ہی کی ہو۔ تو یہ زیادہ افضل ہے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق کراہت سے بھی حفاظت رہے گی۔

اگر قربانی مرحوم کی وصیت کے مطابق مرحوم کی طرف سے ہو یا قربانی کرنے والا نذر کی نیت کر چکا ہے تو وصیت اور نذر کی قربانی کے گوشت میں سے نہ خود کھا سکتا ہے اور نہ کوئی غنی کھا سکتا ہے بلکہ سارا کا سارا فقراء کو خیرات کیا جائے گا۔ (شامی ج ۵ ص ۲۰۴)

ایصال ثواب کے لئے مرحومین یا بزرگوں کی طرف سے جو قربانی بعض لوگ کرتے ہیں یہ بہت ہی بڑے ثواب کا کام ہے اور اس قربانی کا گوشت بھی اپنی قربانی کے گوشت کی طرح استعمال ہوگا۔

(۴) اگر کسی نے قربانی کا جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہے اور بعد میں اور لوگوں کو اپنے ساتھ اسی جانور میں شریک کرنا چاہتا ہے تو اگر جانور خریدتے وقت اس نے اور لوگوں کو شریک کرنے کی نیت نہیں کی تھی تو اب اگر یہ شخص صاحب نصاب ہے جس پر اپنی قربانی واجب ہوتی ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا مکروہ ہے اور اگر یہ شخص صاحب نصاب نہیں ہے فقیر ہے تو دوسروں کو شریک نہیں کر سکتا کیونکہ خریدا ہوا جانور اس کی نیت کی وجہ سے لازماً اس کی طرف سے قربان ہوگا۔ (شامی ج ۵ ص ۲۰۲، ۲۰۱، عالمگیری ج ۵ ص ۳۰۴)

(۵) اگر شرکاء قربانی میں سے کوئی مر گیا تو مرحوم کے ورثاء کی اجازت سے یہ لوگ قربانی کر لیں لیکن اگر ورثاء کی اجازت کے بغیر قربانی کر لی گئی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ مرنے کے بعد مرحوم کا حق ورثاء کو منتقل ہوا۔ اب ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرنے سے ساری قربانی خراب ہو جائے گی۔ (شامی ج ۵ ص ۲۰۷)

# ایک ضروری وضاحت

عید کے دن عید کے بعد عید کی خوشیوں میں ایک دوسرے سے مصافحہ یا معانقہ کرنا عید کی خوشیاں سمجھ کر جائز بلکہ مستحسن ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب ایک دوسرے سے عید کے دن ملاقات کرتے تو ''تقبل الله منا ومنک'' کہتے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

''کا ن اصحا ب رسو لﷺ اذا التقوا یو م العید یقو ل بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنک'' (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

یعنی نبی کریم اکے صحابہ کرامؓ عید کے دن ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں'' کیونکہ قبول فرمائے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے اور میری طرف سے یہ عید مبارک ہی کی اصل معلوم ہوتی ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''عید مبارک'' کو اس وجہ سے جائز فرمایا ہے　　(شامی ج ۱ ص ۵۵۷)

زمانہ رسول ﷺ میں نماز عید کے بعض جائز قسم کے کھیل کھیلے جاتے تھے محدثین نے فرمایا ہے کہ کیونکہ عید کے دن خوشیاں منانا عید کے متعلقات میں سے ہیں اس لئے عید کی خوشیوں کے طور پر اگر ایک دوسرے سے ہاتھ یا گلے ملایا جائے تو یہ بھی عید کی ہی خوشیاں سمجھی جائیں گی تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

صحیح البخاری وغیرہ کی صحیح ترین حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد موجود ہے کہ میرے گھر کچھ لڑکیاں خوش آوازی کے ساتھ جنگ بعاث کے اشعار پڑھتی تھیں





ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا

ابمزامیر الشیطان فی بیت رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم وذلک فی یو م عید فقا ل رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم یا ابا بکر ان لکل قوم عیداً وهذا عید نا . (بخاری ج ۱ باب سنت العید لاہل الاسلام۔ فتح الباری ج ۲ ص ۳۷۱)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب ان لڑکیوں کے اشعار کو برا مانا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ عید کا دن ہے اور عید کی خوشیوں کی وجہ سے ایسے اشعار پڑھنا درست ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کھیل کود یا شعر وشاعری فی نفسہ مباح ہے اس کو مندوب نہیں کہا جاسکتا لیکن اگر عید کی خوشیاں سمجھی جائیں تو چونکہ عید کی خوشیاں منانا شریعت کے مطابق ہے تو یہ عبادت بن جائے گی۔

لان المبا ح قد یر تقع با لنیة الی در جة ما یثا ب علیه

یعنی مباح کام سنت صالحہ کی وجہ سے ثواب کا باعث بن جاتا ہے مصافحہ اور معانقہ عید کی خوشیوں میں سے ہیں اور یہ کھیل اور شعر وشاعری سے کسی درجے میں کم نہیں ہو سکتے بلکہ مصافحہ کے تو مستقل احادیث موجود ہیں نیز معانقہ ایک قسم کا علاج بھی ہے کیونکہ بعض روایات کے مطابق عید جیسے مبارک اوقات میں سب لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے مگر جو شخص کسی مسلمان کے لئے دل میں بغض وکینہ رکھتا ہو اس کی مغفرت نہیں ہوگی اس لئے ہمارے ان علاقوں میں عید کے دن گلے ملتے ہیں گویا ایک قسم کا علاج بھی ہے تاکہ سینے میں کسی قسم کا کھوٹ اور کینہ نہ رہے۔ ملاحظہ المدخل علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس کی طرف

اشارہ کیا ہے یہ نہ کہا جائے کہ بعض اکابر سے ممانعت آئی ہے کیونکہ بہت سارے اکابر سے جواز بھی مروی ہیں تفصیلات کے لئے سورۃ الفتح کا آخری تفسیر روح المعانی میں ملاحظہ ہو۔

سلطان العلماء عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ بھی جواز کے قائلین میں سے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مصافحہ اول ملاقات کے وقت ہے عید سے پہلے لوگوں کا ملنا اور پھر ملنا درست نہیں تو گذارش یہ ہے کہ اول ملاقات کا مصافحہ بھی ثابت ہے لیکن دوسرے اوقات میں مصافحہ کی ممانعت نہیں آئی بلکہ خوشی اور سرور کے موقع پر مصافحہ اور معانقہ دونوں مروی ہیں بہتر یہ ہے کہ مصافحہ اور معانقہ کو بدعت ہرگز نہ کہا جائے اور سنت بھی نہ کہا جائے ہاں عید کے خوشیوں کے طور پر استحسان کے درجے میں اس کو تسلیم کرلیا جائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عید کے دن مصافحہ اور معانقہ کو ضروری سمجھنا بدعت کہا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۰۲)

ظاہر ہے کہ جب اس کو سنت نہ سمجھا جائے بلکہ عید کی خوشیاں سمجھ کر کرلیا جائے تو ضروری ہرگز نہ رہی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کسی موقع پر اس کی مزید تفصیل عرض کردی جائے گی۔

# احسن المسائل والفضائل

## رمضان شریف کے مسائل

# فہرست







## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان المبارک کا مہینہ اسلامی روایات کے مطابق بڑی عظمت و برکت خیر وسعادت کا مہینہ ہے اس ماہ مبارک میں اسلام کا چوتھا رکن ادا کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کا تذکرہ قرآن کریم کے اندر فرمایا ہے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵)

رمضان المبارک کا مہینہ وہ بزرگ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم جیسی عظیم ترین کتاب نازل ہوئی۔ یہ رمضان المبارک کی تاریخی حیثیت اور تاریخی برکات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا۔ حدیث کے اندر جناب نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک کی برکات وفضائل بڑی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ اس ماہ محترم کیلئے بڑا اہتمام فرماتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ جب رمضان شریف کا مہینہ قریب آنے لگتا تو

کان رسول اللہ ﷺ اذا دخل العشر احیی اللیل وایقظ اھلہ وجدّ و شدّ المئزر (مسلم شریف ج ا ص ۳۷۲)

یعنی آنحضرت ﷺ رمضان شریف کیلئے کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شعبان کے آخر میں ہمیں خطبہ دیا

اور فرمایا کہ

**یا ایھاالناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک**

(مشکوٰۃ شریف ج ا ص ۱۷۳)

ترجمہ اے لوگو تمھارے اوپر عظمت اور برکت کا مہینہ آ گیا ہے اور پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کے اندر ایک فرض نماز پڑھنا ستر (۷۰) فرضوں کے برابر ہے یہاں تک کہ اس میں نفل پڑھنے کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ اور فرمایا کہ کسی روزہ دار کو افطار کرانا جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرنے کے برابر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضرت ہم میں سے ہر شخص کسی کو روزہ افطار کرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ یہ ثواب تو ایک گھونٹ پانی پلانے اور ایک کھجور کھلانے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے اس تاریخی اور بنیادی خطبے میں یہ بھی فرمایا تھا کہ

**جعل اللہ صیامہ فریضۃو قیام لیلہ تطوعاً**

ترجمہ　اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض اور رات کی نماز یعنی تراویح کو سنت مقرر فرمایا ہے۔
آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ایسا مہینہ ہے کہ

**اولہ رحمۃ و اوسطہ مغفرۃ و اٰخرہ عتق من النار** (مشکوٰۃ ج ا ص ۱۷۳)

ترجمہ　اس کا پہلا عشرہ خدا کی رحمت اور دوسرا خدا کی بخشش کا باعث ہے جبکہ آخری عشرے میں جہنم سے برأت ہوجاتی ہے۔
ہم نے یہ مختصر سی گزارشات فہرستِ فضائل کے طور پر ذکر کردی ہیں۔ فضائل کی تفصیلات





کے لئے دفاتر درکار ہیں جسکا ہمارا یہ رسالہ ہرگز متحمل نہیں ہے۔

## روزہ کی شرعی تعریف

**و امارکنه فا لامساک عن الاکل والشرب والجماع**

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۶)

ترجمہ　روزہ کی شرعی تعریف یہ ہے، کہ مخصوص چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور وہ کھانا پینا اور جماع ہے یعنی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک ان چیزوں کا استعمال ترک کرنا ہے۔
روزہ فرض ہے قرآن پاک میں ہے
"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" (سورۃ البقرہ آیت ۱۸۲)
دوسری آیت میں ہے "فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْهُ" (سورۂ بقرہ)
حدیث میں ہے

**بنی الا سلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلاۃوایتاء الز کا ۃ وصوم رمضان وحج البیت من استطا ع الیہ سبیلا**

(بخاری ج ا ص ۶، ومسلم ج ا ص ۳۲)

دوسری حدیث وہ ہے جسے آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا

**ایھا الناس اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وحجوا بیت ربکم وادوا زکاۃ اموا لکم طیبۃبھا انفسکم تد خلو اجنۃ ربکم**

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۹۰،۲۱۰)

**واما الا جماع فان الا مة اجمعت على فريضة شهر رمضان لا يجحد ها الا كا فر** ( بدائع الصنائع ج۲ص۲۱۰)

## روزے کی فرضیت کے شرائط

روزہ ہر مسلمان عاقل بالغ تندرست پر فرض ہے۔غیر مسلم یا نابالغ یا مجنون پر روزہ فرض نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج۲ص۷۵)

روزے کی نیت فرض ہے اگر صبح سے شام تک بغیر نیت نہ کھائے اور نہ پیے تو یہ روزہ نہیں ہوا۔ (شامی ج۲ص۸۱)

**فائدہ** واضح رہے کہ بیمار یا نابالغ یا مسافر پر روزہ رکھنا فرض تو نہیں لیکن رکھنے سے ان کا روزہ ہو جائے گا۔

(۱) شامی ج۳ص۱۰۵

(۲) بدائع الصنائع ج۱ص۹۰

روزے کی نیت کیلئے کچھ الفاظ پڑھنا غیر ضروری ہے کیونکہ نیت قلب کے ارادے اور قصد کو کہتے ہیں زبان سے بول لینا بہتر ہے رہ گئے یہ الفاظ وبصوم غد نويت من شهر رمضان تو یہ الفاظ محققین کے نزدیک کسی حدیث وروایت سے ثابت نہیں ہیں صرف عربی جملے ہیں جو عوام سے لازماً نیت کرانے کیلئے تجویز کئے گئے ہیں اسکو سنت اور حدیث نہ سمجھا جائے۔ (مرقات شرح مشکوۃ ج۴ص۲۸۵)





## روزہ کے مفسدات

روزے کی حالت میں کچھ کھا لینا یا پی لینا بشرط ارادہ ونیت یا کلی کرتے وقت یا ناک میں پانی ڈالتے وقت پانی حلق سے اتر گیا یا کسی نے روزہ دار کی طرف کوئی چیز پھینکی اور اس کے حلق میں اتر گئی یا نہاتے وقت پانی حلق سے اتر گیا یا سوتے میں کچھ پیا یا سنگریزہ، گٹھلی، ڈھلا، کپاس، کاغذ وغیرہ نگل لیا تو ان سب سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔اگر کوئی ایسی چیز کھالی گئی جو عموما کھائی جاتی ہو مثلاً کچے چاول، دال، تربوز اور خربوزے کے چھلکے اور مٹی اور بہت سارا نمک تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی۔لیکن اگر ان چیزوں کے کھانے کا عادی ہو تو قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم آئے گا

(۱) عالمگیری ج۱ص۲۰۶

(۲) البدئع الصنائع ج۱ص۹۹

(۳) شامی ج۳ص۳۶۸

اگر دانتوں کے بیچ میں پھنسا ہوا ریزہ نکالا گیا اور کھایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کفارہ اس صورت میں نہیں ہے۔دانتوں کے اندر پھنسی ہوئی چیز اگر چنے سے کم ہو تو اس کے کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر چنے کے دانے کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن باہر سے کوئی چیز بھی کھائی گئی وہ تھوڑی ہو یا زیادہ روزہ بہر حال ٹوٹ جائے گا اگر مثلا گیہوں وغیرہ کا دانہ چبایا گیا اور وہ منہ میں گم ہو گیا اور حلق میں کچھ اثر محسوس ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا ۔

(i) فتح القدیرج اص ۲۵۸

(ii) قاضیخان ہامش ہندیہ ج اص ۲۰۸

(iii) عالمگیری ج اص ۲۰۲

اگر کسی کا لعاب نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن کفارہ نہیں آئے گا اگر یہ لعاب دوست یا بیوی کا ہوتو کفارہ لازم آئے گا۔ اگر دانتوں سے خون نکلا اور حلق سے اتر گیا تو اگر خون کم اور لعاب زیادہ تھا تو روزہ نہیں ٹوٹا اور اگر خون زیادہ تھا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

(عالمگیری ج اص ۲۰۳)

# اصول

(۱) جس چیز کا کھالینا نہ تو مقصود ہے نہ اس سے بچنا ممکن ہے تو اس کے نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا جیسے حلق سے مکھی کا اتر جانا۔ (عالمگیری ج اس ۲۰۳)

(۲) اگر کسی نے جمائی لی اور سر اٹھایا پرنالہ سے پانی کا قطرہ حلق سے اتر گیا تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۳) یہی حال بارش اور برف کا ہے اگر آنسو روزہ دار کے منہ میں گرے تو ایک یا دو قطروں سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر زیادہ ہوں تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ یہی حکم روزہ دار کے چہرے کے پسینے کا ہے۔

(۴) جو چیز معدے میں بذریعہ مسام پہنچی اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا ہاں اگر بغیر مسام کے پہنچی تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔ عام طور پہ انجکشن وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، ہاں اگر انجکشن کے





ذریعے بغیر مسام بدن کے براہِ راست معدہ یا دماغ کو دوا پہنچادی گئی تو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(i) فتاوٰی عالمگیری ج اص ۲۰۳

(ii) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶

(iii) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹۸

(۵) اگر آنکھ میں دوائی ڈالی گئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱) فتاوئی عالمگیری ج اص ۲۰۳

(۲) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷

آنکھوں کی دوا کا اثر حلق میں محسوس بھی ہوتب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا ۔ محقق ابن الھمامؒ نے فرمایا ”لانه اثره لا عينه“ یعنی وہ دوا کا اثر ہے خود دوا نہیں۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷)

(۶) آنکھوں میں سرمہ ڈالنا یا سر میں تیل لگانا جائز ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱) عالمگیری ج اص ۲۰۳

(۲) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷

(۷) اگر کسی کو قے آئی اور خود بخود لوٹ گئی اگر چہ منہ بھر کے ہوتو روزہ نہیں ٹوٹے گا، یا قصداً قے کی اور منہ بھرنے سے کم ہوا گرچہ اس نے لوٹا بھی دی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر اس نے قصداً قے کی یا قصداً لوٹادی اور منہ بھر کر قے ہوتو روزہ ٹوٹ جائیگا۔

(۱) عالمگیری ج اص ۲۰۴

(۲) نورالایضاح ص ۱۴۶،۱۴۷

نوٹ : واضح رہے کہ یہ قے کھانے یا پانی وغیرہ کی شکل میں ہو، بلغم قے کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کان میں پانی جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اسی طرح اگر دوائی ڈالی یا تیل وغیرہ ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا (کیونکہ تحقیق سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ دوا کان کے ذریعے دماغ تک نہیں پہنچتی اس لئے ایسی صورت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ ہماری تحقیق ہے اگرچہ فتویٰ اس کے برخلاف ہے) احتلام ہوجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(فتح القدیر ج۲ص۲۶۰)

## مندرجہ ذیل صورتوں میں روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوجاتے ہیں

روزہ کی حالت میں نیت کرنے کے بعد قصداً کھانا پینا یا جماع کرنا، کوئی ایسی چیز جو بطور غذا یا دوا کے استعمال ہوسکتی ہو قصداً کھالینا، اسی طرح اگر بارش کے قطرے یا برف کے ٹکڑے ارادہ کرکے کھائے گئے یا کوئی ایسی مٹی جیسے ملتانی مٹی جو عادت کے طور پر کھائی جاتی ہو کھائی گئی اسیطرح کسی ایسے درخت کے پتے یا کچا پھل کھایا گیا جو عرف کے اندر کھائے جاتے ہوں یا کھانے والے کی عادت تھی تو قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہو جائے گا۔ نمک اگر تھوڑا سا کھایا گیا اور حلق سے اتر گیا تو قضاء کے ساتھ کفارہ لازم ہے واضح رہے کہ زیادہ نمک کھانے سے صرف قضاء لازم آتی ہے جبکہ تھوڑے سے نمک سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ فقہاء نے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی ہے چونکہ تھوڑا نمک کھانے کی عادت بھی ہوتی ہے اور اسے لذت وحلاوت بھی ملتی ہے، تو قضاء کے ساتھ کفارہ





بھی لازم آیا مگر نمک کا ڈھیلہ یا بہت سارا کھالینا عادت کے خلاف ہے اس لئے روزہ کی قضاء آئے گی نہ کہ کفارہ۔ (نور الایضاح ص ۱۴۶)

بھول کر کھالینے یا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا فقہاء نے لکھا ہے اگر وہ بھولنے والا شخص روزہ برداشت کرنے کی پوری طاقت رکھتا ہے تو اس کو بتانا بہتر ہے جیسے تندرست اور جوان آدمی ہو لیکن اگر کوئی شخص کمزور ناتواں یا حد درجے کا بوڑھا ہو تو نہ بتانا بہتر ہے۔ ملاحظہ ہو

(i) شامی ج۳ص۳۶۵ (ii) فتح القدیر ج۲ص۲۵۴

(iii) بدائع الصنائع ج۳ص۹۰

## ضروری وضاحت

اگر بھول کر کھانے والے کو یاد دلا دیا گیا لیکن اس کو یاد نہیں آرہا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا (عالمگیری ج۱ص۲۰۲، قاضی خان ہامش ہندیہ ج۱ص۲۰۳)

اگر کسی کو زبردستی کھلایا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا ہاں کفارہ اس صورت میں بھی نہیں ہوگا۔

اگر پانی کی نمی کو کلی کرنے کے بعد لعاب کے ساتھ نگل لیا گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

اگر کسی مشین یا چکی کا غبار یا دوائیوں کا ذائقہ یا دھواں وغیرہ حلق میں داخل ہوجائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

## روزے کے مکروہات

روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھ لینا بغیر عذر کے مکروہ ہے اسی طرح چبانا بھی مکروہ ہے فقہاء نے لکھا ہے۔

"لو كان زوج المرأة و سيدها سيئى الخلق فذاقت المر قة"

(عالمگیری ج ا ص ۱۹۹، قاضی خان ہاشم ہندیہ ج اص ۲۰۴)

یعنی اگر کسی خاتون کا شوہر تندخو اور سخت مزاج ہو تو دفع نزاع کے طور پر وہ خاتون شوربا وغیرہ چکھ سکتی ہے۔ دوسرا عذر یہ ہے کہ چھوٹے بچے کے لئے کوئی چیز چبائی جائے یعنی وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو اس کیلئے چبا سکے یا نرم کر سکے۔

مسی وغیرہ چبانا مکروہ ہے۔ منہ میں لعاب جمع کر کے نگل لینا مکروہ ہے۔ خریدتے وقت کوئی چیز چکھنا مکروہ ہے (قاضی خان ج اص ۲۰۴، عالمگیری ج اص ۲۰۰) لیکن اگر شدید مجبوری ہو مثلاً اگر چکھے بغیر خریدا گیا تو نقصان عظیم کا اندیشہ ہے یا نزاع و جھگڑا بعد میں پیدا ہوسکتا ہے تو ایسی صورت میں چکھ سکتا ہے۔ حالت جنابت یا احتلام کی صورت میں صبح کر لینا یا سحری کھا لینا جائز ہے اور روزہ درست رہے گا ہاں ایسا کرنا نا مناسب ضرور ہے۔

## روزہ کے مستحبات

سحری کھانا اور سحری کھانے میں دیر کرنا۔ غروب ہوتے ہی افطار کرنا اور تاخیر نہ کرنا۔ واضح رہے کہ سحری کھانے میں اتنی دیر نہ کی جائے کہ وقت مشکوک داخل ہوجائے ایسا کرنا خلاف سنت ہے۔ اسطرح بادل اور ابر کے دن افطار میں جلدی کے بجائے تاخیر کرنا مستحب ہے۔

(i) شامی ج ۳ ص ۴۰۰

(ii) عالمگیری ج اص ۲۰۰

(iii) نورالایضاح ص ۱۴۸





افطار کرتے وقت نبی کریم ﷺ سے چند دعائیں ثابت ہیں مثلاً

واسع الفضل اغفرلی (مرقاۃ ج ۴ ص ۴۸۹)

کبھی آنحضرت ﷺ یہ بھی پڑھتے تھے

" الحمد لله الذى اعاننى فصمت ورزقنى فافطرت " یہ دعا زیادہ مشہور ہے اور حدیث کی اکثر کتابوں میں موجود ہے

"اللهم لک صمت وعلىٰ رزقک افطرت" (ابوداؤد ج اص ۳۲۲)

ابوداؤد میں ایک دوسری دعا بھی موجود ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ جب افطار فرماتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے

"ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر ان شاء الله"

(ابوداؤد ج اص ۳۲۱ ۔ سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۲۳۹)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ دعا

اللهم لک صمت وعلىٰ رزقک افطرت وا ما ما اشتهر على الالسنة اللهم لک صمت وبک آمنت وعلى رزقک افطرت ،فزيادة وبک اٰمنت لا اصل لها (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۵۸)

یعنی لوگوں میں جو الفاظ مشہور ہیں مثلاً

وبک اٰمنت وعلیک توکلت

یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں، اضافہ اور بے اصل ہیں۔ ہماری عاجزانہ گزارش ہے کہ چونکہ محققین نے ان الفاظ کو غیر صحیح قرار دیا ہے لہذا صرف حدیث میں آئی ہوئی دعا پر اکتفا

کیا جائے اور اجر وثواب کیلئے وہی کافی ہے اس سلسلے میں فن حدیث کے رجال اگر کچھ مزید
وضاحت کر سکیں تو ہم شکر گزار ہوں گے ہاں حدیث کا مسئلہ فن حدیث سے حل کرنا پڑے گا
کسی اور فن کا حوالہ غیر مقبول اور غیر مسموع ہوگا۔

## وہ اعذار جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت مل جاتی ہے

۱۔مسافر ہونا کم از کم اپنے شہر وبستی سے اڑتالیس میل دور جانے کا ارادہ کرنا۔ جب یہ شخص
اپنی آبادی سے نکلے گا اور نماز میں قصر کرنے کا حکم ملے گا تو اس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت
یا رخصت بھی ملے گی ۔اس فرق کے ساتھ نماز قصر کرنا حتمی اور ضروری ہے اگر ارادہ سے
پوری نماز پڑھ لی گئی تو گناہگار ہوگا جبکہ روزہ رکھنا افضل ہے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ سفر کا
راور بس کا ہے یا ٹرین اور طیارہ کا ہے یا اونٹ اور گھوڑے کا ہے وہاں تک جانے میں ہفتے
اور دن لگتے ہیں یا مختصر اوقات مگر اس سفر کا حکم سفر ملحق کا ہوگا اگر کوئی شخص سفر پر جارہا ہے اور
باوجود عظیم تکالیف اور مشقت ومحنت کے روزہ رکھ رہا ہے تو یہ گناہگار ہوگا حدیث میں ایسوں
کو نافرمان کہا گیا ہے لیکن اگر کوئی تکلیف اور دشواری برداشت کئے بغیر روزہ رکھ لے تو یہ
بہتر ہے (نورالانوار ص ۶۵)

۲۔اگر کسی شخص کو ایسی بیماری اور تکلیف لاحق ہوئی کہ اسکی جان خطرے میں پڑ گئی تو اسکی دو
صورتیں ہیں (ا) امتداد مرض (ب) خوفِ ہلاکت مثلاً کوئی حکیم حاذق صالح یا مسلمان
ڈاکٹر صالح یہ مشورہ دے کہ اس بیماری اور کرب میں اگر روزہ رکھا گیا تو بیماری میں شدت
پیدا ہونے یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں کسی صحیح العقیدہ متین عالم ومفتی سے





اجازت لیکر روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

(i) فتح القدیر ج۲ ص۲۷۲ (ii) مبسوط سرخسی ج۳ ص۹۹
(iii) بدائع الصنائع ج۲ ص۹۴ (iv) خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۵

اگر روزہ کی حالت میں خاتون کو حیض یا نفاس عارض ہوا تو روزہ جاتا رہا مزید تفصیلات کتب
فقہ وفتاوی سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

# مسائل اعتکاف

اعتکاف بہت بڑی عبادت ہے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد
ہمیشہ اعتکاف فرمایا اور آپ کے بعد ازواج مطہرات باقاعدگی سے اعتکاف فرماتی تھیں
(الانصاف فی باب الاعتکاف مولانا عبدالحئی لکھنوی)

اعتکاف کی بڑی فضیلت آئی ہے۔خود قرآن کریم میں معتکفین کا ذکر بڑے اکرام سے ہوا
ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ شریف تعمیر کرنے کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔تو
بیت اللہ شریف کی عظیم عبادتوں میں سے ایک عبادت اعتکاف بھی فرمائی تھی۔خود رمضان
شریف سے متعلقہ آیات کے آخر میں اعتکاف کے احکام وآداب بیان فرمائے ہیں حافظ
ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ معتکف دنیا کی تمام کدورتوں اور نامناسب حالات کو چھوڑ کر خود کو
اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے شیخ عطاء رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے امام سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ
علیہ کے استاد تھے اور کبار اولیاء اللہ میں سے تھے وہ فرماتے ہیں معتکف کی مثال اس شخص کی
سی ہے جو کسی سخی اور کریم کے دروازے پر جا بیٹھے اور یہ کہے کہ جب تک آپ نے مجھے کچھ

دیا نہیں میں نہیں جاؤں گا۔ معتکف بھی اللہ کے گھر میں اللہ کے گھر کی چوکھٹ پکڑ کر اپنے گنا ہوں کو بخشوانے کے در پے رہتا ہے حدیث کی کتابوں میں صراحت سے آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ معتکفین کے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں ان کے درجات کو بلند کر دیتے ہیں اور انکی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می توان تنا گریستن

اعتکاف کے معنی لغت میں ٹھہرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں (مسجد میں) وقت متعینہ معلومہ گزارنے کو کہتے ہیں۔ اعتکاف کی تین قسمین ہیں۔ ایک واجب، دوسرا سنت، تیسرا نفل۔

**(۱) واجب اعتکاف**

مثلاً یہ نذر مانی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میری مشکل حل کی یا بیمار کو شفا دی یا فلان مراد پوری کی تو میں اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔ یہ اعتکاف واجب کہلاتا ہے۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے

**(۲) سنت اعتکاف**

رمضان المبارک کی اکیسویں رات سے لیکر عید الفطر کی رات تک مسجد میں رہنا سنت اعتکاف کہلاتا ہے۔

**(۳) نفلی اعتکاف**





مسجد میں غیر معینہ اور غیر مقررہ مدت تک کے لئے بیٹھنا مثلاً مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ نیت کی گئی کہ جب تک مسجد میں رہوں گا معتکف رہوں گا یہ اعتکاف ایک لمحہ کا بھی ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کچھ شرائط نہیں ہیں فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کے ایک دروازے سے اگر داخل ہوا اور نفلی اعتکاف کی نیت کر لی اور دوسرے دروازے سے نکل گیا تو یہ لمحہ اعتکاف کا گزرا۔ ملاحظہ ہو

(i) شامی ج ۳ ص ۴۳۱　　(ii) عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۱

(iii) نورالایضاح ص ۱۳۵

## سنت اعتکاف کے آداب اور شرائط

رمضان شریف کی بیسویں تاریخ کو مغرب سے پہلے پہلے کسی جامع مسجد یا ایسی مسجد جہاں پنج وقتہ جماعت ہوتی ہو بیٹھ جانا۔ مسجد میں بیٹھتے ہی یہ شخص معتکف ہو گیا اب بجز ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہاں تک نماز جنازہ پڑھنے یا مریض کی عیادت کرنے بھی نہیں جا سکتا۔ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ معتکف کو بغیر شریک ہوئے ان اعمال کا اجر و ثواب ملتا ہے

## ضرورت شرعیہ کی مثال

مثلاً اگر معتکف کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے جہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی تو یہ معتکف قریبی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے جا سکتا ہے یہ ضرورت شرعیہ کہلاتی ہے

(ہدایہ ج۱ص۲۱۱،نورالایضاح ص۱۵۲)

## ضرورت طبعیہ کی مثال

مثلاً پیشاب اور قضائے حاجت وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر جانا ضروری ہے۔ضروری غسل وغیرہ کے لئے جا سکتا ہے لیکن نماز جمعہ کے غسل کیلئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے نہیں جا سکتا۔

(i)بدائع الصنائع ج۲ص۱۱۵ (ii)فتح القدیر ج۲ص۳۰۹

(iii)شامی ج۳ص۴۳۵ (iv)عالمگیری ج۱ص۲۱۲

اگر ان ضرورتوں کے علاوہ کوئی معتکف ایک سیکنڈ کے لئے بھی پاؤں مسجد سے باہر رکھے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔اگر خدانخواستہ کسی کا اعتکاف ٹوٹ گیا تو وہ اعتکاف جاری رکھے فقہی اصول کے مطابق وہ جا نہیں سکتا۔کیونکہ ایک اعتکاف ٹوٹنے سے اعتکاف کا ایک حصہ پورا ہوا مزید بیٹھنے سے دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے۔واضح رہے اعتکاف کی قضاء نہیں ہوتی۔

(i)ہدایہ ج۱ص۲۱۰ (ii)بدائع الصنائع ج۲ص۱۱۵

(iii)شامی ج۳ص۴۳۷ (iv)عالمگیری ج۱ص۲۱۲

معتکف اپنے زیادہ تر اوقات عبادات مثلاً تلاوت،نماز،درود،تسبیح یا دینی کتب کا مطالعہ اور تعلیم و تدریس میں گزارے۔امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ معتکف کے لئے دعا زیادہ مفید سمجھتے تھے۔واضح رہے کہ اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا یا بے ضرورت باتیں کرنا منع ہے۔





ذکر کر ذکر خدا اور ہے تذکیر عبث
جز کلام حق کے ہے ہر بات میں تقریر عبث

**مسئلہ** رمضان شریف کے آخری عشرے میں محلے کی مسجد میں کم از کم ایک آدمی کا اعتکاف کے لئے بیٹھنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔اگر کسی محلے میں خدانخواستہ کوئی نہ بیٹھا تو سب گناہگار ہوں گے۔زیادہ سے زیادہ آدمیوں کا اعتکاف کرنا اسلاف اور بزرگوں کی سنت اور خدائے رحیم کی بے پناہ رحمتوں کے نزول کا باعث ہے۔

**مسئلہ** خاتون اپنے گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے اس کو چاہئے کہ اپنے گھر کے اس حصے میں خلوت نشین ہو جائے جہاں وہ ہمیشہ نماز پڑھتی چلی آئی ہے۔اگر کوئی جگہ گھر میں مقرر نہیں ہے تو رمضان شریف میں اعتکاف کے لئے جگہ مقرر کر لے۔خواتین کے لئے مردوں کی نسبت اعتکاف میں زیادہ مراعات اور سہولتیں ہیں۔وہ اپنے معتکف (جاءِ اعتکاف) میں بیٹھے بیٹھے گھر کی دیگر خواتین سے کام وغیرہ بھی کرا سکتی ہے۔

(عالمگیری ج۱ص۲۱۱)

## تراویح کے مسائل

رمضان شریف میں روزانہ عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا سنت مئوکدہ ہے رسول اللہ ﷺ سے یہی ثابت ہے۔اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس

پراجماع ہے اسی طرح اہل سنت والجماعت کے چاروں آئمہ اور مجتہدین امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ بزرگ بھی بیس رکعت تراویح کے قائل ہیں لہٰذا صحابہ کرامؓ کے اجماع کے بعد مجتہدین کا اجماع بھی بیس رکعت تراویح پر ہو گیا اس لئے محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فما ذا بعد الحق الا الضلال) یعنی اتنے بڑے اجماع اور اتفاق صحابہؓ اور آئمہ کے بعد اختلاف کرنا حق تو نہیں ہاں گمراہی ہی ہو سکتی ہے۔

آٹھ رکعت اور بارہ رکعت تراویح کا تصور نا قابل اعتبار لوگوں کا ہے اور غیر شرعی اور غیر صحیح ہے تفصیلات کے لئے ابوبکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی بدائع الصنائع اور محقق ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدیر، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی البحر الرائق، اور شیخنا المحترم محدث العصر فقیہ الکبیر محقق بے نظیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی معارف السنن دیکھنے کی ہیں۔ تراویح میں میں ایک بار پورا قرآن سننا سنت ہے۔

(نور الایضاح ص ۹۸، طحطاوی ج ۱ ص ۴۱۴)

اگر فرضوں کی جماعت کسی کی فوت ہوئی تو ایسا شخص تراویح یا وتر با جماعت پڑھ سکتا ہے عوام میں جو مشہور ہے کہ جس کے فرض نماز جماعت سے ادا نہ ہو تو وہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا یہ صحیح نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو تراویح کی ایک رکعت بھی جماعت سے نہ ملے تو وہ وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا ہے۔

(طحطاوی ج ۱ ص ۴۱۲ امداد الفتاوی، ج ۱ ص ۳۲۹)

چار رکعت تراویح کے بعد ترویحہ کرنا یعنی کچھ دیر تک بیٹھنا مستحب ہے اس وقفہ میں تسبیحات پڑھی جا سکتی ہیں۔ ایک تسبیح (سبحان ذی الملک والملکوت) بھی لوگ





پڑھتے ہیں یہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کوہستانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ بعض محققین نے اس کی دلیل نہ ملنے کی وجہ سے اس کے بجائے اور تسبیحات کو پسند فرمایا ہے۔
رمضان شریف میں وتر با جماعت پڑھے جاتے ہیں اس لئے جماعت سے پڑھنا بہتر ہے بعض لوگ سال کے اور دنوں کی طرح رمضان شریف میں بھی وتر بجائے جماعت سے پڑھنے کے تہجد کے بعد پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ سال کے گیارہ مہینے تو وتر تہجد کے بعد یعنی رات کے بالکل آخری حصہ میں پڑھنا بہتر ہے مگر رمضان شریف میں چونکہ وتروں کی جماعت کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو کہ سال کے گیارہ مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا رمضان المبارک میں وتر تراویح کے بعد با جماعت پڑھنے چاہئے۔

## ایک ضروری وضاحت

لوگوں میں ایک رواج ہے کہ وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے ہیں اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ نہ پڑھے جائیں اس لئے کہ صحیحین کی صحیح ترین روایت میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اجعلوا اٰخر صلوتکم باللیل وترا" (بخاری ج ۱ ص ۱۳۶) یعنی رات کی آخری نماز وتر بناؤ۔ اسکے پیش نظر وتروں کے بعد دو رکعت پڑھنے کی روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں ہے امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں نے ایک مرتبہ پڑھی ہے آئندہ نہیں پڑھوں گا امام مالکؒ اس کو حرام سمجھتے تھے۔ ہماری فقہ کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

نورالایضاح سے ہدایہ اور فتح القدیر تک خلاصۃ الفتاوی، شامی، بزازیہ، عالمگیری اور قاضی خان تک تمام کتابوں میں اشراق کی دو رکعت، چاشت کی چار رکعات، ظہر سے پہلے کے نوافل ظہر کے بعد کے نوافل، عصر سے پہلے کے نوافل یا سنت، مغرب کے بعد کی چھ رکعات اوابین اور عشاء سے پہلے دو اور چار رکعات نفل عشاء کی نماز کے بعد چار نفل وتر اور تہجد کی دو رکعات، آٹھ رکعات سے بارہ رکعات تک سب کے تذکرے ملتے ہیں۔ مگر ان دو رکعت بعد الوتر کا کہیں ثبوت نہیں ہمارے شیخ محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق عالم اس سے منع فرماتے تھے ملاحظہ ہو

(شرح ابواب الوتر للبنوری ص۴۰ تا۱۴۱ص۹۲تا۹۳ کوثر النبی ص۳۴)

نوٹ: اس مسئلہ کی پوری تفصیل اور دلائل ہمارے رسالہ ''**احسن العطر فی تحقیق الرکعتین بعد الوتر**''، میں دیکھی جاسکتی ہے

# شبِ قدر

رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک رات ہے جو شبِ قدر کہلاتی ہے یہ رات بہت بڑی فضیلت کی ہے قرآن کریم میں سورہ قدر میں اللہ تعالیٰ نے اس رات کا ذکر فرمایا ہے کہ اس رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور مغرب ہوتے ہی نزول رحمت وسلامتی شروع ہو جاتی ہے اور صبح صادق تک یہ بارانِ رحمت رہتی ہے۔ شیخ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اور مولانا شاہ عبدالعزیز محدث





دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک طویل العمر (بڑی عمر والا شخص جو بہت عبادت کر چکا تھا) شخص کا ذکر آنحضرت ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑا رشک کیا کہ ہماری عمریں چھوٹی ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر اس امت کو نصیب فرمائی۔ (روح المعانی ذیل سورۃ القدر ج۳۰ وتفسیر فتح العزیز)

یہ رات رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں زیادہ متوقع ہے اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، انتیسویں، شب اور پھر ستائیسویں شب میں بہت زیادہ متوقع ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی حدیث جو صحیحین میں ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم شب قدر، رمضان شریف کے آخری دس راتوں میں اور پھر ستائیسویں میں ڈھونڈو۔ ان راتوں میں بڑی محنت سے عبادت کرنی چاہئے، نوافل وتلاوت، ذکر و درود، توبہ استغفار اور دعا میں خلوص دل سے مشغول رہے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت و فرصت نہ ہو تو جتنا ہو سکے جاگے۔ اور معمولات میں لگا رہے اگر خدانخواستہ کسی سے یہ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام کرے۔ حدیث میں ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہے۔ ان راتوں کو جلسوں، تقریروں اور ہنگامہ آرائیوں میں صرف کرنا حد درجہ بدبختی اور محرومی ہے۔ یہ رسمی تقریریں اور جلسے ہر رات ہو سکتے ہیں مگر شب قدر سال میں ایک مرتبہ آتی ہے۔ ترغیب اور نصیحت کے طور پر اگر اس رات سے متعلق کچھ کہا سنا جائے تو مضائقہ نہیں۔ یہ رات عبادت کی اور دعا کی ہے نہ کہ تقریروں اور شور وغل کی۔

نوٹ: کچھ لوگوں نے بعض اشتہارات کے ذریعے کچھ مخصوص عبادتیں لکھی ہیں مگر یہ

سب بے بنیاد اور بے سند باتیں ہیں اس رات کے اندر کوئی مخصوص عبادت شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے لہٰذا جس سے جتنا ہو سکے وہ کر لے مگر بدعات اور رسومات سے بچ کر رہے اس لئے کہ بدعتی کی نہ عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ دعا۔

(المدخل ج ۱ ص ۳۱۲، کتاب الاعتصام)

## صدقہ فطر

رمضان شریف کے اختتام پر بطور خوشی اور شکریہ کے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ایک صدقہ مقرر فرمایا ہے جسے صدقہ فطر کہتے ہیں۔صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے جبکہ وہ بقدر نصاب مال کا مالک بن جائے صدقہ فطر کے مال نصاب پر سال بھر گزرنا بھی شرط نہیں بلکہ اسی روز نصاب کا مالک ہوا ہو تو بھی صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: ہر شخص مالک نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر دینا واجب ہے۔لیکن نابالغوں کا اگر اپنا مال ہو تو ان کے مال میں سے ادا کرے۔

مسئلہ: عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی یہ صدقہ واجب ہو جاتا ہے۔عید کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے ادا کرنا بہتر ہے اور نماز کے بعد ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے۔لیکن بغیر وجہ کے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: صدقہ فطر واجب ہے لہٰذا ادا کرنا ہی ہے جب تک ادا نہیں کیا ہو یہ ذمے پر قضاء رہے گا۔ (شامی ج ۳ ص ۳۱۲، عالمگیری ج ۱ ص ۱۹۲)

مسئلہ : صدقہ فطر میں ہر قسم کا غلہ اور قیمت دینا جائز ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے اگر گیہوں یا





اس کا آٹا دے تو فی آدمی پونے دو سیر دینا چاہئے۔جس کی قیمت اسی وقت لگائی جا سکتی ہے

مسئلہ: صدقہ فطر عید سے پہلے بھی اور رمضان سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر محتاجوں کی ضرورت پیش نظر ہو تو عید سے پہلے دینا افضل ہے تاکہ وہ اپنے حوائج پورے کر سکیں۔

(شامی ج ۳ ص ۳۲۲)

مسئلہ: زکواۃ کے مصارف، صدقۃ الفطر کے مصارف ہیں۔یعنی جن لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے گی وہی لوگ فطرانہ لے سکتے ہیں۔اس دور میں متعارف مدارس دینیہ عربیہ کو دینا زیادہ اجر کا باعث ہے۔کہ اسطرح ان کی حاجت بھی پوری ہو جاتی ہے اور دین کی نصرت بھی۔

## نمازِ عیدالفطر کا طریقہ

عیدالفطر کی نماز واجب ہے اور یہ دو رکعت پڑھی جاتی ہیں اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے نیت اس طرح کریں کہ میں عیدالفطر کی واجب نماز مع چھ زائد تکبیروں کے اس امام کے پیچھے پڑھتا ہوں پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور ثناء پڑھیں۔پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے ”اللہ اکبر“ کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دیں پھر دوسری بار ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دیں۔پھر تیسری بار ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لیں۔اب امام قرأت کرے اور مقتدی خاموش کھڑے ہو جائیں۔یہ رکعت یوں پوری ہو جائے گی، دوسری رکعت کے لئے جب کھڑے ہوں اور قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں پھر دوسری بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں پھر تیسری بار تکبیر کہیں اور ہاتھ چھوڑ دیں۔پھر بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع

میں جائیں اور قاعدے کے موافق نماز پوری کریں۔ پھر امام کھڑے ہو کر خطبہ پڑھے اور تمام لوگ خاموش بیٹھ کر سنیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ





# دعا خطبۂ عید کے بعد ہی مناسب ہے

اس مضمون کے بارے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ اپنی گرامی قدر رائے کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

مکرم ومحترم مولانا زرولی خان صاحب کی تحریر پڑھی بعد خطبہ دعا مانگنا حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق کے مطابق زیادہ بہتر ہے (کفایت المفتی ج۳ ص۲۵۲) حضرت محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً پندرہ سال پہلے ایک بار راقم کی موجودگی میں نماز عید پڑھائی اور خطبہ عید کے بعد فرمایا رسول اکرم ﷺ سے خصوصی طور پر دعا تو ثابت نہیں البتہ مسلمانوں کا اجتماع ہے اور ایسے موقعوں پر اقرب الی الاجابت ہے اس لیے دعا کرلیں اور مختصر سی جامع دعا فرمائی اور حاضرین کو عید مبارک دی۔

واللہ تعالیٰ اعلم





## بحوالہ ماہنامہ بینات شمارہ بابت رمضان وشوال ۱۴۰۴ھ

''**ماهنامه البلاغ** '' کراچی بابت رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ میں مولانا عبدالرؤف صاحب سکھروی کا ایک تحقیقی مقالہ بعنوان ''منکراتِ عید'' شائع ہوا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ ''نمازِ عید کے بعد اور خطبہ سے پہلے ہی اجتماعی دعا سنت اور مستحب ہے'' چونکہ قواعد شرعیہ اور حقائق اس کے خلاف ہیں، اس لئے آئندہ صفحات میں ہم اکابر محققین کی تصریحات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں گے۔

محققین کی تصریح کے مطابق عیدین کی نمازیں ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی تھیں، البحر الرائق میں ہے کہ

**''وکانت صلوٰۃ عید الفطر فی السنة الاولیٰ من الهجرة کما رواه ابوداؤد مسنداً الیٰ انس رضی الله عنه قال قدم رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم المدینة ولهم یومان یلعبون فیهما فقال ما هذان الیومان قالوا کنا نلعب فیهما فی الجاهلیة فقال رسول الله صلیٰ الله علیه وسلم ان الله ابدلکم منهما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر** (البحر الرائق ج ۱ ص۱۷۰)

محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

'' **وقد صلوٰۃ العیدین تسع سنین** '' (معارف السنن ج۴ ص۴۲۹)

نبی کریم ﷺ نماز کے فوراً بعد خطبہ کیلئے کھڑے ہوجاتے تھے یہی عمل صحابہ کرام

رضوان اللہ علیہم اجمعین، مجتہدین اور علماء امت کا رہا ہے جس کی تائید "کتاب العیدین" میں متعلقہ احادیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے۔ نمازِ عید اور خطبہ کے دوران فصل و تاخیر کبھی بھی برداشت نہیں کی گئی، ہماری کوتاہ نظر میں صراحتاً تو درکنار اشارتاً اور کنایتاً بھی نمازِ عید اور خطبہ کے دوران کسی قسم کی فصل اور تاخیر ثابت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نمازِ عید پڑھانے کے فوراً بعد خطبہ دیتے تھے آپ ﷺ کا خطبہ مسلمانوں کے تمام مصالح پر مشتمل ہوتا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جو کہ

(۱) بخاری ج ا ص ۱۳۴ (۲) مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۵

میں موجود ہے، احادیث میں مسلمانوں کی دعا کا تذکرہ بھی موجود ہے اور اس دعا کے بارے میں محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز کے بعد نہیں ہوتی تھی۔ امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

**"و یدعون بدعائهم للمؤمنین فی خلال الخطبه لانه لم یثبت عنه ﷺ بعد صلوٰة العیدین دعاء"** (فیض الباری ج ۲ ص ۳۶۲)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے خطبہ سے پہلے اور نماز کے بعد کوئی دعا ثابت نہیں بلکہ نماز کے بعد آپ ﷺ خطبہ ہی دیتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خطبہ اور نماز کے درمیان دعا کو ایک اجنبی چیز سمجھتے ہوئے رد فرماتے ہیں جیسا کہ علماء کرام نے نماز عید کے بعد خطبہ میں وعظ و نصیحت کو نامناسب سمجھتے ہوئے نماز سے قبل کی فرصت میں مناسب جانا بالکل اسی طرح دعا کو بھی خطبہ عید کے بعد مناسب اور مستحسن سمجھا کیونکہ عید کے مسنون اور واجب اعمال نماز اور خطبہ ہیں۔ لہذا





مستحسنات (وعظ یا دعا وغیرہ) سے مقصودی اعمال کو متاثر نہ ہونے دیا جائے اور فقہاء کے یہاں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر اجتماع خیر کے اختتام پر دعا اقرب الی الاجابت یعنی قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ **غایة المواعظ** میں ہے

**"عند کل ختمة دعوة مستجابة** (ج ۲ ص ۲۲۸)

اور خطبہ کے بغیر صرف نماز عید سے عمل مکمل نہیں ہوتا بلکہ خطبہ دراصل عید کیلئے ایک مستقل سنت اور واجب کا درجہ رکھتا ہے ملاحظہ ہو

(۱) نہایہ فی شرح الہدایہ ج ۲ ص ۸۷۵ (۲) مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۱۳۰

نیز فقہاء کرام نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ نماز کے بعد سنن مؤکدہ کو غیر مؤکدہ اعمال سے مؤخر نہ کیا جائے بلکہ وہ اوراد و وظائف جو احادیث میں بعد المکتوبات مذکور ہیں وہ بھی سنن مئوکدہ کے بعد کیے جائیں کیونکہ سنن فرائض کیلئے مکملات اور متممات ہیں ملاحظہ ہو۔

(۱) مبسوط سرخسی ج ا ص ۳۸ (۲) فتح القدیر ج ا ص ۳۸۴

(۳) البحر الرائق ج ۲ ص ۵۳

محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ اختلاف بھی نقل کیا ہے کہ اگر سنتوں کو مؤخر کیا گیا تو فقہاء کے ایک قول کے مطابق تاخیر سے سنت ختم ہو جائے گی اور وہ نفل پڑھی جائیں گی اس قول کے مطابق خطبہ مسنون کو دعا سے مؤخر کرنے میں سنت کا فاسد ہونا لازم آتا ہے دوسرے قول کے مطابق تاخیر سے اگرچہ سنت ختم نہیں ہوگی مگر خلاف سنت ہونا لازم آتا ہے اس لئے علامہ ابن الھمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

**"فینبغی استنان تاخیره عن السنة البتة"** (فتح القدیر ج ا ص ۳۸۴)

یعنی مناسب یہی ہے کہ اوراد وتسبیحات سنت سے مؤخر کیے جائیں اس قول کو
ترجیح دی گئی ہے اور اس کے مطابق خطبہ سے قبل دعا میں مشغول ہونے سے خطبہ خلاف
سنت ہو جاتا ہے بہت سارے فقہاء کرام نے (جن نمازوں کے بعد سنن ہوں) سنتوں
سے قبل کسی اور چیز میں مشغول ہونے کو مکروہ اور خلاف اولیٰ لکھا ہے ملاحظہ ہو

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۱۰۵ (۲) بزازیہ علی الہندیہ ج۴ ص۳۸۰

(۳) المدخل ج۲ ص۳۰۳

ان تمام گزارشات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نماز عید کے بعد خطبہ کو مؤخر کرنا
خلاف سنت اور نامناسب ہے خطبہ کو مسنون طریقے پر نماز عید کے بعد ہی رکھا جائے اور
خطبہ پر چونکہ اعمال عید مکمل ہو جاتے ہیں اسلئے اختتام عمل خیر اور اجتماع مسلمین کے وقت
دعاء ثابت اور مستجاب ہے۔ اسلئے بعد از خطبہ دعا کرنا مناسب ہے جس میں کوئی خرابی نہیں
حافظ ابن حجرؒ کی ایک عبارت سے بھی استنباط کے طور پر اس دعاء کا جواز
اور استحسان معلوم ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"ویحتمل ان یوجد بان الدعاء بعد صلوٰۃ العید یؤخذ حکمہ من جواز
اللعب بعدھا بطریق الاولی" (فتح الباری ج۲ ص۳۷۱)

خلاصہ یہ کہ نماز عید اور خطبہ سے فارغ ہونے پر چونکہ شریعت میں جائز خوشی کرنا
ثابت ہے تو اختتام پر دعا زیادہ مناسب ہے اس عبارت کا وہ مطلب بھی درست ہے کہ بعد
الفراغت عید مبارک کے وقت جو دعا دی جاتی ہے کیونکہ یہ سب دعائیں نماز عید اور خطبے
سے فراغت پر ہیں۔ یہ ساری گفتگو ان نمازوں کے بارے میں ہے جن کے بعد سنن ہوں





چونکہ فجر اور عصر کے بعد سنت نہیں اسلئے ان کے بعد تفصیلی اوراد وتسبیحات میں بھی اختلاف
نہیں اس تحقیق کے بعد یہ کہنا کہ خطبہ جمعہ کے بعد بھی تو دعا نہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ خطبہ
جمعہ کے بعد نماز جمعہ باقی ہے شاید یہاں کسی کو اشکال بھی ہو کہ پھر تو فرائض کے بعد والی
دعاء (جیسا کہ اہل حق کی مساجد میں ہوتا ہے) بھی سنن کے بعد مناسب ہے اس کے دو
جواب عرض کیے جاتے ہیں۔

اول تو یہ کہ شریعت میں فرض نمازوں کے بعد سنن کیلئے جگہ بدلنے بلکہ گھروں
میں پڑھنے کو افضل فرمایا ہے ملاحظہ ہو (بدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۹،۱۶۰)

گویا فرائض کے بعد کوئی ایسا عمل باقی نہیں ہے جس کیلئے لوگوں کا رکنا ضروری ہو
مگر نماز عید کے بعد خطبے کیلئے ٹھہرنا اور خطبے کو دل جمعی سے سننا ضروری ہے بلکہ خطبہ سننا
واجب ہے (معارف السنن ج۴ ص۳۶۶)

دوم اگر سب لوگ سنت مسجد میں پڑھیں اور اختتام پر اجتماعی دعاء ہو جائے تو یہ
اگرچہ اباحت کے درجے میں شامل ہوسکتی ہے۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۴)

مگر یہ چونکہ اہل بدعت کا شعار اور انکے فرقے کی پہچان بن چکا ہے اسلئے اس
کا نہ کرنا ہی مناسب ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"وفیہ اشارۃ الیٰ ان کل سنۃ تکون شعار اہل بدعۃ ترکھا اولی"

(مرقاۃ ج۴ ص۶۱۳)

یعنی جو چیز اہل بدعت کا شعار اور علامت بن جائے اس کا نہ کرنا بہتر ہے یہی حال
نماز جنازہ کے بعد کی دعا کا ہے کیونکہ تدفین جیسے اہم کام میں تاخیر کے علاوہ یہ اہل بدعت کا

شعار بھی بن چکا ہے لہذا نہ کرنا بہتر واقرب ہے بعض حضرات کی طرف کچھ ایسے فتاویٰ منسوب ہیں جن سے خطبے کے بعد دعاء کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اس سلسلے میں چند باتیں عرض ہیں :

(۱) یہ حضرات بقدر **اللھم انت السلام الخ** جو قائم مقام ذکر کے ہے دعاء کرتے ہونگے کیونکہ تفصیلی دعائیں نہ احادیث سے ثابت ہیں اور نہ فقہاء نے پسند فرمائی ہیں محدث العصر استاذ مکرم حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں

**واکثر ما جائت الادعية بعد المكتوبة فهى علىٰ شانالاذكار لا سوال الحاجات** (معارف السنن ج۳ص۱۲۴)

یعنی یہ دعائیں اذکار کی شکل میں تھیں مستقل حاجات مانگنے کی تفصیلی نہ تھیں۔ ذکر مختصر یا دعاء بمقدار **اللھم انت السلام الخ** میں اختلاف نہیں۔مگر چونکہ دعا بھی ذکر کی ایک قسم ہے اس لئے عرف میں آدابِ دعا کے طور پہ ہاتھ بھی اٹھائے جاتے ہیں ،امام سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

**الثناء الىٰ الكريم دعاء لانه يعرف حاجته**

(ارشادالساری الی مناسک القاری ص۱۳۶)

یعنی اللہ کریم کی ثناء بھی دعا ہے۔کیونکہ وہ بندوں کی حاجت جانتے ہیں۔نمازِ عید کے بعد تاخیر خطبہ کی وجہ سے دعا کا رد امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صراحتاً اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اشارتاً فرما چکے ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

(۲) خود ان بزرگوں سے بھی خطبۂ عید کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت مولانا





اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں عیدین کی نماز کے بیان میں لکھتے ہیں ’’مسئلہ نمبر۴ : بعد نماز عیدین کے یا خطبہ کے دعا مانگنا‘‘ اورآگے حضرت نے اس کا اثبات فرمایا ہے۔ (بہشتی زیور مکمل ص۳۴۷)

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی خطبہ کے بعد دعا کرنا ناجائز نہیں بلکہ یہ بھی نماز کے بعد دعا کے حکم میں ہے۔

## فائدہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت چونکہ مسلمہ آئمہ تحقیق کے مطابق ہے اس لئے ہمارے نزدیک یہی فیصل ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے پیش نظر خطبے کے بعد دعاء کو خلاف سنت اور منکر کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔چنانچہ بعض حضرات نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیق کے پیش نظر دعاء بعد الخطبہ کو جائز اور بہتر کہا ہے جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک استفتاء میں یہ سوال ہوا کہ صلوٰۃ العیدین اور انکے خطبے کے بعد دعاء مانگنا بہتر ہے یا نہ مانگنا سلف کا کیا معمول ہے ؟ تو انہوں نے لکھا

الجواب : ’’احادیث سے دعاء کا اثبات ہوتا ہے مگر ضروری نہیں بہتر یہ ہے کہ دعاء کرلیا کریں اجتماع مسلمین کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے ‘‘ ۴ ذی الحجہ

( امدادالاحکام ج۱ص۶۵۵،۶۵۴ )

چونکہ بعض حضرات نے مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کو

بالکل بدل دیا ہے اس لئے ہم نے سوال اور جواب باللفظ نقل کر دیا۔ حضرت مولانا سے سوال میں خطبہ عید کے بعد کی دعاء پوچھی گئی تھی اس لئے مولانا کا جواب بھی خطبہ کے بعد کی دعاء کا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی خطبے کے بعد دعاء کو تسلیم کرتے ہیں اور خطبے کے بعد دعاء کو نماز کے بعد کے حکم میں داخل سمجھتے ہیں نیز نماز عید اور خطبے کے درمیان فصل وتاخیر کو ناپسند فرماتے ہیں ملاحظہ ہو :

## عید الفطر کے بعد دعا مانگنا

ان حدیثوں سے استدلال میں کلام ہے اور **استحباب الدعاء بعد الصلوات** کے کلیہ میں ادخال بھی بایں وجہ مخدوش ہے کہ نماز عید کے بعد متصل بلا فصل خطبہ ہے۔ علاوہ ازیں خطبہ بھی دعاء ہی ہے مزید بریں نماز عید کے بعد دعاء میں مندرجہ ذیل بدعات بھی شامل کر دی گئی ہیں

(۱) دعاء کا التزام، اور تارک پر نکیر شدید اس سے تو امر مستحب بھی واجب الترک ہو جاتا ہے۔

(۲) رفع الیدین کا التزام، دعاء بعد النوافل میں استحباب رفع الیدین متفق علیہ ہے اور دعاء بعد الفرائض میں مختلف فیہ، عدم ثبوت راجح ہے جس کی تفصیل تتمہ احسن الفتاویٰ میں ہے نماز عید بحکم فرائض ہے۔

(۳) جہر اور اس کا ایسا التزام کہ اسے کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔





(۴) اجتماعیت اور اسکا التزام نمبر (۳) سے بھی زیادہ۔

(۵) اتمام بالامام اور اسکا التزام۔ اس پر شدت بھی اوپر کے نمبروں سے کم نہیں وجوہ مذکورہ کی بناء پر اس رسمی دعاء سے احتراز لازم ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹؍رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ

(احسن الفتاویٰ جدید ج۴ ص ۱۲۵)

# پیغامِ مسرت

چند سال قبل اہل محلّہ کے کچھ بزرگ حضرات نے مختلف دارالافتاؤں سے اس مسئلہ کے بارے میں فتاویٰ حاصل کیے کہ مسجد میں درس وتدریس کی آواز لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مسجد سے باہر جانا ٹھیک نہیں ہے۔قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے ۔حضرت الشیخ نے اُس زمانے میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر اس مسئلہ کی مکمل تحقیق فرمائی اور اس بات کو ثابت کیا کہ مسجد میں ہونے والے درس وتدریس اور تقاریر کی آواز مسجد سے باہر جانا درست اور صحیح ہے۔حضرت الشیخ کی اس تحقیق پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ بھی لکھی جس کا عکس اگلے صفحے پر موجود ہے۔(محمد ہمایوں مغل)





## فہرست

فقیہ العصر محدث اعظم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا
مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا زرولی خان صاحب مہتمم جامعہ عربیہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی کا تحریر فرمودہ رسالہ ''پیغام مسرت''، جس میں ایک شرعی مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں عصر کی نماز کے بعد دیکھا ماشاء اللہ رسالہ خوب ہے اور حدیث وفقہ کے ادلہ سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو نافع بنائے اور طالبانِ حق کو اس سے روشنی عطا فرمائے۔ آمین





# الانتساب

یہ فقیر اس مختصر رسالہ کی نسبت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرتے ہوئے سعادت حاصل کرتا ہے، جو شریعت وطریقت کے جامع اور امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کی ان قابلِ قدر ہستیوں میں سے تھے، جن کے علمی اور عملی کارناموں پر امت مرحومہ بجا طور پر فخر کرسکتی ہے اور جن کے ساتھ حسنِ عقیدت کی برکت سے ہم جیسے ناکاراؤں کو اولیاء اللہ اور اولیاء دنیا میں فرق کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔

﴿ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا ﴾

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الحمد للہ رب العٰلمین و صلی اللہ تعالیٰ و سلامه علی نبیہٖ محمد رحمة للعٰلمین و علی اٰلہٖ و اصحابه بجوم الھدبته والدین و من بھدیھم اقتداء من سائر العٰلمین الیٰ یوم الدین.**

امابعد! جب سے حق تعالیٰ شانہٗ نے نوع انسان کو پیدا فرمایا ہے اوران کی ہدایت وارشاد کے لئے حضرات انبیاء ورُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کومبعوث فرمایا ہے، اُس وقت سے مخلوق کو خالق سے جوڑنے کے لئے اوراس انسان کو فکرِ آخرت سے آشنا کرنے کے لئے منصب تبلیغ کو نفع رسانی کا عظیم ذریعہ قرار دے دیا۔ ہر دور اور ہر زمانے میں حق تعالیٰ شانہٗ کے انبیاء ومرسلین نے اوران کے متبعین صالحین نے یہ فرض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے ادا فرمایا ہے، مگر تمام انبیاء کے خاتم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف فرما ہوئے اور آپ کو کل کائنات کا رسُول اعظم اور نبی مکرم بنا کر یہ اعزاز بخشا۔ یَـــا اَیُّھَـا النَّـاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. (اعراف آیت ۱۵۸) اورجیسا کہ صحیح البخاری اور صحیح المسلم کی حدیث میں آپ نے اپنے اور امت کے اوپر حق تعالیٰ شانہٗ کے مخصوص احسانات کو گنتے ہوئے اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا:





**وَکان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة**

(بخاری ج ا ص ۴۸)

قرآنی آیت اور حدیث صحیح سے آپ ﷺ کے منصب کا اور اس کے ساتھ آپ کے پیغام کا پوری کائنات کے لئے عام ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ جل ذکرہٗ نے آپ ﷺ کی دعوت حقہ کو شرفِ عموم دیتے ہوئے فرمایا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ط وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه ط وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مائدہ آیت ۶۷)

اسی طرح

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ o فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ o ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

(سورۂ قیٰمۃ آیت ۱۷ تا ۱۹)

بلکہ حضرت اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ چونکہ قرآن مجید کا مقدمہ اورتفسیر مفصل ہے اس لئے اس کے عام کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ وعدہ فرمایا تھا، ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' کہ ہم آپ کے ذکرخیر کو بلند کریں گے۔ ان نصوص قطعیہ کے پیشِ نظر قرآن پاک کے احکام کو اور آنحضرت ﷺ کے مقام اور پروگرام کا پورے کائنات کو پہنچانے کی جو بشارتیں اور وعدے ذکر ہوئے ہیں ان کی روشنی میں امت مرحومہ کو یہ عظیم فریضہ سونپا گیا کہ وہ اس امانت خداوندی کو ہمہ زندگی اہلیان عالم ناسوت کو پہنچانے کی سعی فرمائیں۔ الحمدللہ امت محمدیہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہٗ کے دین حقہ کا صحیح داعی بنی ہے اور اس دعوت کے سلسلے میں جو تدابیر اختیار کی گئیں، خواہ وہ درس وتدریس ہو یا تعلیم وتلقین ہو، یا

دعوت وتبلیغ ہو، حقیقت میں یہ فرائض منصبی سے عہدہ برآں ہونے کے اسباب ہیں، جو حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا جوئی کے لئے ستعال کئے جاتے ہیں اور چونکہ دین درجہ رکھتے ہیں۔

کمالا یخفی علی من له اطلاع باصول الدین

دعوت جب سب کے لئے ہوتو راستہ بھی وہی اختیار کیا جاتا ہے جس سے اللہ کی مخلوق مستفید ہو سکے۔ جب دنیا میں ایسا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا جو تذکیر وموعظت کو دور تک پہنچا سکے۔

توحق تعالیٰ جل شانہ نے ہر قوم اور ہر خطے کے تقاضے کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور ان پیغمبروں کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ ان کی وہ قدسی آواز کسی ایک مجلس ومحفل یا چند افراد تک محدود نہ رہی، بلکہ بہت دور تک سنائی دی گئی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں سند جید کے ساتھ موجود ہے کہ جب آپ تعمیر خانہ کعبہ سے فارغ ہوئے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو حکم دیا کہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر یا جبل ابی قبیس پر سے میری مخلوق کو حج کی دعوت دیں، حضرت نے فرمایا، یا رب وما یبلغ صوتی، قال اذن و علی البلاغ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خدا اپنے بساط کے مطابق اوپر چڑھ کر آوز لگائی تو حدیث صحیح میں وارد ہے، فاجابوہ بالتلبیته فی اصلاب الرجال و ارحام النساءِ غور کرنے کا مقام ہے کہ خدائی پیغام کسی خاص مجلس یا افراد تک محدود نہ تھی، بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو سنانا ضروری تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اوپر چڑھنا اور کانوں میں انگلیاں ٹھونسنا آپ کی اس وقت کی کوشش تھی، جو بعد میں آواز دور تک پہنچانے والے آلہ کے جواز اور ضرورت کی دلیل ہے۔ یہ واقعہ





محدث ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، اور امام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے بھی یہ اعلان فرمایا تھا

لیبلغ الشاھد الغائب فا ن الشاھد عسی ان یبلغ من ھوا وعیٰ له منه

(بخاری ج ا ص ۱۶)

کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں، جو غیر موجود ہیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کی آواز دور تک پہنچتی تھی، چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی نے اس پر باب قائم کیا ہے۔

باب الآیاۃ صوته ﷺ و بلوغه حیث لا یبلغه صوت غیره

(خصائص کبریٰ ج ا ص ٦٦)

امام بیہقیؒ نے آپ ﷺ کے معجزات میں سے اسے شمار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو۔

دلائل النبوۃ ج ٦ ص ٢٥٦، ۲۵۷ علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مرقاۃ ج ۲ ص ۲۹۲، چونکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا۔ کہ آپ ﷺ کی آواز دور دور تک پھیلتی تھی۔ جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو غنم میں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر پر اور دیگر متعدد صحابہ کرامؓ نے بازاروں میں اور خواتین نے گھروں میں بار ہا سنا ہے، جس کی تفصیل آنے والی ہے۔ علماء اسلام نے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ جو کام پیغمبر کو بطور معجزہ کے آسان ہوا ہو (بشرطیکہ مخصوصات

کے قبیل میں سے نہ ہو) وہ امت کے ولی کو بطور کرامت کے، اور دیگر لوگوں کو سبب و مادہ سے حاصل ہوسکتا ہے، ملاحظہ ہو، موافقات شیخ شاطبی کی، اور فیض الباری شرح بخاری، امام العصر مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی زمانہ حاضر میں لاؤڈ اسپیکر کا ایجاد ہونا اس قبیل میں سے ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر، علماء کرام نے اس کے استعمال کو دین کے لئے جائز اور مطلوب مانا، ملاحظہ ہو، آلات جدیدہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بو ادر النوادر، حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال زمانہ حاضر میں دین پہنچانے کا بہت ہی موثر اور فائدہ مند ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً پورے عالم میں حتیٰ کہ حرمین شریفین اور دیگر ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کے یہاں اس کا استعمال عام ہے، جس سے احکام دین اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دور تک پہنچانا کافی سہل ہو چکا ہے، اس وقت تقریباً اس مسئلہ پر اجماع امت ہو چکا ہے، عرب وعجم کے علماء راسخین، اولیاء ربانیین کی تلاوت اور قرأت اذان وتقریر، خطبہ و نماز، درس اور بیان، اس کے ذریعے نشر ہوتے رہتے ہیں، جس سے اہلِ ایمان خوب فائدے اٹھا رہے ہیں، اس واسطے اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ تھی، مگر ہمیں حیرت ہے کہ زمانہ حاضر میں بعض تحریرات ایسی نظر سے گزریں جن میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تلاوت وقرأت، یا وعظ اور بیان کو مسجد یا کسی اور محفل میں باہر والوں کے لئے غیر شرعی اقدام بتایا ہے۔

نصوص دین کی روشنی میں یہ تقلید یا محض خودساختہ شرائط غلط اور الفاظ صحیفہ مقاصد





نبوت سے ناشناسائی پر مبنی معلوم ہوئی۔ اس لئے ہم نے خالصتاً لوجہ اللہ الکریم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم کے صحیح موقف کو عامۂ مومنین اور خواصِ دین کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ امید ہے کہ جن کا مقصد دین ہوا اور وہ واقعی اہل حق سے وابستگی رکھتے ہیں وہ اس سلسلے میں حق سامنے آنے کے بعد باطل پر ڈٹنے کی ضد نہیں کریں گے اور جو اہل باطل ہیں، جن کا پروگرام ہی يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ہے۔ انکے شر اور فساد سے ہمارے مسلمان بھائی آسانی سے بچ سکیں گے، وباللہ التوفیق ذیل میں ان لوگوں کے مغالطوں کا خلاصہ عرض کیا جاتا ہے جو لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو ایک محدود محفل اور تعداد کے علاوہ باہر کے لوگوں کے لئے باعث مضر سمجھتے ہیں۔

(۱) مائک کی آواز صرف اور صرف محفل ہی میں محدود رکھی جائے، جہاں سننے کے لئے لوگ حاضر ہو، جلسے کے باہر دور کی دوکانوں، گھروں اور دوسرے مختلف مقامات یا مشاغل میں مصروف ومبتلا لوگوں کو، اور مصلین اور نائمین کو یا بیماروں کو لاؤڈ اسپیکر کی آواز سے پریشانی لاحق ہوتی ہے، آگے ان کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا باہر جانا ہی (معاذ اللہ) مسلمانوں کے سکون وراحت میں خلل ڈالنے کا سبب ہے، خواہ وہ تلاوتِ قرآن ہو، یا نماز کی قرأت ہو، یا تقریر اور درس کی آواز ہو۔

ذیل میں ہم نے ان تمام وجوہ کو جناب نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ اور سلف صالحین کے اعمال کی روشنی میں غلط ثابت کرنا ہے، اور یہ بتانا ہے کہ اس قسم کے شبہات اور وساوس کا دلائل دین کی روشنی میں کوئی وزن وحیثیت نہیں ہے۔ علماء امت کا اس بات پر

اجماع ہو چکا ہے کہ تبلیغ دین کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال دلائل شرعیہ کی روشنی میں صرف جائز ہی نہیں، بلکہ مرغوب اور بعض اوقات تقاضہ دین کے پیش نظر وقت کے اہم ضروریات میں سے ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعظ وتقریر، درس وتدریس وغیرہ میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ضرورت ومشروعیت پر تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ذرائع عبادت کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے، اُن کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع لازم ومقرر نہیں، ان میں کمی بیشی بھی کوئی جرم نہیں، جبکہ اصل عبادت میں کمی بیشی نہ ہو، اوران میں ضروریات زمانہ واختلاف مقام کی وجہ سے تغیر وتبدل بھی کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ تغیر خود کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہو۔ (آلات جدیدہ ص ۱۸)

جب لاؤڈ اسپیکر دینی نشر واشاعت اور اسلامی احکام واقدار کی تبلیغی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے ایک مستحسن ذریعہ ثابت ہوا، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم ومغفور کی تحقیق بالا سے واضح ہوا اور مسجد کے اندر یا موجود افراد کے لئے اس کا استعمال تو سب کے ہاں معمول ہے۔ حالانکہ جب یہ ضرورت بھی بعض اکابر اور اجلہ علماء پر واضح نہ تھی تو لاؤڈ اسپیکر کے وجود کو بھی آداب مسجد کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی ایک سابقہ تحریر ملاحظہ ہو۔ کیونکہ اس آلہ (لاؤڈ اسپیکر) کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا، جو کہ اس کے احترام کے خلاف ہے، نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ ملاحظہ ہو (بوادر النوادر ص ۴۹۳ سطر نمبر ۵)

یہ صرف ضرورت واضح نہ ہونے کی وجہ تھی یا اس آلہ کے بارے میں ماہرین فن کی اطلاعات کی کوتاہی تھی ورنہ حضرت تھانویؒ کی دِقتِ نظر اور تفقہ راسخ ہندوستان کے علماء





میں مسلمہ حیثیت رکھتی ہے، اب جبکہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال تقاضہ وقت ثابت ہوا اور اس کا استعمال مسجد وخانقاہ وغیرہ میں بھی مندوب ومستحسن ٹھہرا تو اب اس کے استعمال کو باوجود مسلمانوں کی عظیم دینی ضرورتوں کے مسجدوں کی حد تک یا صرف محدود سامعین تک مقید سمجھنا دلائل شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے صریح خلاف ہے، جو بطور خلاصہ کے حضرت مفتی صاحب کی تحقیق سے واضح ہوا ہے، اور پھر تعامل امت کا وجود جس کے تحت تمام دینی تقریبات میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے صرف پاس بیٹھنے والے نہیں، بلکہ دور دور تک مسلمان مستفید ہوتے ہیں۔ صدہا صلحاء واجلہ فقہاء کی تقاریر، مواعظ اور درس وغیرہ پورے پورے محلوں میں بستیوں میں اور شہروں میں سنے گئے ہیں اور آج تک یہی طریقہ ہے بلکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تفسیر معارف القرآن لکھنے کا سبب ہی یہ بنا کہ حضرت مفتی صاحب کا درس ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر نیرنگئ تقدیر سے اس کے اسباب اس طرح شروع ہوئے کہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ نشر ہونے والے درس قرآن سے متعلق مجھ سے فرمائش کی گئی، مزید فرماتے ہیں کہ پھر انہوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی، کہ روزانہ درس کے سلسلے سے الگ ایک ہفتہ وار درس بنام ''معارف القرآن' جاری کیا جائے، جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیشِ نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے ان کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان ہوا کریں، احقر نے اس کو اس شرط کے ساتھ منظور کرلیا کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا، جو میرے نزدیک درس قرآن کے مناسب نہ ہو۔ یہ شرط منظور کرلی گئی، بنام خداوندی یہ

درس بنام ''معارف القرآن'' ۳ شوال ۱۳۸۳ھ ۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۶۳،۶۴)

غور کرنے کا مقام ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز تو زیادہ سے زیادہ ایک دو محلوں تک پہنچ سکتی ہے، مگر ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والا درس تو چار دانگ عالم میں سنائی دیتا تھا۔ اہل فکر کے لئے ایک ہی واقعہ خود عظیم الشان دلیل ہے کیونکہ اس میں بھی مجلس کی کوئی قید نہیں ہوتی، بلکہ مجلس تو ہوتی نہیں، پھر (معاذ اللہ) یہ کہنا کہ ایک مخصوص مجلس سے آواز کا باہر ہونا خلاف دین ہے، یا بعضوں کے یہاں نیکی ہی نہیں، بلکہ اذیت ہے۔ کس قدر دلیری اور روح علم کے خلاف جرأت و بے باکی ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ اس درس کے سلسلہ میں دور دراز کے مسلمانوں کے استفادہ اور دینی تشکروں کا ذکر کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں جب یہاں درس نشر ہونا شروع ہوا، تو پاکستان کے سب علاقوں سے، اور اُن سے زیادہ غیر ممالک، افریقہ، یورپ وغیرہ میں سننے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود احقر کو وصول ہوئے، جن سے معلوم ہوا کہ بہت سے دیندار اور نو تعلیم یافتہ مسلمان اس درس سے بہت شغف رکھتے ہیں افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت پہنچتا تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا اہتمام کیا، ملاحظہ ہو۔

(معارف القرآن ج ۱ ص ۶۴)





## ایک اور شبہ اور اس کی وضاحت

شاید کسی کو یہ شبہ پیدا ہو، کہ لاؤڈ اسپیکر اور ریڈیو کے نشر میں فرق ہے۔

اولاً تو یہ عرض ہے کہ محفل اور چار دیواری کا ختم ہونا دونوں میں قدر مشترک ہے۔

ثانیاً جیسا کہ لاؤڈ اسپیکر صرف مسجد سے باہر کے مسلمانوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح ریڈیو کے ذریعے نشر ہونے والا بیان بھی اُسے زیادہ اور دور تک مسلمانوں کو سُنانا مقصود ہوتا ہے۔

ثالثاً جیسا کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جو تقریر یا درس ہو رہے ہوں، تو اگر کسی عذر کی بناء پر مسلمان نہ سننا چاہیں تو گھروں کے اندر ہی نہ سننا بہت ہی سہل ہے، جیسا کہ ریڈیو نہ کھولیں یا کم آواز رکھنا مشاہدہ ہے۔

رابعاً اگر مسجد یا ایک مخصوص محل سے باہر آواز پہنچانا از روئے شرع ناجائز ہے تو ریڈیو کے ذریعہ پہنچانا کس دلیل سے جائز ہوگا۔

خامساً اگر قرب وجوار کے باشندوں کے فرضی ایذاء کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا پھیلاؤ ناجائز ہوسکتا ہے، تو یہ علت ریڈیو کے نشریئے میں کئی گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔

سادِساً چونکہ اصل مقصود ایذاء نہیں۔ ابلاغ دین اور مسلمانوں کی دینی نفع رسانی ہے۔ اس واسطے دیگر خدشے ناقابل التفات ہیں۔ علماء اصول نے ایک قانون لکھا ہے کہ **قد یحتمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام** (الاشباہ والنظائر) لہٰذا زمانہ حاضر میں

چونکہ ماحول ویسے ہی بے دینی کی لپیٹ میں ہے اور فسق و فجور پورے زور وشور کے ساتھ متصادم ہے۔ اگر ان دینی آوازوں کو اور پیغام رسانی کے سلسلوں کو اپنی طبعی کمزوریوں کو یا مقاصد دین نہ سمجھنے کی وجہ سے ناجائز کہا جائے تو اس سے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے نقصان ہو جانے کا احتمال، جو قرب الیقین ہے، ہوسکتا ہے، اس لئے اگر غیر ارادی و اختیاری طور پر کہیں ایسا خدشہ پیدا بھی ہوسکے تو وہ معاف ہے، حافظ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ،الاشباہ والنظائر میں فقہاءِ دین کا ایک ضابطہ لکھا ہے کہ ''**الامور بمقاصد ھا**'' اور چونکہ مقصد یہاں خالص دینی اور رضائے خداوندی ہے، اسی لئے کوئی خلاف شرع حکم عائد نہیں ہوسکتا، اس کی سینکڑوں مثالیں فقہ اور اصول میں موجود ہیں، یہ ہم نے صرف دفع شبہ کے لئے عرض کر دیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کو درس قرآن یا تلاوت قرآن سے کبھی بھی اذیت نہیں ہوسکتی، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے۔

''**وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا**'' (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۲)

جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے تلاوت قرآن شفاء اور رحمت ہے۔ البتہ ظالموں کا اس سے نقصان ہونا یا اُن کو اذیت پہنچنا، یہ یقینی امر ہے۔ صحیح البخاری وغیرہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز اور سوز وگداز کے ساتھ تلاوت کا تذکرہ ہے کہ مشرکین نے یہ شکایت کی تھی کہ یہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرتا رہے لیکن یہ آواز سے نہ پڑھے کیونکہ اس کی آواز سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں جس سے ہمیں ایذاء ہوتی





ہے۔ صحیح البخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

**مر ابابکر فلیعبد ربه فی داره فلیصل فیها ولیقرأ ماشاء ولا یوذینا بذالک ولا یستعلن به فانا نخشی اَن یفتن نسآء نا و ابنآء نا**

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۲)

یعنی مشرکین نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سفارشی ابن دغنہ سے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ کہیں کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر پر کرے، اس میں نماز پڑھے اور جو چاہے پڑھے اور ہم کو ایذاء نہ دے اور نہ اس کا اعلان کرے کیونکہ آواز کے باہر جانے سے ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں، جو ہمارے لئے فتنے اور ایذاء کی بات ہے، یہاں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(۱) یہ پابندی لگانا کہ صرف آواز مسجد کے اندر ہی رہے، قطعاً غیر اسلامی ہے اور سب سے پہلے یہ مشرکین نے مسلمانوں پر عائد کرنا چاہا تھا۔

(۲) آواز دین کو صرف ایک مجلس تک محدود نہ سمجھنا، اور اس کا باہر تک پھیلاؤ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

(۳) تلاوت قرآن اور درس یا بیان سے ایذاء غیر مسلموں کو پہنچتی تھی جیسا کہ مشرکین نے شکایت کی۔

(۴) دینی عشق جب اخلاص کے ساتھ ہو تو آواز دوسروں تک پہنچنا تبلیغ دین کا عظیم ذریعہ ہے۔ صحیح بخاری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

**وکان ابو بکر رجلا بکاء ولا یملک عینیه اذ قراء القراٰن.**

(۵) دین جب اخلاص اور عشق صحیح کے ساتھ بیان ہو رہا ہو، تو کچھ لوگوں کو اذیت ہونا ایک فطری امر ہے۔ بخاری کا لفظ دال ہے۔

**"فافزع ذالک اشراف قریش من المشرکین"**

(بخاری شریف ج ا ص ۶۸، ۶۹)

(۶) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر مسجد بنا چکے تھے۔ امام بخاریؒ نے اس پر بند باندھا ہے۔ **باب المسجد یکون فی الطریق من غیر ضرر بالناس فیه** ( ج ا ص ۶۸ )

**ثم بداء لا بی بکر فابتنیٰ مسجد اًبفناء دارہٖ** (بخاری ج ا ص ۵۵۳)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مسجد میں نماز اور قرأت فرماتے تھے، آپ کا ارادہ ایذاء پہنچانے کا ہرگز نہ تھا۔ امام بخاریؒ نے من غیر ضرر بالناس سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اذیت کا اتہام مشرکین کی طرف سے ناحق تھا۔

۷) وہ لوگ چونکہ اہلِ زبان تھے، اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نفس قرأت اور تلاوت، درس اور موعظت کا کام کرتی تھی۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں۔

**لا نه قصد تبليغ كتاب الله و اظهاره مع الخوف على نفسه**

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۵۶ جز ۴)

۸) حافظ بدرالعینی کی تحقیق کے مطابق صدیق اکبرؓ کا ارادہ کتاب اللہ کی تبلیغ کا تھا اور حضرت جان کی پرواہ کئے بغیر یہ قربانی دیتے تھے۔

۹) جب ارادہ تبلیغ دین کا ہو، تو اس کے نتیجے میں جن لوگوں کا باطن ٹوٹتا ہے وہ اس کو اپنے لئے ایذاء سمجھتے ہیں۔





۱۰) تفسیر و حدیث کی تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس میں مسلمانوں نے تلاوت قرآن یا درس و وعظ سے ایذاء کی شکایت کی ہو۔

**تلک عشرة كامله**

اند کے پیش تو گفتم غم دل، ترسیدم

که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیاراست

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خطبے (جو کہ تقاریر اور درس ہوتے تھے) صحابہ کرام گھروں میں بازاروں میں اور دور دراز کے قبیلوں میں سنتے تھے۔

صحاح میں جناب نبی کریم ﷺ کے جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے کہ جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آواز بہت اونچی ہو جاتی تھی اور مزاج اقدس میں غصہ سا پیدا ہو جاتا تھا۔

(۱) صحیح مسلم کے الفاظ ملاحظہ ہوں

**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خطب احمرت عيناه و علا صوته و اشتد غضبه.** ( صحیح مسلم ج ا ص ۲۸۴ )

۲) **مستدرک علی الصحیحین** میں ہے (**حتی لو ان رجلا كان بالسوق تسمعه** (مستدرک ج ا ص ۲۸۷) خطبہ کے دوران جناب نبی کریم ﷺ کی آواز اتنی اونچی ہو جاتی تھی کہ مسجد سے باہر بازاروں میں بھی سنی جا سکتی تھی۔

۳) امام بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے "**باب من رفع صوته بالعلم**" (بخاری ج ا ص ۱۴) آنحضرت ﷺ کے خطبہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔

**وانما يتم الاستد لال بذالک حيث تدعو الحاجة اليه لبعد ا و كثرة جمع**

او غير ذالک و يلحق بذالک ما اذا کان في موعظة

(فتح الباری ج ۱ص۱۳۲)

یعنی اگر ضرورت ہو جیسے دور والوں کو سننا ہو یا جمع کثیر ہو، خاص کر وعظ وغیرہ میں آواز دور تک پہنچانا چاہیے۔ امام احمدؒ کی مسند میں ہے۔

۵)حدثنا عبد الله حدثني ابي قال ثنا عبد الرزاق نا اسمٰعيل عن سماک بن حرب انه سمع عن نعمان بن بشيرؓ يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انذر تکم النار انذر تکم النار حتى لو کان رجل کان في اقصى السوق سمعه و سمع اهل السوق صوته و هو على المنبر .

(i)مسند احمد ج۴ص۲۷۲

(ii)فتح الباری ج۱ص۱۳۳

۶)جناب نبی کریم ﷺ منبر پر تشریف فرماتے اور آپ کا خطبہ صحابہ کرامؓ دور دور کے بازاروں میں سنتے تھے، مزید تفصیل کے لئے

(i)مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۳ص۱۵۸حدیث نمبر۱۵۹۸۳

(ii)الترغیب والترھیب ج۴ص۴۵۲

(۷)عن عائشه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم جلس على المنبر يوم الجمعه فقال: اجلسوا فسمع عبد الله بن رواحة قول رسول الله صلى الله عليه وسلم اجلسوا فجلس في بني غنم (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ص۲۵۶)

(۸)ان عبد الله بن رواحة اتى النبى ﷺ ذات يوم وهو يخطب فسمعه وهو





يقول اجلسوا فجلس مکانه خارجاً من المسجد

(دلائل النبوۃ ج۶ص۲۵۷)

ان دونوں روایتوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بنوغنم میں مسجد نبوی سے باہر کسی جگہ میں سنا تھا اور اطاعت رسول اللہ ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہونے کی وجہ سے وہیں اس پر عمل کر کے بیٹھ گئے۔ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے خیر دیتے ہوئے طلب فرمایا۔

(۹) جناب نبی کریم ﷺ کا خطبہ ہی آپ کی تقریر ہوتا تھا۔

کيف کانت خطبة قال کلام يعظ به الناس

(مستدرک ج۱ص۲۸۶)

سو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی تقریر مبارک بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی سے باہر سن چکے تھے، جناب نبی ﷺ کے صحابہؓ نے معاذ اللہ اس میں ایذاء نہیں سمجھا بلکہ اس کو دین جان کر اس پر عمل فرمایا۔

(۱۰)اخرج البيهقي و ابو نعيم عن البراءؓ قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى اسمع العواتق في خدور هن۔

(i)خصائص کبریٰ ج ۱ص۶۶

(ii)دلائل النبوۃ ج۶ص۲۵۶

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور اتنی اونچی آواز سے کہ پردہ نشین عورتوں نے اپنے اپنے گھروں میں سنا۔

(۱۱) و اخرج ابو نعیم عن بریدةؓ . قال النبی صلی الله علیه وسلم یوما ثم انفتل فنادیٰ بصوت اسمع العواتق فی اجواف الخدور.

(خصائص کبریٰ ج ا ص ٦٦)

(۱۲) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک دن نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے بیان فرمایا کہ پردہ نشین عورتوں کو گھروں میں بھی سنائی دیا۔

(۱۳) و اخرج ابو نعیم عن ابی برزه. قال خرج علینا رسول الله ﷺ بالهاجرة العلیاء فخطبنا بصوت یسمع العواتق فی خدورهن

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ٦٦)

جناب نبی کریم ﷺ نے دو پہر یا ظہر کے وقت تقریر فرمائی جسے خواتین نے گھروں میں سنا۔

۱۴) محدث ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت ﷺ نے منیٰ میں ہمیں خطبہ دیا جسے خدا کے فضل و کرم سے ہم نے اپنے اپنے خیموں میں سنا۔

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ٦٦)

ان متعدد احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کا خطبہ، درس تقریر اور بیان مسجد نبوی ﷺ تک محدود نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ کا متواتر بیان موجود ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ سے باہر، بازاروں میں اور خواتین اپنے اپنے گھروں میں سنتی تھیں، سو یہ کہنا کہ تقریر یا درس و بیان کی آواز مسجد تک محدود رکھی جائے سراسر ناواقفیت پر مبنی ہے جو علم و





عرفان کی روشنی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جناب نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تلاوت و قرأت کی آواز بھی مسجد تک محدود نہ تھی بلکہ مسجد سے باہر بھی سنی جاتی تھی۔

(۱) عن ام هانی قالت کنت أسمع قرأت النبی صلی الله علیه وسلم و انا علی عریش اهلی

(i) دلائل النبوۃ للبیہقی ج٦ ص ۲۵۷

(ii) خصائص کبریٰ ج ا ص ٦٦

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر میں بستر پر جناب نبی کریم ﷺ کی قرأت کی آواز سنتی تھی۔

(۲) عن ام هانی قالت کنا نسمع قرأت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی جوف اللیل عند الکعبة و أنا علی عریشی (حوالہ بالا)

ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم حضرت محمد ﷺ کی قرأت کعبہ شریف کے سامنے اندھیری رات میں گھروں میں سنتے تھے۔

۳) شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے سنن ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو۔

(خصائص ج ا ص ٦٦)

العریش، البیت الذی یستظل به . (محیط المحیط ص ۵۸۹)

عبد الرزاق عن عبد الله بن عمر رضی الله عنه عن ابن سهیل بن مالک عن ابیه قال کانت تسمع قرأت عمر رضی الله عنه فی صلوٰة الصبح من دار

**سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ**

(مصنف عبدالرزاق ج۲ص۴۰۳ حدیث نمبر ۳۸۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز فجر کی قرأت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سنی جاتی تھی، اور یہ واضح ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا گھر مسجد نبوی سے باہر تھا۔

**(۵) عبد الرزاق عن مالک عن عمه ابی سهیل بن مالک عن ابیه . قال کانت قرأت عمر رضی الله عنه تسمع من البلاط.**

(مصنف عبدالرزاق ج۱ص۲۰۳ حدیث نمبر ۳۸۶۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قرأت باہر میدانوں اور گھروں میں سنی جاتی تھی۔

**البلاط: الارض المستوية الملساء و صفائح الحجارة التی تفرش فی الدار و غیرها. و کل ارض فرشت بالحجارة و بالاجر.**

(محیط المحیط ص ۵۲)

بلاط کی تحقیق میں لغات الحدیث کے امام حافظ ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں۔ **البلاط ضرب من الحجارة تفرش به الارض ثم سمی المکان بلاطا اتساعاً، وهو موضع معروف بالمدینه.** (نہایۃ ابن الاثیر ج۱ص۱۵۲)

معلوم ہوا کہ بلاط نامی کوئی جگہ تھی مدینہ منورہ میں، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ آپ کی قرأت کی آواز وہاں تک پہنچتی تھی۔ سو معلوم ہوا کہ درس وتقریر کے علاوہ نماز کی قرأت کی آواز بھی





مسجد سے باہر سننا جائز اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عمل ہے اور اسے علت ایذاء سمجھنا ناجائز اور حرام ہے۔ بلکہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دین اور عمل پر ایک قسم کا حملہ ہے۔ جس کے برے نتائج سے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔

## ایک اشکال اور اس کا تدفیعہ

کہیں سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو جائے کہ یہ حضرت ﷺ کا معجزہ تھا یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی کیونکہ معجزہ اور کرامت آیات بینات اور دلائل دین ہیں جبکہ نصوص صحیحہ سے ثابت ہوں اور وجہ تخصیص نہ ہو، کما نبہ علیہ امام العصر الشیخ انور فی فیض الباری شرح بخاری۔ چنانچہ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں، اور حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے معجزات شمار سے متجاوز ہیں اورس لئے آپ کا ہر قول اور فعل اور ہر حال عجیب وغریب مصالح اور اسرار وحکم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خارق للعادۃ ہے اور معجزہ ہے۔

(سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ج۳ص۴۲۷)

بلکہ یہ جواز کی مزید تقویت ہے کیونکہ جس چیز کو حق تعالیٰ شانہ نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت بنا دیں، اس میں نفع اور فیض ہوتا ہے، مسلمانوں کے لئے اس میں اذیت کا ادنیٰ احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ ورنہ معجزہ معجزہ اور کرامت کرامت نہ رہی، حق تعالیٰ شانہٗ کا اشاد ہے۔

"وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ج فَاَمَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝"

(سورۂ توبہ آیت ۱۲۴، ۱۲۵)

اور جب نازل ہوتی تھی کوئی سورۃ تو بعض ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان، سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان، اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں اور جن کے دل میں مرض ہے سو ان کے لئے بڑھا دی گندگی پر گندگی، اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے۔

## تلاوت قرآن کی آواز کا خواہ نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ ہو مسجد سے باہر پہنچنا کئی فوائد اور مصالح پر مشتمل ہے۔

حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ ﷺ سے بدر کے قیدیوں سے متعلق گفتگو کروں میں پہنچا تو رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے، اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی (ان عذاب ربک لواقع ماله من دافع) اچانک میری یہ حالت ہوئی گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائیگا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آ جائے گا،

(i) قرطبی

(ii) معارف القرآن ج ۸ ص ۱۸۰





(iii) تفسیر کشاف ج ۴ ص ۲۳

(iv) تفسیر الدر المنثور ج ۶ ص ۱۱۸

(v) تفسیر روح المعانی پ ۲۷ ص ۲۹

(vi) تفسیر خازن ج ۴ ص ۱۸۷

ان تفاسیر میں یہ صراحت موجود ہے، "وصوته يخرج من المسجد فسمعته" حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی تلاوت کی آواز مسجد نبوی ﷺ سے باہر سنی اور اس کی برکت سے وہ ایمان سے مشرف ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ایمان جیسی دولت وہ قرأت تلاوت سے نصیب ہوئی تو مسلمان آبادیوں میں اس دورِ فتن میں تلاوت کی آواز خواہ نماز میں ہو رہی ہو یا تراویح اور سحری کے وقت مسلمانوں کو جگانے کی نیت سے ہو۔ فوائد سے خالی نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہاں تلاوت کے ذریعہ ایک دوسرے کو نیند سے جگانا معمول تھا۔

امام ترمذیؒ نے باب باندھا ہے۔ باب ماجاء فی القرأت باللیل .

عن ابی قتادہؓ ان النبی ﷺ قال لابی بکر مررت بک و انت تقرء و انت تخفض من صوتک ، فقال انی اسمعت من ناجیت، قال ارفع قلیلا، وقال لعمر مررت بک و انت ترفع صوتک. فقال انی او قظ الوسنان و اطر دالشیطان، قال اخفض قلیلا (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰)

جناب نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ رات کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے معمولات

شب ملاحظہ فرمائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنا آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے، فرمایا کہ جس سے سرگوشی کر رہا تھا، وہ خوب سن رہے تھے فرمایا کہ قدرے اونچا پڑھا کریں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ اتنی بلند آواز سے پڑھ رہے تھے؟ فرمایا کہ تا کہ سوئے ہوئے لوگوں کو جگا دوں اور شیطانوں کو بھگاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے قدرے اعتدال کی تلقین فرمائی، مگر سوئے ہوؤں کو جگانے کی مصلحت اور شیطان کے بھگانے کی حکمت کو آپ نے اپنے حال پر برقرار فرمایا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وحی سے اور تعامل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر مسجد سے تلاوت خواہ نماز میں کیوں نہ ہو، ان مصلحتوں کیلئے ہو یا اور کچھ فوائد دین پیش نظر ہوں، تو بلند آواز سے تلاوت جائز اور منفعت پر مبنی ہے۔ اس میں ایذاء کا احتمال پیدا کرنا از روئے وحی و تعامل صحابہؓ نا جائز ہے، یہ واقعہ مستدرک۔ ج ۱، ص ۳۱۰ معارف السنن، ج ۴، ص ۱۵۸ پر اور دیگر احادیث کے متداول اور معتبر کتب میں موجود ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے ایک قانون لکھا ہے کہ رمضان شریف میں اگر کوئی ذکر یا تسبیح (تلاوت) بلند آواز سے ہو، جس سے اور لوگوں کے اشغال میں خلل آسکتا ہو، تو درست نہیں

**"الا اذا کان الغرض منها ایقاظ الناس فی رمضان لا ن فی ذالک منفعتالهم"**

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا ص ۳۲۶)

لیکن اگر غرض سوئے ہوئے لوگوں کو سحری یا تہجد کے لئے جگانا ہو تو بالکل جائز ہے کیونکہ یہ لوگوں کے فائدے کی بات ہے، فقہ کے اس قانون سے معلوم ہوا کہ بعض جزئیات جو ایسے





ہیں کہ جن میں نائمین یا مصلین کے اصرار کی وجہ سے منع لکھا ہے، وہ کسی غرض صحیح نہ ہونے کے لئے جو تلاوت ہو، یہی وجہ ہے کہ اس میں اوقات کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اگر وقت ایسا ہے کہ لوگوں کا آرام ضروری ہے، اور از روئے شرع اس وقت مسلمانوں کا جاگنا یا جگانا مطلوب نہیں تو ایسے وقت میں بلند آواز سے بذریعہ لاؤڈ اسپیکر تلاوت یا بیان ناجائز ہوگا۔ لیکن یہ طریقہ سوائے اہلِ بدعت غلاۃ کے اور کسی کے ہاں نہیں چنانچہ "ہندیہ" میں ہے۔

**"لو قراء علی السطح فی اللیل جهراً یا ثم کذافی الغرائب"**

(فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۱۸)

یہی وجہ ہے کہ مساجد میں تلاوت اکثر ان اوقات میں ہوا کرتی ہے۔ جو لوگوں کے سننے کے ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز تراویح میں یا نماز جمعہ اور عید کے موقع پر یا اور کسی تقریب اور جلسے کے آغاز میں جس سے مقصد ترغیب اور دعوت دین ہوتی ہے۔ مسلمان ایسے موقعوں پر دلی توجہ سے سننا چاہتے ہیں، صرف اس احتمال سے منع کرنا کہ ہوسکتا ہے کسی کو ایذاء ہوتی ہو۔ صحیح نہیں ہے۔ "ہندیہ" میں ہے۔

**اذا اراد ان یقرأا لقراٰن و یخاف ان یدخل علیه الریالا یترک القرأت لا جل ذالک کذا فی المحیط**

(فتاویٰ ہندیہ ج ۵ ص ۳۱۸)

یعنی صرف اس احتمال سے قرآن مجید کی تلاوت ترک کرنا کہ مجھ میں اس سے ریا پیدا ہوتی ہے، درست نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اگرچہ فقہ حنفی کا قانون یہ ہے کہ ذکر اور دعا وغیرہ آہستہ ہونا چاہیے۔

الاصل فی الاذکار والدعاء هوا الاخفاء

(قاضی خان علی الھندیہ ج ۱ص۲۴۵)

لیکن قرآن مجید کی تلاوت کو جھر سے پڑھنا افضل لکھا ہے۔

الافضل فی قرأت القرآن خارج الصلوٰۃ الجھر

(فتاویٰ ہندیہ ج۵ص۳۱۶)

باقی یہ شبہ کہ خارج از مسجد لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جن کے لئے سننا دشوار ہوتا ہے۔تو ایسے لوگ از روئے فقہ معاف اور معذور ہیں، ہندیہ میں ہے۔

صبی یقرأ فی البیت و أهله مشغولون بالعمل یعذرون فی ترک الاستماع ان افتتحو العمل قبل القرأت والافلا" (ہندیہ ج۵ص۳۱۷)

ہماری گذشتہ گفتگو سے یہ ثابت ہوا کہ درس وتقریر کے علاوہ، تلاوت اور قرأت کی آواز مسجد سے باہر محلے والوں تک پہنچانا نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہؓ کے اعمال سے ثابت ہے اور دینی مقصد خواہ وہ دعوت وتبلیغ کے علاوہ اصلاح اور ترغیب کیوں نہ ہو اس امر کا تقاضاء دین ہونا فقہاء کرام کے مسلمہ قوانین سے ثابت ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور قاضی خان وغیرہ کے جزئیات سے معلوم ہوا، لیکن ہم اس کے قائل ہرگز نہیں کہ وقت بے وقت لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے بغیر کسی مقصد اور مصلحت کے بلند آواز سے تلاوت وغیرہ گھنٹوں جاری رکھی جائے کیونکہ ایسا کرنا روایت اور درایت کی روشنی میں ناجائز معلوم ہو رہا ہے۔وضاحت کے لئے فقہاء کا یہ جزیہ ملاحظہ ہو۔

لا یقراء جهراً عند المشتغلین بالاعمال (ہندیہ ج۵ص۳۱۶)





اعتدال اس امت کی امتیازی شان رہی ہے باب فکر ونظر قرآن مجید کی آیت "و کذالک جعلنکم امة وسطا" (سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳) سے یہی استنباط فرما چکے ہیں جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی ضروری شغل میں ہوں جس کی اہمیت دین کی روشنی میں ثابت ہو چکی ہو، ایسے موقعوں پر آواز پہنچنے کے باوجود نہ سننے والے معاف ہیں۔عالمگیری میں ہے۔

مدرس یدرس فی المسجد وفیه مقری یقرأ القرآن بحیث لو سکت عن درسه یسمع القرآن یعذر فی درسه (عالمگیری ج۵ص۳۱۷)

چونکہ درس اور تعلیم دین کا نفسِ تلاوت سے اہم ہونا اصول دین سے ثابت ہے۔

حکی عن ابی مطیع انه قال النظر فی کتب اصحابنا من غیر سماع افضل من قیام لیلة کذا فی الخلاصه (فتاویٰ عالمگیری ج۵ص۳۱۸)

جس کا حاصل یہ ہے کہ کتب فقہ کا سرسری مطالعہ بھی پوری رات کی نفلی عبادت سے افضل ہے، چنانچہ خود عالمگیری میں ہے۔

یکر رمن الفقهي و غیره یقرأ القرآن لا یلزمه الاستماع قال الوبری فی المسجد عظة و قرأت القرآن فالا ستماع الی العظمة اولیٰ کذافی القنیه

(ہندیہ ج ۵ص۳۱۸)

## تلاوت قرآن کی صورت میں سننے والوں کیلئے سجدہ تلاوت کا حکم

قرآن مجید کی وہ چودہ آیات جن کے پڑھنے سے اور سننے سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے، اول تو ایسے مقامات پر جہاں از روئے شرع جہر ضروری نہ ہو، آہستہ پڑھنا

چاہیے، جیسا کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے، اور یہی عمل ہے۔

ہندیہ میں ہے۔ **القاری اذا کان عندہٗ قوم ان کانو ا متأ ھیین لسجود، و یقع فی قلبه انه لا یشق علیهم اداء السجده، ینبغی ان یقرأ جهراً و ان کانو ا محدثین او یظن أنهم یسمعون ولا یسجدون او لیشق علیهم أداء السجده ینبغی ان یقرأ فی نفسهٖ سواء کان فی الصلوٰة او خارج الصلوٰة. کذافی الخلاصه.** (ہندیہ ج اص ۱۳۵)

اور جب جہراً پڑھ لیا گیا تو سننے والوں کو اطلاع دینا ضروری ہے، چنانچہ یہی معمول ہے کہ پڑھنے والا شروع میں یا بعد میں اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں کو معلوم ہوجانے کے بعد سجدہ تلاوت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر اعلان اور علم کے باوجود بھی کوئی سجدہ تلاوت نہ کرے تو پڑھنے والا بری الذمہ ہے، جیسا کہ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ نمازیں فرض ہیں۔ اب اگر کوئی نہ پڑھے تو یہ گناہ اس کا اپنا ہے اور اگر سننے والے کو علم نہ ہوسکا تو تاخیر سے معلوم ہونے تک بالاتفاق عذر شرعی ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

**ولو قرء بالعربیه یلزمه مطلقًا ، لکن یعذر ربا لتأخیر مالم یعلم**

(ہندیہ ج اص ۱۳۳)

## سجدۂ تلاوت کے بقیہ احکام ومسائل

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اگر اہل محلّہ آیات سجدہ سنیں مگر جب تک ان کو معلوم نہ ہو جائے، خواہ کسی کے بتانے سے کیوں نہ ہو کیونکہ سبب وجوب گو اصلاً تلاوت یا سماعت ہے، مگر محققین نے عجمیوں کے لئے علم کی شرط بھی لکھی ہے، یعنی جاننا کہ اس وقت جن آیات کی





تلاوت مجھے سننا نصیب ہوا۔ وہ آیات سجدہ ہیں، اور اگر یہ معلوم نہ ہوسکا تو سرے سے سجدہ واجب ہی نہ ہوا، چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

**والمتبادر أنها لا تجب الا اذا علم أ نها آية السجدة ولو بالاخبار**

(ii) جامع الرموز ج اص ۲۴۱

(ii) اللباب فی شرح الکتاب ج اص ۱۰۳

(iii) طحطاوی حاشیہ مراقی ص ۲۶۴

(iv) فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے " **لکن لا یحب علی الاعجمی ما لم یعلم** "

فتح القدیر مع الکفایہ ج اص ۴۶۶

(v) ردالمحتار ج اص ۵۱۴

(vi) حلبی کبیر میں ہے " **و ان لم یفهمها من العجم اذا اخبربها اجماعاً** "

(حلبی کبیر شرح منیہ ص ۵۰۱)

**ایک ضروری تنبیہ نمبر ۱:** یہ عنوان قائم کرنا کہ "لاؤڈ اسپیکر سے سجدہ تلاوت تمام محلّہ والوں پر اور خواتین پر واجب کرنے کے وبال سے نجات حاصل کریں، باعث افسوس ہے کیونکہ سجدہ تلاوت کا واجب ہونا وبال ہرگز نہیں، قرآن مجید کی آیت پر غور کرنے سے اس کا خطرہ اہل علم پر واضح ہوسکتا ہے۔" **والذین اذا ذکروا بایٰت ربهم لم یخروا علیها صما و عمیانا**" (سورۂ فرقان آیت ۷۳) کیونکہ سجدہ تلاوت کا واجب ہونا وہاں ہرگز نہیں۔ وبال واجب سجدہ کا ترک ہے۔ امید ہے اگر عناد اور ضد رکاوٹ نہ بنی تو عنوان پر پورے مسئلہ کی طرح نظر ثانی کرنے کا موقع نصیب ہوجائے گا۔

**تنبیہ نمبر۲:** سجدہ تلاوت کا واجب ہونا اور نہ واجب کرنا وبال دین ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو فقہاء کرام سجود تلاوت کے مبحث میں لکھ دیتے کہ خبردار کہ اونچی آوازِ تلاوت سے آیت سجدہ پڑھے کیونکہ اگر واجب ہوا تو یہ وبال کا باعث ہے، اور چونکہ ایسا کوئی جزیہ انشاء اللہ العزیز متون سے لے کر شروح تک اور حوادث ونوازل سے لے کر فتاویٰ تک کہیں نہیں ہے۔ اس لئے اس عنوان کا غلط ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

## آداب تلاوت قرآن کریم اور ایک مشہور شبہ

بعض حضرات کو یہ شبہ بھی رہا ہے کہ اگر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے تلاوت قرآن یا قرأت کی آواز باہر کے لوگوں تک پہنچنے لگے تو چونکہ قرآن کا سننا نماز کے باہر بھی واجب ہے اور باہر کے لوگ سننے کی پابندی نہیں کر سکتے جس سے گناہ لازم آئے گا۔

## ازالۂ شبہ

عرض یہ ہے، اگرچہ یہ رائے رہی ہے، لیکن احادیث صحیحہ سے جو قواعد فقہ زیادہ ہم آہنگ ہیں ان کی روشنی میں یہ شبہ درست نہیں ہے، امام ابوبکر جصاص رازی الحنفیہ ''واذا قری القرآن فاستمعو لہ وانصتوا'' کی تفسیر میں قاعدہ فقہ ذکر فرماتے ہیں ''المؤمن فی سعت من الاستماع الیہ الا فی الصلوٰۃ مفروضۃ'' (احکام القرآن ج۳ ص۳۹) جس کا حاصل یہ ہے کہ نماز کے علاوہ قرآن پاک سننے کے لئے یہ پابندی نہیں ہے بلکہ گنجائش ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے بھی لکھا ہے کہ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ رات کی نماز میں جھر قرأت فرماتے تھے اور ازواج مطہرات اس وقت نیند





مین ہوتی تھیں، بعض اوقات حجرہ سے باہر بھی آنحضرت ﷺ کی آواز سنی جاتی تھی اور بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ ایک سفر مین رات کو پڑاؤ ڈالنے کے بعد صبح کو فرمایا کہ میں نے اپنے اشعری رفقاء، سفر کو ان کی تلاوت کی آوازوں سے رات کے اندھیرے میں پہچان لیا کہ اس کے خیمے کس طرف اور کہاں ہیں، اگرچہ دن میں مجھے ان کی جاءِ قیام کا علم نہیں تھا۔ اس واقعہ میں بھی رسول کریم ﷺ نے اشعری حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا کہ بلند آواز سے کیوں قرأت کی اور نہ سونے والوں کو ہدایت فرمائی کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو تم سب اُٹھ بیٹھو اور قرآن سنو اس قسم کی روایات سے فقہاء نے خارج نماز کی تلاوت کے معاملے میں کچھ گنجائش دی ہے

(معارف القرآن ج۴ ص۱۶۴)

## تحقیقاتِ بالا سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوئے

(۱) قرأت سننے کا وجوب صرف نماز تک اور وہ بھی نمازی حضرات کے لئے ہے۔

(۲) نماز کے علاوہ تلاوت وقرأت سننے کا چونکہ اختیار ہےس لئے گناہ لازم نہیں ہوتا۔

(۳) جناب نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کے زمانے میں قرأت وتلاوت کا یہ معمول رہا ہے جس سے دور وقریب کے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔

(۴) محقق قول یہی ہے جیسا کہ امام رازیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صابؒ کی تحقیقات سے معلوم ہوا، بلکہ امام ابن المنذرؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ نماز اور خطبے کے علاوہ کسی اور موقع پر سننا واجب نہیں ہے کیونکہ ہر ایک پر استماع وانصات (کان لگا کر سننا) اگر واجب

کر دیا جائے تو حرجِ عظیم لازم آئے گا، کیونکہ اس کا یہ تقاضہ ہے کہ علم میں مشغول آدمی اس کے سننے کے لئے اپنا علمی شغل ترک کر دے اور اسی طرح دیگر امور ضروریہ خواہ وہ دینی ہو یا طبعی چھوڑ دے (حاصل ترجمہ) اہل علم حضرات کی تسکین و تطمین کے لئے عربی عبارات ملاحظہ ہو۔

**" و حكى ابن المنذر الاجماع على عدم وجوب الاستماع والانصات فى غير الصلاة و الخطبة و ذالک أن ايجابهما على كل من يسمع احدا يقرأ فيه حرج عظيم لا نه يقتضى أن يترک له المشتغل بالعلم علمه، والمشتغل بالحكم حكمهٔ والمتباعان مساومتهما و تعاقد هما و كل ذى شغل شغله "** (تفسیر المنارج ۹ص۵۵۲،۵۵۳)

جب تحریر کردہ دلائل سے معلوم ہوا کہ نصوص دین کی روشنی میں درس یا تقریر تلاوت یا قرأت کی آواز مسجد سے باہر جا سکتی ہے، اور اس کا سننا اور وہاں تک پہنچانے کا اہتمام کرنا دلائل شرعیہ کی روشنی میں درست ہے تو اب کوئی فتویٰ یا تحقیق اس کے مقابلے میں شرعی حیثیت نہیں رکھتی، اس کے دلائل اور وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱) نصوص کے مقابلے میں قیاس اور آراء کا خلاف شرع ہونا اصول فقہ کا مشہور مسئلہ ہے۔

(ii) اصول سرخسی ج۲ص۱۴۹

(ii) الملل والنحل ج۱ص۲۰۰

(iii) المغنی فی اصول فقہ ص۲۹۲

صاحب ہدایہ نے سینکڑوں مقامات پر **ترکنا القياس عند الاثر** کہہ کر یہی اصول واضح





فرمائے ہیں۔

(۲) ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بلکہ دیگر آئمہ ثلاثہ سے بھی مروی ہے کہ اگر ہماری تحقیق اور قول کے مقابلے میں حدیث صحیح ملی تو وہ میرا مذہب ہوگا۔

**اذا صح الحديث فهو مذهبى** کا مقولہ ان بزرگوں کی طرف سے متداول اور معتبر کتب میں شہرت پا چکا ہے۔ بعض تفصیلات کے لئے علامہ ابن عابدینؒ المعروف بہ مفتی شام کے "آداب رسم المفتی" ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ (عقود رسم المفتی ص ۳۱، ۳۲)

(۳) فقہاء کے مسلمہ اصول کے پیش نظر ادلہ شرعیہ سے جو محقق قول سامنے آیا وہ اصل مذہب ہوتا ہے، اس کے بعض امثلہ کی طرف بھی علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے آداب رسم مفتی میں اشارہ فرمایا ہے۔

اس قانون کے پیش نظر صاحبین کا اختلاف فقہ حنفی میں پایا جاتا ہے۔

(۴) چنانچہ صاحبین کا قول، یا امام زفر رحمۃ اللہ علیہ یا امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال پر بھی ادلہ قوی ہونے کی وجہ سے فتویٰ موجود ہے، اور وہ عین مذہب حنفی ہے۔

(۵) امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جنہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے حدیث و فقہ کی امامت کا درجہ عطا فرما دیا تھا اور جنہوں نے اپنی مجتہدانہ بصیرت اور ملکات سے سینکڑوں سال تک دنیا حنفیت کو مسلح فرمایا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر نوادر اور شاذ روایات بھی حدیث صحیح کے مطابق ہو تو میں اس پر فتویٰ دینا چاہتا ہوں اور یہ حنفی مذہب ہی ہوگا۔ ملاحظہ ہو فیض الباری شرح البخاری، دیگر فقہائے کرام نے بھی لکھا ہے۔

**"ان الاعتبار لقوة الدليل"** (عقود رسم المفتی ۲۸)

(۶) آج کل سوء اتفاق سے اکثر دارالافتاؤں میں براہ راست ذمہ دار اور صاحب استعداد مفتی کو لکھنا کم پڑتا ہے۔ اکثر معین اور حدیث العہد بالتحقیق والافتاء اجوبہ لکھتے ہیں جن کی عدم ممارست اور قلت واقفیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، ورنہ جن بزرگوں کو خود تحقیق کرنیکا موقع ملا ہے تو انہوں نے واقعی تحقیق کا حق ادا فرمایا ہے۔ چنانچہ زیر بحث مسئلہ کے بارے میں جب فقیہ وقت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''آلات جدیدہ'' کے نام سے جو تحقیق فرمائی ہے وہ ہمارے مدعا کی دلیل اور اپنی نظیر آپ ہے۔

چنانچہ حضرت خود فرماتے ہیں، وعظ، تقریر، درس اور تدریس وغیرہ میں آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کا استعمال ایساہ جائز ہے جیسے سفر حج میں موٹر و ہوائی جہاز کا یا جہاد میں ٹینک اور بم کا۔ (آلاتِ جدیدہ ص ۱۹)

حضرت مفتی صاحب ؒ کی یہ تحقیق اس قسم کے مغالطوں سے بچنے کے لئے آہنی حیثیت رکھتی ہے اور جن علماء وفقہاء کو خود لکھنا پڑا یا مسئلہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو انہوں نے بھی درست اور صحیح فتویٰ لکھا ہے، جیسا کہ آگے چل کر حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب کے ایک تحریر کردہ فتویٰ پر استاذ العالم فقیہہ العصر محدث اعظم ومفتی اعظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق وتصویب کے ساتھ ہم عرض کرنے والے ہیں۔





بسم اللہ الرحمن الرحیم

## امور مشروعہ میں بیجا تشدد کرنا بہت بڑا گناہ اور جرم ہے۔

جیسا کہ دلائل شرعیہ سے واضح ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر خواہ مسجد کے اندر موجود سامعین کے لئے ہو یا مسجد کے باہر کے لوگوں کو سنانے کے لئے ہو، جائز اور درست ہے اور عرب و عجم کے علماء کرام اور مسلمانوں کا عمل ہے۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں پھر اس کے خلاف استفتاء کرنا اور اشتہارات اور پوسٹرز نکالنا بیجا سختی اور دینیات میں مداخلت کے مترادف ہے جس کا ازروئے شرع ناجائز ہونا واضح ہے۔ یہاں یہ بات قابل فہم ہے کہ اگر کسی کی طبعی کمزوری وغیرہ کے پیش نظر وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا، تو وہ معاف ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ خانقاہ کے اندر اپنے بیان کے بلند آواز سے بھی گرانی طبع محسوس فرماتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں بعض مرتبہ مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے تقریر میں آواز بلند ہوجاتی ہے، اور یہ امر طبعی ہے جی چاہتا ہے کہ سب سنیں جس کا اثر دیر تک دماغ پر رہتا ہے۔ یہ بھی ایک تکلیف ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت ج اص۲۴سطر۱۰،۱۱)

غور فرمانے کا مقام ہے کہ حضرت کو اپنی تقریر میں اپنی آواز کے بلند ہونے سے تکلیف اور گرانی ہوتی تھی، مگر اخلاق نبوت سے متصف ہونے کی برکت سے فرماتے ہیں کہ ''جی چاہتا ہے کہ سب سنیں'' واقعی جنہیں حق تعالیٰ شانہٗ خیر کے ارادے سے نوازیں، ان

کا یہی حال ہوتا ہے مگر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت نہ تو اسے حرام سمجھتے ہیں اور نہ اس کے خلاف کوئی حکم صادر فرماتے ہیں، یہ شریعت کے جامع ہونے کی ایک واضح مثال ہے، امور طبیعہ کی وجہ سے مسائل دین میں سختی پیدا کرنا احادیث مبارکہ کی روشنی میں عظیم جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

**ان اعظم المسلمین جرما من سئل عن شئی لم یحرم فحرم لا جل مسئلته**

(بخاری ج۲ص۱۰۸۲)

شراح حدیث نے اس حدیث کی شرح میں جس میں جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں میں سب سے عظیم مجرم وہ شخص ہیں جو کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرلے جو کہ حرام نہ ہوں اور اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام ہوجائے۔ حافظ الحدیث علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں

**ان السوال عن الشئی بحیث یصیر سبباً لتحریم شئی مُباح ھوا عظم الجرم لانہ صار سببا لتضیق الامر علیٰ جمیع المکلفین فالقتل مثلاً کبیرۃ ولکن مضرتہ راجعۃ الی المقتول وحدہ أ والیٰ من ھو منہ بسبیل بخلاف صورۃ المسئلۃ فضر رہ عام للجمیع**

(فتح الباری ج۱۳ص۲۶۸،۲۶۹)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کرنا جو کسی مباح یعنی جائز کام کو ناجائز بنانے کی وجہ بنے بہت بڑا جرم ہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ تنگی اور سختی پیدا ہوگی۔ سو قتل بھی ایک گناہ ہے مگر اس کا نقصان





صرف مقتول یا وہ جو مرتکب قتل ہے، ان کو پہنچتا ہے مگر اس سوال کرنے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ سختی کرنا اور ان کا نقصان کرنا ہے۔ مزید ملاحظہ ہو

(i) عمدۃ القدی ج۱۲ جز۲۵ ص۳۲،۳۳

(ii) ارشاد الساری ج۱۰ ص۳۰۹

(iii) مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص۲۳۰

حق تعالیٰ شانہٗ سب مسلمانوں کو نیکی برباد گناہ لازم کے ارتکاب سے محفوظ فرمائے یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ میں سے اگر کسی سے باوجود اخلاص نیت کے کہیں سختی اور تشدد ہوجاتا تو حضرات صحابہؓ اس کو ناپسند فرماتے تھے اور تشدد کرنے والے کو منع فرماتے تھے، ملاحظہ ہو۔

**”کان ابو موسیٰ الاشعریؓ یشدد فی البول“ الخ“ فقال حذیفہؓ، لیت امسک“** (بخاری ج ۱ ص۳۶) کے الفاظ صریح موجود ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔ دیکھئے، تنزہ عن البول شریعت میں اس درجہ مطلوب ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر وعید شدید بھی وارد ہے اور ایسا ”**مبالغہ فی التنزہ**“ آسانی سے ممکن بھی ہے کیونکہ شیشی قارورہ کی ہر شخص کو میسر ہوسکتی ہے، مگر پھر بھی نہ آنحضرت ﷺ نے اس کا اہتمام فرمایا، نہ حضرات صحابہؓ نے اور اگر حضرت ابو موسیٰؓ نے غلبہ رجال سے اس کا اہتمام بھی کیا تو حضرت حذیفہؓ نے ان پر نکیر فرمائی اور حضرت ابو موسیٰ نے نہ اس نکیر پر کچھ کلام فرمایا، نہ دوسروں کو ایسا کرنے کی رائے دی۔ اس سلسلے میں مزید فرماتے ہیں، تو اس میں ایسا مبالغہ کرنا اور اس

کی اطاعت کا اہتمام کرنا۔ ”یسر فی الدین“ کے سراسر خلاف ہے، و فی هذا ا کفایة لمن طلب الحق (بو ادر النوادر ص ۲ ۹ ۴) حضرات صحابہؓ کے ان ارشادات کی روشنی میں حضرت تھانویؒ کی شرح و تفصیل سے جائز کو ناجائز کرنے والوں اور اس سلسلے میں نشر و اشاعت کرنے والوں کو دیدہ عبرت کھول دینا چاہیے کہ کہیں نیکی یا اذیت کا طوق اپنے گلے میں آویزاں نہ ہو؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

## آخری وضاحت

پیش کردہ تفاصیل اور دلائل سے جیسا کہ پڑھنے والے حضرات پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے مناسب اوقات میں تلاوت یا درس و تقریر بالکل جائز اور شریعت اور وقت کا عین تقاضہ ہے۔ جو حضرات اس سلسلے میں آواز کو مسجد یا کسی دوسری مجلس تک محدود رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور باہر کے لوگوں تک آواز کا پہنچنا یا اس کا اہتمام کرنا ناجائز سمجھتے ہیں۔ ان کے اس کہنے کا غلط ہونا ان شرعی دلائل کی روشنی میں بفضلہٖ تعالیٰ واضح ہو چکا ہے۔ تنبیہ مزید کے طور پر عرض کرنا بھی بیجا نہ ہوگا کہ جن حضرات نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، انہوں نے حُرمت کی علت اذیت بتائی ہے جیسا کہ ایک صاحب علم سے ایک گفتگو کے دوران یہ معلوم ہوا تھا۔ سو عرض ہے کہ ہماری سابقہ تحقیق و تحریر سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یہ علت اصول دین کی روشنی میں کالعدم ہیں اگر بالفرض یہ علت درست ہوتی تو





یہی ایذاء جب مسجد کے اندر درس یا بیان ہو تو بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ مسجد کے اندر والے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے یہ حضرات خود بھی قائل بلکہ اس پر عمل پیرا ہیں، جیسا کہ ان کی تحریرات اور اعمال سے ظاہر ہے۔ کیونکہ درس و بیان، وعظ یا تقریر نمازوں کے اوقات ہی میں ہوتے ہیں، غیر اوقات نماز میں عمل کسی کا نہیں ہے اور تقریباً تمام اوقات میں نماز پڑھنے والے آتے رہتے ہیں اور از روئے شرح چونکہ وہ بنیت نماز ہی مسجد میں آتے ہیں اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ بھی نماز ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو نماز پڑھنے سے نہیں منع کیا جا سکتا، تو بیان یا درس سے یقیناً ان کی نماز میں حرج واقع ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ایذاء کی علت متحقق ہوتی ہے کیونکہ مسجد سے باہر محلے کے لوگ تو بجائے صحن کے، کمرے میں، یا کمرے کے بھی دروازہ اور کھڑکی بند کر سکتے ہیں۔ لیکن مسجد میں آنے والے بعد میں نماز پڑھنے والوں کو سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو پھر مسجد کے اندر بھی ان کی تحقیق کے مطابق درس یا تقریر ناجائز ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس کے ماننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہے، خود جناب نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ہاں بھی اوقات نماز میں ذکر و تعلیم کا سلسلہ اوقات نماز میں رہتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ تحریرات سے معلوم ہوا ہے۔ اہل علم کے مزید اطلاع کے لئے بخاری شریف

**”باب الذکر بعد الصلوٰۃ“** اور **”ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد النبی ﷺ و قال ابن عباس کنت اعلم اذاانصرفو ا بذالک اذا سمعته** (بخاری شریف ج ا ص ۱۱۶)

پر غور کرنا کافی ہے۔

اگر کسی نے مزید تفصیل دیکھنی ہو تو

(i) بذل المجھود ج۷ ص۹۴

(ii) المدخل ج ا ج۳ ص۱۰۳

(iii) البرھان فی علوم القرآن ج ا ص۴۷۵ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

بلکہ مسجد کے باہر لوگوں کے سکون سے زیادہ مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے سکون کا لحاظ ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی وضاحت کافی ہے

**واذا اضاق المسجد كان للمصلى ان يزعج القائد عن موضعه يصلى فيه و ان كان مشتغلا بالذكر ا والدرس اوقرأة القرآن او الاعتكاف.**

(فتاویٰ عالمگیری ج۵ ص۳۲۲)

چونکہ یہ اشارات خالص اہل علم کے لئے ہیں اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود درس اور تقریر بیان اور وعظ مساجد میں اسلام کے دور اول سے آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہیں۔ سو معلوم ہوا کہ ارادہ نفع رسانی کا ہو، اور مقصد اصلاح تعلیم و تبلیغ دین ہو اس قسم کے علل غیر مطردہ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اور اصول کا مشہور قانون ”**الامور بمقاصدھا**“ **الاشباہ والنظائر** ج ا ص ۴۳ نافذ العمل ہوتا ہے۔ ہم نے از حد کوشش کی کہ بات مختصر اور مدلل اور سلف اور خلف کے متفقہ موقف کی روشنی میں ہو۔ جس کی وجہ سے سینکڑوں دلائل ضبط تحریر میں نہیں لا سکے، جو کچھ لکھا گیا ہے گو مختصر ہے مگر امید ہے کہ طالبان تحقیق کے لئے باعث تسلی و تشفی اور علماء دین کے لئے اطلاع مبین کا باعث تسلی و تشفی اور علماء دین کے لئے اطلاع مبین کا باعث ثابت ہوگا۔ اس سلسلے میں فقیہہ العالم





محدث اعظم و مفتی اعظم پاکستان استاذنا المکرّم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب دامت برکاتہم کا مصدقہ فتویٰ حرف آخر اور قول فیصل کی حیثیت سے پیش خدمت ہے جو ہمارے رسالہ کے لئے تکمیل اور مقاصد کے لئے تتمیم اور طالبان حق کے لئے تبشیر اور نعمت عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔

# صدراول کے طبقات مفسرینِ قران کریم





## فہرست

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَلَا یَاْتُوْنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰکَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا'' (الفرقان آیت ۳۳)

ترجمہ ''اور یہ لوگ نہیں آتے ہیں آپ کے پاس کوئی پیچیدہ سوال لیکر مگر ہم لے آتے ہیں دوٹوک جواب اور بہترین تفسیر۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآ ن کریم کے بعض مقامات کی تفسیر خود فرمائی، مثلاً حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے

''وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلاً وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ '' (سورۂ بقرہ آیت ۴۱)

اس کی تفسیر خود قرآن کریم میں موجود ہے ''فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلاً '' (سورۂ بقرہ آیت ۷۹)

پہلی آیت سے حکم نامعلوم تھا کہ مصداق آیت کا کونسا طبقہ ہے اور دوسری آیت میں وضاحت کردی گئی کہ جو لوگ دین میں تحریف کرتے ہیں اور اغراض دنیا کیلئے غلط مسائل بتاتے ہیں یہ وعید اُن لوگوں کیلئے ہے۔

مثال۲۔ ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ''(سورہ نساء آیت ۵۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا، اولوالامر کی تفسیر میں مفسر اعظم ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر جس کو حافظ ابن تیمیہ مرحوم اصل التفسیر اور ام التفسیر کہا کرتے تھے (دیکھئے منہاج السنۃ) نے متعدد اقوال نقل کئے ہیں مثلاً شیخین، خلفائے راشدین، حضرات صحابہ ؓ اور فقہاء کرام اور حکمرانان اسلام وغیرہ، لیکن اولی الامر سے مراد دین کا وہ طبقہ ہے جن کا علم استنباط اور استخراج کے درجے میں ہو۔ ان سے حضرات مجتہدین اور فقہاء کرام مراد ہیں اور یہ تفسیر خود قرآن کریم سے ثابت ہے، شائد یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت میں فقہ اور فقہاء کا ذکر آیا ہے اور علم کے کسی دوسرے درجے یا مقام کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے وقت یہ ارشاد فرمانا ''اللّٰھم فقھه فی الدین'' (بخاری ج۱ص۲۶) ''اللھم علمه الکتٰب'' (بخاری ج۱ص۱۷)۔

آنحضرت ﷺ نے علماء امت کا منصب اور ضرورت فی الدین بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''فقیه واحد اشد علیٰ الشیطٰن من الف عابد'' (ترمذی ج۲ص۹۷)

اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو حدیث کے نام پر بے دینی کا پروپیگنڈہ کر کے فقہ اور فقہاء سے امت کو متنفر کرنے کا مذموم اور ناروا گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے جس میں آپ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا کہ وہاں پہنچ کر لوگوں کے فیصلے کس سے کرو گے؟





حضرت معاذؓ نے کہا ''بکتاب اللہ فقال فان لم تجده فیه قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فیها قال اجتهد برأیی'' (ترمذی ج۱ص۲۴۷)

(وقد صحّحه ابن القیم فی اعلام الموقعین)

''قال السیوطی فی تدریبه علیٰ تقریب النوی وقد یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقته الامة بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح''

بہرحال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فقہ اور اجتہاد کے مطابق فیصلے کرنے کا سن کر آنحضرت ﷺ خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا حمد اور شکر بجالائے۔

تفسیر کا دوسرا درجہ جس میں آنحضرت ﷺ نے تفسیر فرمائی ہو، آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی قرآن کریم کے زندہ وتابندہ علمی وعملی تفسیر ہے، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ''انّا انزلنا الیک الکتٰب بالحق...الخ (النساء آیت ۱۰۵)

دوسری جگہ ارشاد ہے ''وانزل الله علیک الکتٰب......الخ (النساء آیت ۱۱۳)

اور ''لتبیّن للنّاس مانزل الیه'' (النحل آیت ۴۴) بہرحال یہ تفسیر بہت طویل ہے اور احادیث کی ان گنت کتابیں اور تفاسیر اس سے لبریز ہیں۔ آئمہ حدیث نے کتب احادیث میں جو تفاسیر کے عناوین قائم کئے ہیں جیسے امام بخاری کی کتاب التفسیر، امام ترمذی کی کتاب التفسیر، امام حاکم نیشاپوری کی کتاب التفسیر وغیرہ کے علاوہ دیگر احکام اور امور پر مشتمل احادیث بھی درحقیقت قرآن کریم ہی کی تفاسیر ہیں۔ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کے بعد حضرات صحابہ، تابعین اور ائمہ اجتہاد اور فقہ کی مختلف اور متنوع جدوجہد بھی تفسیر کا شاہکار ہے۔

تفسیر زاہدی میں انشاء اللہ تعالیٰ اس مختصر جائزے کی تفصیل ملے گی جو علماء کرام اور زبان
فارسی کے شناوروں کیلئے بہترین خزائن علم اور دولت سرمدی ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کا منصب بیان فرمایا ہے
''ویعلمهم الکتٰب والحکمة''(الجمعہ آیت۲)اور''لتبین للناس مانزل الیه''
یعنی آنحضرت ﷺ کا منصب قرآن وسنت سمجھانا تھا۔صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہؓ فرماتے
ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمیں استخارہ فی الامور ایسا سمجھاتے تھے
''کمایعلمناسورة من القراٰن'' (بخاری ج۱ص۱۵۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ایک سورۃ حضرات صحابہ کرام
کو سبقاً سمجھایا اور پڑھایا کرتے تھے۔ابن عباسؓ کو رات کے اندھیرے میں خدمت عزیزہ
پر آنحضرت ﷺ کی دعا تفسیر قرآن جاننے کی اس سلسلہ تعلیم ہی کی کڑی تھی اور ابن عباسؓ سے
بخاری کتاب التفسیر وغیرہ میں مروی ہے کہ وہ مشکل آیات کی تفسیر حضرت عمرؓ سے سمجھنے کے
انتظار میں رہتے تھے۔دیکھئے بخاری کتاب التفسیر''ان تتوبا الی اللہ فقد صغت
قلوبکما''(بخاری ج۲ص۷۳۰)چنانچہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب کی یہ شان تھی کہ
''اعمقهم علماً''یعنی ان کے علوم بڑے گہرے تھے۔صحابہ کرام کے شاگرد حضرات
تابعین بھی تفسیر قرآن کے خاصے ماہر تھے۔چنانچہ امام مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ،المتوفی ۱۰۲
ھ نے تفسیری روایات جمع فرمائی تھی،جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ،امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ،امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بڑا کام لیا ہے۔اسی
طرح ابیؓ بن کعبؓ کی تفسیر اور ابن عباسؓ کی تفسیر بروایت علی بن ابی طلحہ،المتوفی ۱۴۳ھ





پر بھی اعتماد رہا ہے۔ابن خلکانؒ نے کہا ہے کہ ابن جریج''اول من جمع الاحادیث
بمکة''(مقدمہ فتح الباری)ابن جریج کی تفسیر مکتوب تفاسیر میں اول سمجھی گئی۔چنانچہ ابن
ابی تغلب،المتوفی ۲۴۲ھ محمد بن سائب کلبی،المتوفی ۱۴۴ھ اور نحو کے امام،امام کسائی
،المتوفی ۱۸۲ھ اور امام العربیہ قُطرب المتوفی ۲۰۶ھ اور معانی قرآن کے امام فراء
،المتوفی ۲۰۷ھ جن کے بارے میں مشہور ہے''لولا الفراء لبطلت العربیة''

ہندوستان کے دور آخر کے سب سے بڑے عالم امام العصر حضرت
مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تفاسیر قرآن کی تعداد دو لاکھ تک پہنچ چکی
ہے (یتیمۃ البیان ص ۲۶ لشیخنا مولانا یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ استاذ گرامی
قدر حضرت مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیروی رحمۃ اللہ علیہ)

بزرگ بن شہریار رامہرمزی نے (عجائب الہند) میں لکھا ہے کہ محروق بن رائق
بادشاہ نے ۲۷۰ھ میں عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز گورنر منصورہ کو لکھا کہ میرے پاس ایک
ایسا عالم بھیج دو جو قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر ہندی زبان میں کرسکے،چنانچہ مسلمان بادشاہ
نے مہاراجہ کے پاس اپنا عالم بھیجا اور انہوں نے ہندی زبان میں قرآن کا ترجمہ ومفہوم
پڑھانا شروع کردیا،جب سورۃ یٰسین کی (آیت ۷۹)''قل یحییها الذی انشأها اول
مرة وهو بکل خلق علیم''پر پہنچے تو عالم دین کی تشریح وترجمہ سن کر مہاراجہ نے زمین بوس
ہوکر زاروقطار رونے کے بعد اسلام قبول کرلیا۔

(رجال الہند والسندھ ص۲۵۴)

مفسر عراقی نے جو ترجمہ یا تفسیر سندھی زبان میں لکھی تھی یہ قرآن کا پہلا ترجمہ تھا اور یہ

اسی عالم کا تھا جس کے ہاتھ پر مہاراجہ مسلمان ہوا تھا۔ مشہور محدث عبد بن حمید، المتوفی ۲۴۹ھ جوسندھ میں علاقہ ''کچھ'' کے رہنے والے تھے۔ سید محمد گیسودراز المتوفی ۸۲۵ھ اور علی مہائمی بمباوی کی تفسیر بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی تفسیر ''بہر مواج'' بزبان فارسی ۸۴۸ھ سے پہلے لکھی گئی ہے۔ شیخ لطف اللہ نوح ہالائی کا ترجمہ قرآن فارسی ۹۹۸ھ سے پہلے مکمل ہوا۔ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ملاجیون جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ''تفسیرات احمدیہ'' پر بھی ایک حد تک اعتماد رہا ہے۔

## ضروری وضاحت

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جن حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوران کے صاحبزادوں کے تراجم وتفاسیر کو فارسی کے اول تراجم کہا ہے درست نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بے شمار تراجم وتفاسیر موجود ہیں۔

## تفسیرِ قرآن کے بڑے ماہرین جن کو ائمہ تفسیر کہتے ہیں

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مرتبے ومقام کا یہ عالم تھا کہ ان کے حق





میں ۲۰ سے ۲۸ تک آیات نازل ہوئی ہیں جن کو جلال الدین سیوطی نے مستقل رسالے کے شکل میں جمع کر کے نام رکھا ہے ''الیانع التمر فی موافقات عمر'' جوالحاوی للفتاویٰ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

(۳) حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ۔

آپ رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم ﷺ کے داماد تھے اور صحابہ کی جماعت میں وہ واحد صحابی ہیں جنہیں عثمان جامع القرآن کا خطاب ملا۔

(۴) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت ابیُ بن کعب رضی اللہ عنہ

آپ ان چھ بزرگ ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں حفظ کیا تھا، کاتب وحی ہونے کے علاوہ مشہور مفتی تھے، آپ رضی اللہ عنہ قرآن کمیٹی کے صدر تھے، آپ رضی اللہ عنہ سید القراء کہلاتے تھے اور آپ ہی کو پیغمبر ﷺ نے ''اقرأ ھذہ الامۃ'' اس امت کا سب سے بڑا قاری کہا ہے۔

## آپ رضی اللہ عنہ کی سند تفسیر یوں ہے

ابوجعفر رازی عن ربیع بن انس عن ابی العالیہ، ابوالعالیہ کی وفات ۹۲ھ میں ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس سے زیادہ کام کیا ہے۔ حاجی خلیفہؒ نے کشف الظنون میں کہا ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تفسیر کا بڑا حصہ منقول ہے جو سنداً صحیح ہے۔ تاش کبریٰ زادہؒ نے مفتاح السعادہ میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی ضخیم

تفسیر بحوالہ ابوجعفر رازیؒ بسند صحیح ذکر کیا ہے۔(مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۴۰۴)

## (۶) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

جن کی کنیت ام عبد ہے، بخاری وغیرہ میں بھی آپ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے مسواک، تکیے اور جوتے اٹھاتے اور خدمت کے لئے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے ''صاحب النعلين والطهور والوساد'' (بخاری ج ۱ ص ۲۷) کہلاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے آپ سے قرآن سنا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم دس آیات سمجھ کر عمل کر کے آگے بڑھتے تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے تعداد (۴۰۰۰) چار ہزار سے متجاوز ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دیر تک کوفہ میں رہے، وہیں ان کا فیض علم پھیلا، شاگردوں کی ایک بڑی تعداد وہیں تھی، کوفہ کو دینی علوم کی ترویج کیلئے مرکزیت حاصل تھی، اس لئے فقیہ عراق امام ابوحنیفہؒ نے اپنی فقہ اور اجتہاد کی بنیاد یہیں رکھی۔(فقه اهل العراق و حديثهم للامام زاهد الكوثري)

## (۷) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

آپ رضی اللہ عنہ معمر ترین افراد امت میں سے تھے۔ مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۵۰ سال تھی، مگر امام العصر مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۵۰ سال نقل فرمائی ''واعلم ان عمر سلمان كان ثلث مائة وخمسين سنة'' (فیض الباری ج ۴ ص ۹۸۴) ۳۵ھ میں مدائن میں انتقال ہوا ہے، شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی معروف اور مستند کتاب مبسوط





میں لکھا ہے کہ فارس (ایران) کے نو مسلموں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھا کہ وہ چونکہ ابھی ابھی اسلام لے آئے ہیں اس لئے عربی زبان میں نماز نہیں پڑھ سکتے اس لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان کو سورۃ فاتحہ کا فارسی ترجمہ کر کے بھیجا کہ عربی سیکھنے تک اس سے نماز پڑھا کرو۔(مبسوط ج ۱ ص ۳۷ طبع مصر)

## (۸) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

آپؓ آنحضرت ﷺ کی زوجہ و ناموس تھیں ''فی الدنیا والآخرۃ'' نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں ''خلفائے راشدین کے بعد سب سے بڑی فقیہا تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کے علمی مواخذات کبار اصحاب پر مشہور ہیں مقبلی یمنی نے مستقل جمع کئے ہیں۔

(مسند عائشة في مااخذت عائشه على الصحابه) آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۸ھ ۱۷ رمضان المبارک ۱۳ جون ۶۷۸ء میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

## (۹) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ابن عم تھے اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے، آپ رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر سے خدمت رسول میں حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ صغر سنی کے باوجود علم کبیر سے مالا مال تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے وسیع و عریض علوم کے صحابہ گواہ تھے، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی پنچائیت مشہور تھی۔ بیشتر تابعین مفسرین آپ رضی اللہ عنہ ہی کے

تلامذہ تھے، امام التفسیر امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ۳۰ مرتبہ قرآن کریم پڑھا، آپ کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس، ضحاک، عطاء مشہور ہیں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تنویر المقباس فی تفسیر بن عباس ابوطاہر محمد یعقوب المتوفی ۸۱۰ھ نے جمع کی ہے، اس کا سلسلہ اسانید بوجہ محمد بن مروان الکلبی، غیر مستندر ہا ہے تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایات کا مجموعہ بھی اس میں ضخیم موجود ہے۔ آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔

## (۱۰) ابوالعالیہ رفیع بن مہران بصری

آپ کا نام رفیع بن مہران اور کنیت ابوالعالیہ ہے۔ آنحضرت کے وصال کے دو سال بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرف بااسلام ہوئے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ قرآن پڑھا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تفسیر پڑھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ توان کو اپنے پاس بٹھاتے تھے۔ آپ قرآن کریم کے بہترین حافظ شمار کئے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا ہے۔

## (۱۱) سعید بن جبیر ہشام الاسدی

آپ نسلاً حبشی تھے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جب لوگ مسائل پوچھنے آتے ابن عباس رضی اللہ عنہ سعید بن جبیر کی طرف اشارہ کرتے گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ان پر بڑا اعتماد تھا، قتادہ





نے کہا ہے کہ تابعین میں سب سے زیادہ قرآن جاننے والے سعید بن جبیر ہیں، طبری نے کہا ہے ''ھو ثقة امام المسلمین حجة'' ابن حبان نے کہا ہے ''کان عبداً فاضلاً ورعا'' شمس الدین ذہبیؒ نے فرمایا ''ھو احد اعلام'' آپ پر ارباب صحاح ستہ نے حسن اعتماد کیا ہے، عبدالملک بن مروان کے التماس پر آپ نے قرآن کی ایک باقاعدہ تفسیر لکھی جس سے خلیفہ نے اپنے کتب خانہ کو آراستہ کیا، حجاج بن یوسف ثقفی نے سیاسی بربریت کا انہیں نشانہ بنایا اور ۹۵ھ میں شہید کردئے گئے۔

**نوٹ:** حجاج بن یوسف نے عراق میں ۲۰ سال حکومت کی اس دوران (۱۲۰۰۰۰) ایک لاکھ بیس ہزار انسان مرے، جیل خانوں میں پچاس ہزار مرد اور عورتیں شہید ہوئیں، سعید بن جبیر کی شہادت کے بعد حجاج بن یوسف سونہ سکا ایک دن راحت کا گذار نہ سکا۔ یہ چند حضرات جو ائمہ تفسیر بلکہ ان کے بھی مشائخ تھے، مختصراً ذکر دئے گئے۔

## (۱۲) اباالاسود بن عمرو بن اسفیان

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، ان کی وفات ابن حجر کے خیال میں ۹۹ھ میں ہوئی ہے اور ایک قول ۱۰۱ھ کا بھی مشہور ہے۔

## (۱۳) ضحاک بن مزاحم

ہلال خراسان کے مشہور عالم اور مفسر قرآن تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے، آپ سے پڑھنے والے اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ آپ سواری پر بیٹھ کر طلباء کی حاضری اور نگرانی فرماتے تھے، کسی کسی دن آپ کے ہاں تین ہزار شاگردوں تک تعداد پہنچتی

تھی، قرآن کی تفسیر ان سے منقول ہے ۱۰۲ھ میں خراسان میں انتقال ہوا۔

## (۱۴) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ

آپ کا وطن افریقہ تھا ابن عباس کے غلام تھے انہی سے پورا علم حاصل کیا۔ عبداللہ ابن عباس کے بیٹوں نے باپ کے علم کے احترام میں آزاد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابوہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کسب فیض کیا۔ بخاری، مسلم میں ان کی روایات کثرت سے موجود ہیں۔ آپ کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی۔

## (۱۵) مجاہد بن جبر

آپ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے (۳۰) تیس مرتبہ قرآن کریم پڑھا۔ اصحاب ابن عباس میں آپ سب سے قابل سمجھے جاتے تھے۔ ابن سعد، ابن حبان اور ابن جریر نے آپ کی تفسیر پر اعتماد کیا ہے۔ امام ابن جریر اپنی تفسیر میں ابوبکر حنفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو کہتے سنا ہے کہ ''جب مجاہد سے منقول کوئی تفسیر تمہیں میسر آ جائے تو اسے کافی سمجھو'' (تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۳۰)۔ مجاہد ۱۰۴ھ میں بحالت سجدہ مکہ میں فوت ہوا۔ ۱۰۱ھ ۱۰۲ھ ۱۰۳ھ سب روایات موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ نے حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے





بھی کسبِ فیض فرمایا ہے، آج کل امام مجاہد کی تفسیر باقاعدہ شائع ہو چکی ہے۔

## (۱۶) طاؤس بن کیسان

یمن کے رہنے والے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ ۴۹ صحابہ کے شاگرد رہے ان کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جملہ مشہور ہے ''انی لاظن طاؤس من اھل الجنة'' مجھے امید ہے کی طاؤس جنتیوں میں سے ہے۔ صحاح ستہ میں آپ کی روایات موجود ہیں، آپ نے چالیس حج کئے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر روایات مرتب کر چکے۔ آپ ۱۰۶ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔

**وضاحت** : امام صاغانی نے کہا ہے کہ بہتر ہے کہ طاؤس ایک ''و'' کے ساتھ لکھا جائے۔

## (۱۷) عطاء بن ابی رباح

آپ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں ۲۷ھ کو ہوئی۔ آپ جسمانی اعتبار سے کمزور تھے لیکن علم اور عمل میں باکمال تھے۔ آپ نے ابن عباس، ابن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے کسب فیض کیا۔ کودان کا بیان ہے کہ میں نے دوسو (۲۰۰) صحابہ کا زمانہ پایا ہے۔ اہل مکہ آپ پر بہیت اعتماد کرتے تھے اور اپنے زمانے میں آپ علم کا معیار سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ۱۰۶ھ میں ہوئی۔

## (۱۸) حافظ ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ

آپ عربی الاصل اور مادرزاد نابینا تھے۔ امام ابن سیرین کے شاگرد تھے اور ابن

سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو احفظ کہا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قتادہ تفسیر قرآن میں اور اختلاف الفقہاء میں سب سے مقدم ہیں۔علماء عراق نے آپ کو بصرہ کا بڑا عالم مانا ہے۔آپ کا انتقال ۱۱۷ھ میں ہوا۔

## (۱۹) امام حسن بصری

ابن سعد نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''حسن بصری خلافتِ فاروقی کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور وادیٔ القریٰ میں پروان چڑھے''۔آپ کی والدہ حضرت خیرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندھی تھیں۔آپ کبارِ تابعین میں سے تھے۔آپ بڑے فصیح، بلیغ، عابد، زاہد اور یکتائے روزگار خطیب تھے۔آپ قرآن کریم کے بہت بڑے ماہر تھے اور احکامِ حلال وحرام میں اعلیٰ پائے کی بصیرت رکھتے تھے۔صحاح میں آپ کی روایات موجود ہیں۔آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔

## (۲۰) عطیہ بن سعد

آپ نے کسب علم حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے کیا۔ان کے علاوہ دیگر کبار اصحاب اور تابعین بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔آپ کو معانی قرآن پر کافی عبور حاصل تھا۔آپ کی وفات ۱۱۱ھ میں ہوئی۔

## (۲۱) محمد بن کعب قرضی

آپ بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، تفسیر کا یہ





عالم ہے کہ کہا گیا ہے کہ جس روایت کو محمد بن کعب قرضی نہیں جانتے وہ روایت تفسیر کی نہیں ہوسکتی۔ ابن عون کا قول ہے کہ ''میں نے محمد بن کعب سے بڑھ کر مفسر قرآن نہیں دیکھا۔آپ کی وفات وعظ کے دوران چھت کرنے سے ۱۱۸ھ میں ہوئی۔

## (۲۲) قیس بن مسلم الجدلی الکوفی

آپ کو قرآن کا بہت بڑا ماہر تصور کیا جاتا تھا۔آپ نے کسبِ علم جلیل القدر تابعین سے حاصل کیا جن میں سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور شعبہ رحمۃ اللہ علیہ شامل ہیں۔آپ کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

## (۲۳) اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن

آپ سدّی کے نام سے مشہور ہے سدّی کا معنیٰ دروازہ ہے، جامع مسجد کوفہ کے دروازہ کے باہر آپ خرید وفروخت کرتے تھے اس لئے سدی مشہور ہیں، حضرت انس بن مالک اور ابن عباس کے تفسیر کے شاگرد ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے محدثین نے آپ سے روایت کی ہے، آپ کی وفات ۱۲۷ھ میں ہے۔

فائدہ : سدی کے نام سے دو مفسر مشہور ہیں پہلے کو السدی کبیر کہتے ہیں اور دوسرے کو السدی صغیر کہتے ہیں۔

## (۲۴) عبداللہ بن ابی نجیح المکی

آپ امام مجاہد کے خاص شاگرد تھے اور تفسیر قرآن کے بڑے ماہر تھے۔آپ کی

وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔

## (۲۵) زید بن اسلم

آپ مدینہ منورہ کے باشندہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔علم تفسیر میں اونچے مقام پر فائز تھے۔علی بن حسین بن علی آپ کے درس میں بیٹھتے تھے۔آپ کے بڑے شاگردوں میں امام مالکؒ ہیں ۱۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

## (۲۶) الربیع بن انس

آپ کا تعلق بصریٰ سے تھے اور آپ حضرت بکر بن وائل کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے آپ کو ملاقات کا شرف حاصل تھا۔حجاج بن یوسف کے زمانے میں آپ بصریٰ سے مروا چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کر لی۔ابوجعفر کی خلافت کے زمانے میں ۱۳۶ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

## (۲۷) علی بن ابی طلحہ

آپ کی کنیت ابوالحسن تھی ولادت جزیرہ میں ہوئی، زمانہ علم حمص میں گزارا، قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ابن عباسؓ سے نقل کی اس نام کا ایک صحیفہ تیار کیا جو امام لیث المتوفی ۱۴۳ھ کے پاس موجود تھا، کہا جاتا ہے کہ بخاری اور ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیریں ان سے نقل کی ہیں، امام احمدؒ کا ارشاد ہے کہ مصر میں تفسیری صحیفہ ہے جو علی بن ابی طلحہ سے روایت ہے، اگر مصر کیلئے صرف اس کا سفر کیا جائے تو کوئی مہنگا سودا نہیں، ابن کثیر وغیرہ کے ہاں ان





کے اقوال موجود ہیں، علی بن ابی طلحہ کی وفات ۱۴۳ھ کو ہوئی۔

## (۲۸) عمرو بن عبید بن باب ابوعثمان

آپ بڑے زاہد، متقی اور متکلم مشہور تھے۔آپ کا تعلق موسیٰ بن عقیل سے تھا۔ آپ کی کتاب التفسیر عن الحسن بصری مشہور ہے۔آپ کی وفات کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔۱۴۲ھ، ۱۴۳، ۱۴۴ھ اور ۱۴۸ھ۔

بحمداللہ تم

# دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے

اسلام دشمن عناصر وقتاً فوقتاً اسلام کے خلاف زبان درازی کرتے رہتے ہیں۔ انہی عناصر میں سے ایک کیپٹن عثمانی کا فرقہ بھی ہے جس نے ایک زمانے میں ایک رسالہ لکھا تھا کہ مساجد کے آئمہ اور مؤذنین چونکہ تنخواہ لیتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے نماز وغیرہ پڑھنا حرام ناجائز ہے۔ حضرت الشیخ کی نظر اس قسم کے دسیسہ کاروں کی طرف تھی اس لئے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے حضرت الشیخ نے اس کا رد کرتے ہوئے یہ رسالہ تحریر کیا اور اس مسئلہ کو قرآن، حدیث اور فقہ کی روشنی میں حل کیا۔ (محمد ہمایوں مغل)





بسم اللہ الرحمن الرحیم

**الحمد للہ و کفٰی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد!**

اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر نے دین اسلام مخلوق کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' (سورۃ اٰل عمران آیت نمبر۱۹) دین ماننے اور جاننے کے لئے جناب نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے اور کل کائنات کو ان کی اتباع کرنے کا پابند فرمایا ہے۔

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰه'' (سورۃ نساء آیت نمبر۶۴)

آنحضرت ﷺ کو جو لائحہ عمل دیا ہے وہ قرآن کریم ہے اور قرآن کے جاننے کے لئے اور اس پر صحیح عمل کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی زندگی کو واجب الاطاعت بنایا ہے

''وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُه''

(سورۃ اٰل عمران آیت ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نبی ﷺ کی زندگی ہی اصل دین ہے لیکن یہ دین اللہ رب العالمین نے اولاً حضرت صحابہ کو سمجھنے اور آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائی صحابہ کرامؓ کی

ان کاوشوں کو جس جماعت نے مسائل واحکام کے ساتھ مرتب فرمایا ہے وہ فقہاء کرام ہیں اور جن حضرات نے احادیث رسول اور آثار صحابہ اور تابعین کی محافظت فرمائی ہے وہ محدثین کہلاتے ہیں، قیامت تک دین پر چلنے والوں کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا گیا کہ وہ ان اکابرین امت کا احترام کریں احکام ومسائل میں حضرات فقہاء جو بحکم قرآن ''اولی الامر'' ہیں اور حضرات محدثین جو ناقلین حدیث اور راویان اسلام ہیں ان کی پیروی کریں۔ چودہ سوسالہ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ لوگوں میں اسلام اور ایمان کی محافظت اور بقاء کی وجہ قرآن وحدیث کے ان شاہسواروں پر اعتماد رہا ہے جن کی وجہ سے دین دنیا میں تاباں ہے مگر بدنصیب لوگ جیسے پیغمبر خدا ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرامؓ کے قدر ومنزلت کے منکر ہوکر ہمیشہ کے لیے منافقین قرار دے دیئے گئے اسی طرح بعد کے زمانے میں فقہاء کے مقام پر بے اعتمادی کرنے والے اور محدثین کی خدمات جلیلہ پر شک کرنے والے مختلف ناقدین اور انکے باطل فرقے وجود میں آئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کا باقاعدہ انکار تو نہ کر سکے اور نہ حدیث کا صریح لفظوں میں انکار کی جرأت کر سکے کیونکہ اس طرح ان کی کافرانہ رفتار میں سست روی واقع ہوجاتی مگر آئمہ اربعہ جیسے متبوعین کی تقلید کو قرآن وسنت سے اپنے سامنے سے ہٹانے لگے، بالکل اسی طرح زمانہ حال میں مختلف فرقے اور فتنے ہیں جن میں سے بعض تو صراحت کے ساتھ علماء کرام ''جو ہر دور اور ہر زمانے میں اسلام کی حفاظت کا ہراول دستہ اور دین کے اعتماد کا عظیم سرمایہ رہا ہے'' سے اعتماد ہٹانے لگے کیونکہ جب تک علماء دین سے اعتماد نہ ہٹے اور لوگ ان کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھنے لگیں کوئی بھی فرقہ اور فتنہ اپنے ناروا نظریات میں اور بے ہودہ خیالات میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ





غلام احمد قادیانی نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حضرت عیسیٰؑ کی حیات کا عقیدہ علماء کرام کا قرآن و سنت سے متصادم ہے جبکہ اس عقیدے پر ہر زمانہ میں اجماع رہا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے قرآن کریم کی متعدد آیات اور صحیح احادیث موجود ہیں، دیکھئے ''عقیدة الاسلام'' اور ''التصریح'' وغیرہ۔

اسی طرح عنایت اللہ مشرقی نے فتنہ انکار حدیث کو پروان چڑھانے کے لیے علماء کرام پر ناروا حملے کئے اور ''مولوی کا غلط مذہب'' وغیرہ رسائل لکھے۔ حال ہی میں ایک فرقہ نے اپنے ان روحانی آباؤ اجداد کے ایصال ثواب کے لیے اور ان کے پیغام افتتان کو مشتہر کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ دینی امور جیسے تدریس، امامت، تعلیم اذان وغیرہ پر معاوضہ لینا معاذ اللہ حرام اور ناجائز ہے اور یہ علماء ان حرام کاموں کے مرتکب ہیں مقصد یہی تھا کہ جب تک ان علماء پر مطلوبہ اعتماد برقرار ہوگا ہمارے ہر غلط عقیدے کے سلسلے میں عوام ان سے رجوع کریں گے اور ان کی نشاندہی کے بعد ہمارا وہ نظریہ اور عمل آگے نہیں بڑھ سکے گا لہٰذا ان دین کے ستونوں سے مطلوبہ اعتماد اٹھانے کے لیے خود انہیں بے دین کہہ دیا جائے تاکہ سو میں سے پانچ یا دس بھی ہمارے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر ان پر مطلوبہ اعتماد کھو بیٹھیں اور یوں وہ ہمارے نظریات کے شکار ہوسکیں۔ اسی طرح انہیں یہ بہت مشکل تھا کہ مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دیتے کہ نماز باجماعت نہ پڑھا کریں یا اذان کا احترام نہ کریں یا مدارس دارالعلوم اور جامعات کو دینی درسگاہیں نہ سمجھا کریں کیونکہ ایسا کہنے میں شاید کوئی بھی ان کا ساتھ نہ دیتا لہٰذا دوسرا راستہ اختیار کیا کہ یہ تعلیم و تدریس امامت وتاذین جس پر عموماً ضروریات بشریہ کی وجہ سے معاوضہ لیا اور دیا جاتا ہے انہیں بے

دین اور حرام خور کہا جائے تو خود بخو دلوگوں کا آئمہ اور علماء سے اعتماد اٹھ کر نماز با جماعت چھوٹ جائے گی اور اذان کا احترام ختم ہو کر معاذ اللہ مساجد ویران ہونے لگیں گی۔ مدارس اور جامعات سے بے اعتماد ہو کر بڑے سے بڑے فتنے اور فرقے کے لیے ماحول ساز گار ہو سکے گا۔

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ"

(الصّف آیت ۸)

زیر نظر رسالہ میں ہم اس بات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ امور دین جیسے تدریس اور تعلیم امامت اور اذان وغیرہ پر ضرورتاً معاوضہ لینا کہاں تک جائز ہے، علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان جو وجوہ زیر بحث ہیں میں انہیں زیر بحث نہیں لانا چاہتا ہوں علماء کرام اس سلسلے میں میری معذرت قبول فرمائیں۔

اس کے لیے امہات فقہ تفسیر وحدیث یہ عظیم کائنات الحمد اللہ پوری تابانیت کے ساتھ موجود ہیں میں زمانہ حال میں ان امور دین پر اجرت کے جواز قرآن وسنت اور ادلہ دین کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ شیطانی فرقوں نے علماء اور آئمہ کے خلاف جو زہر اگلنا شروع کیا ہے ان کے ان شیطانی داؤ پیچ سے عامتہ المسلمین محفوظ رہ سکیں۔ عام طور پر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آیت

"وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ"

(بقرہ آیت نمبر ۴۱)

ایسے مواقع سے متعلق ہے اور وہ اسکے ترجمہ سے تعلیم دین امامت اور اذان یا تدریس وغیرہ





کا حرام ہونا ثابت کرتے ہیں جبکہ اس آیت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصول تفسیر کے مطابق تفسیر کا پہلا درجہ وہ تفسیر الایۃ بالایۃ ہے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔

"وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا"

(الفرقان آیت نمبر ۳۳)

اور یہ نہیں لاتے ہیں آپ کے پاس کوئی پیچیدگی مگر ہم لے آتے ہیں آپ کے پاس حق اور بہترین تفسیر کر کے۔

مفسرین نے " القران یفسر بعضه بعضا" حدیث سے بھی تفسیر کا یہ اونچا درجہ مستفاد فرمایا ہے جیسا کہ معتبرات تفاسیر کے مقدمات میں موجود ہے ملاحظہ ہو "یتیمة البیان" الاتقان" "وغیرہ لہٰذا "ولا تشتروا" آیت کی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

"فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا" (البقرہ آیت نمبر ۷۹)

پس تباہی ہے ایسے لوگوں کی جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے اور پھر کہتے ہیں یہ ہے اللہ کی طرف سے تا کہ لیں اس پر تھوڑا سا مال۔ معلوم ہوا کہ آیت کا تعلق تعلیم دین، امامت اور مؤذنی پر تنخواہ سے ہرگز نہیں بلکہ جو لوگ غلط مسائل لکھ کر انہیں دین کا حصہ بتاتے ہیں، آیت میں وعید شدید ایسے لوگوں کے لئے ہے چنانچہ مشہور زمانہ مفسر علامہ آلوسی بغدادیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا

"وقدصح انهم قالوا يا رسول الله اناخذ على التعليم اجرافقال ان خيرما اخذتم عليه اجرا كتاب الله تعالىٰ وقد تظافرت اقوال العلماء على جواز ذالک" (روح المعانی پارہ نمبر ا صفحہ نمبر ۲۴۵)

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم تعلیم پر اجرت لے سکتے ہیں؟ سو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہترین اجرت وہ ہے جو تمہیں کتاب اللہ کی تعلیم میں ملے اور علماء کے اقوال بے شمار اس کے جواز میں موجود ہیں مزید لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے آیت سے تعلیم پر تنخواہ کا ناجائز ہونا سمجھا ہے وہ غلطی پر ہیں

"ولادليل فى الأية على ماادعاه هذا الذاهب كمالا يخفى والمسئلةمبينةفى الفروع" (پارہ نمبر ا ص ۲۴۵)

بعض لوگوں نے سورۂ انعام کی آیت "قل لا اسئلكم عليه اجراان هوا لا ذكرىٰ للعٰلمين (الانعام آیت نمبر ۹۰) سے بحوالہ مدارک قرآن وحدیث کی تعلیم پر اجرت ناجائز لکھا ہے مگر یہ درست تفسیر نہیں ہے قواعد دین کے مطابق جو تفسیر کی گئی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں

" واستدل بالأية على انه يحل اخذ الاجر للتعليم وتبليغ الا حكام كلام للفقهاء على طوله"

(مشہور غنی عن البیان ج ۷ ص ۲۱۸)

اس آیت سے تعلیم اور تبلیغ احکام پر اجرت لینا ثابت ہوا ہے بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پر اجرت لینے کو اپنی صحیح میں گناہ فرمایا ہے





اور باب باندھا ہے

"باب من رايا بقراء ة القران اوتاكل اوفجر به فجربه

(بخاری ج ۲ ص ۷۵۶)

مگر واضح رہے اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی ایسی حدیث ذکر نہیں فرمائی جس سے تنخواہ کی حرمت معلوم ہوتی ہو بلکہ اس کے بعد کتاب النکاح میں متعدد طرق سے صحیح مرفوع اور مسند حدیث نقل فرمائی کہ جس تنگدست صحابیؓ کے پاس مہر کے پیسے نہیں تھے تو آنحضرت ﷺ نے قرآن کی چند سورتیں جو انہیں یاد تھیں خاتون کا عوض مہر بنا کر اس کے ساتھ نکاح پڑھایا چنانچہ ملاحظہ ہو (بخاری ج ۲ ص ، ۷۷۱،۷۷۲،۷۷۴، ۷۵۹،۷۶۲،۷۶۷،۷۶۸،۷۶۹) بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ باب

"باب التزويج على القراٰن وبغير صداق"

(بخاری ج ۲ ص ۷۷۳)

ایسے لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں بعض لوگوں نے کچھ روایات پیش کی ہیں جن سے اجرت کا ناجائز ہونا انہوں نے سمجھا ہے مگر علی التحقیق ایسی تمام روایات ضعیف ہیں علامہ آلوسی بغدادی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"وروى فى ذلک ايضا احاديث لا تصح"

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۴۵)

صحیح البخاری، ابوداؤد اور دیگر صحاح ستہ میں حضرت عمرو بن سلمہؓ کا واقعہ موجود ہے کہ ان کو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں اپنے قبیلے نے امام چنا تھا اور ضرورت کی وجہ

سے قوم نے مل کر ان کے لیے چندہ کیا اور ان کے کپڑے سی کر دے دئے ابوداؤد (ج ا
صفحہ ۸۶) بخاری (ج۔۲صفحہ ۶۱۶) اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ
مبارک میں بھی امامت وغیرہ پر بشری ضروریات کی کفالت رائج تھی اور یہ جائز اور عبادت
سمجھ کر کئے جاتے تھے۔ اسی طرح بخاری شریف اور دیگر کتب میں آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ
کا سورہ فاتحہ پڑھنے پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بکریوں کا ایک ریوڑ جو تیس
بکریوں پر اور بعض روایات میں اس سے زیادہ پر مشتمل تھا لینا ثابت ہے صحابہ کرامؓ کو
اعتراض تھا کہ اس نے قرآن کریم پر یہ اجرت لی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "
**احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله** " کہ سب سے زیادہ حقدار تم اس اجرت کے ہو جو
تمہیں کتاب اللہ پر ملے اور تسلی خاطر کے لیے فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا ہے

"**اقسموا و اضربوا لی معکم سهمًا**" (بخاری ج ا ص ۳۰۴)

کہ آپس میں تقسیم کر دو اور میرا حصہ بھی اپنے ساتھ مقرر کر لو۔

یہ بات اپنی جگہ کہ یہ رقیہ تھی یا علاج یا دوسری کوئی وجہ لیکن حضرت ﷺ
کا ارشاد کتاب اللہ پر اجرت لینے کے جواز میں صریح ہے اسی لیے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

"**واستدل به للجمهور في جواز اخذ الاجرت على تعليم القران**"

(فتح الباری ج ۴ ص ۵۳۰)

یعنی جمہور جو تعلیم قرآن کی اجرت کے جواز کے قائل ہیں انکے لئے اس حدیث
سے استدلال کیا گیا ہے خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین سے تقریباً اجماع نقل
کیا ہے کہ وہ جواز اجرت کے قائل تھے۔





"**وقال الحکم لم اسمع احدا کره اجر المعلم**" (بخاری ج ا ص ۳۰۴)

کہ حضرت ﷺ حکم فرماتے ہیں کہ میں نے کسی آدمی سے نہیں سنا جو تعلیم دینے
والے کی تنخواہ اور اجرت کو ناجائز سمجھتا ہو اسی طرح امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ
معلم کو بغیر شرط کے جو کچھ دیا جائے وہ اسے قبول کرے، امام حسن بصریؒ اور امام ابن سیرینؒ
بھی جواز کے قائل تھے (بخاری ج ا ص ۳۰۴)

خود خیر القرون میں مال فئی اور غنیمت کے بعض حصے آنحضرت ﷺ کے بعد علماء
ائمہ کرام، مؤذنین جنہیں ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی انہیں تنخواہیں دی جاتی تھیں (روح
المعانی پارہ نمبر ۲۸ صفحہ ۴۶ سورہ حشر) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے پیش نظر
احناف متاخرین نے تعلیم، امامت مؤذنی وغیرہ پر اجرت کے جواز کا فتوی دیا ہے جس کے
لیے مندرجہ ذیل معتبر کتابیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ہدایہ ج ۳ ص ۳۰۱

"**وبعض مشائخنا استحسنوا الا ستيجار تعليم القران اليوم لانه ظهر التوالى فى الامور الدينية ففى الامتناع تضييح حفظ القرآن وعليه الفتوى**"

(۲) فتح القدیر ج ۸ ص ۴۰، ۴۱

(۳) کفایہ ج ۸ ص ۴۰، ۴۱

(۴) البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹

(۵) مبسوط سرخسی جزء ۱۶ ص ۳۷

(۶) قاضی خان علی الہندیہ ج ۲ ص ۳۲۵

(۷) عالمگیری ج ۴ ص ۴۴۸

(۸) شرح مجلّہ لرستم باز ص ۳۴

(۹) رسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۶۰، ۱۶۱

(۱۰) فتاوی شامی (ردالمحتار) ج ۵ ص ۳۸

(۱۱) فتح الباری ج ۴ ص ۵۳۰

(۱۲) المنحل العذب المورود ج ۳ ص ۲۰۸ تا ۲۱۰

(۱۳) بنایہ شرح ہدایہ ج ۷ ص ۹۴۲

(۱۴) فیض الباری ج ۳ ص ۲۷۶، ۲۷۷

بعض لوگوں نے مولانا محمد طاہر صاحب پنجپیر والے (رحمۃ اللہ علیہ) کے اپنے بزرگوں اور اساتذہ کے بارے میں پرتشدد جملے نقل کئے ہیں سو یہ کوئی فتوی یا تحقیقی مقالہ نہیں ہے بلکہ ردعمل ہے جیسا کہ ''ضیاء النور'' سے واضح ہے چنانچہ اس بارے میں حتمی اور دوٹوک فیصلہ محدث کبیر مفسر اعظم حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ملاحظہ فرمائیں

**''اما على المختار للفتوى فى زماننا فيجوز أخذا لأجر للامام والمؤذن والمعلم والمفتى كماصرحابه فى كتاب الاجارات ،اقول ولكن الدليل عام فيمكن ان يعم الحكم فى كل ماظهر فيه التوالى وعدم العناية الائقة بشأنه والله أعلم''** (معارف السنن ج ۲ ص ۲۴۱)

مندرجہ بالا کتب حدیث، فقہ تفاسیر اور شروح معتبرہ سے واضح ہوا کہ زمانہ حال





میں امامت مؤذنی، تعلیم، تدریس، اور دیگر تمام امور دینیہ پر اجرت اور تنخواہ وغیرہ لینا شرعاً درست اور جائز ہے جو لوگ اسکے خلاف کہتے ہیں وہ خالص کارخناس انجام دیتے ہیں جو مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا کرتے ہیں اس لئے قرآن کریم کی آخری سورتوں میں ایسے لوگوں کے شر سے پناہ مانگنے کی امت مسلمہ کو تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ فتنہ آخر زمان ہے جس کا کام احترام دین کو نقصان پہنچانا ہے۔حق تعالیٰ شانہ اہل باطل کے دسیسوں سے اور وساوس سے حفاظت عطا فرمائیں (آمین)

# تقریر ختم بخاری شریف





## فہرست

الحمد لله جل و علا و صلیٰ الله و سلم علیٰ رسوله المصطفیٰ و نبیه المجتبیٰ و امینه علیٰ وحی السماء وعلیٰ اٰله النجباء و اصحابه الاتقیاء افضل الخلائق بعد الانبیاء ومن بهدیهم اقتدیٰ وبآثارهم اکتفیٰ من المفسرین والمحدثین و الفقهآء الیٰ یوم الجزآء اما بعد

فبالسّند المتصل الیٰ امیر المومنین فی الحدیث ابی عبد الله محمد بن اسماعیل البخاری الحافظ الحجة الثقة الذی اتفق العلماء علیٰ جلالته ووسعة اطلاعه و غزارة علمه فی الأثار و الاخبار والاسانید شرقا و غربا رحمه الله تعالیٰ رحمة واسعة قال رحمه الله

**باب** قول الله ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمة وان اعمال بنی آدم و قولهم یوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومیة ویقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر **حدثنا** احمد ابن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال النبی صلّی الله





علیه وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم ۔

وصلیٰ الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و علیٰ آله و اصحابه اجمعین

اللہ تعالیٰ نے انسان کی رشد وہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔ اسلامی عقائد کے مطابق پہلے انسان بھی آدم علیہ السلام ہیں اور پہلے پیغمبر بھی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، آدم علیہ السلام سے پہلے قرآن کریم نے کہا ہے

"وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ" (سورۃ الحجر آیت ۲۷)

جنات کی تخلیق پہلے ہے۔

## سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی ؟

یہ مسئلہ کے سب سے پہلے کیا چیز پیدا ہوئی اس میں تین چار روایتیں ہیں

"اول ما خلق الله العقل"

یہ روافض کے یہاں معروف ہے اور اہل سنت کے یہاں بالاتفاق مکذوب و موضوع ہے۔ دوسری روایت جابر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ یہ "مصنف عبد الرزاق" میں موجود ہے، زرقانی وغیرہ نے بے احتیاطی کر کے اس کے حوالے دیئے ہیں اور وہیں سے "نشر الطیب" میں بھی حوالہ آیا ہے۔ رأس المبتدعین نے اسی روایت پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھی ہے۔

"یا جابر ان اول ما خلق الله نور نبیک"

لیکن ہماری معلومات کے مطابق اب تک مصنف عبدالرزاق کے سترہ (۱۷) مختلف نسخے چھپ چکے ہیں اور دنیا میں رائج ہیں ان میں یہ روایت کسی بھی زاویے میں موجود نہیں ہے، اور یہ بات قرآن کریم سے اقرب ہے کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کسی آیت میں صراحتاً یا اشارتاً یہ نہیں فرمایا ہے جس سے اس روایت کی کوئی تائید ہوتی ہو بلکہ اس کا عکس ہوا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (سورۂ ذاریٰت آیت ۵۶)

جن وانس ہی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، ملائک تو تھے ہی عبادت کے لئے لیکن وہ ملکوتی مخلوق ہیں

''وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ'' (سورۂ نجم ۲۶)

ارضی مخالیق میں جن وانس مکلّف ہیں یا معشر الجن والانس اور اس میں ایک روایت اس طرح آئی ہے کہ

اول ما خلق الله القلم فقال اكتب قال ما اكتب قال اكتب القدر
ما كان وما هو كائن الىٰ الابد (ترمذی ج۲ ص۳۸)

یعنی من الصفات والاسماء یہ روایت اصح فی الباب ہے، کیونکہ ابوداؤد اور ترمذی دونوں میں یہ روایت موجود ہے، اور ان کے علاوہ بھی کئی معتبرات میں موجود ہے۔

## ایک غلط خیال اور اس کا ازالہ

دوسرے لوگ کبھی تو کہتے ہیں کہ انسان پہلے بندر تھا، کبھی کہتے ہیں کہ یہ کچھوے





کی شکل میں تھا۔ یہ سرگردانی کا عالم ہے کیونکہ بیماری میں جب آدمی سرگردان ہوتو وہ کمزور باتیں کرتا ہے۔ اس قسم کی بہکی بہکی باتیں وحی کے مذاہب نے کبھی نہیں کیں۔ انسان کی شکل کبھی بھی غیر انسان کی نہیں تھی، یہ بات قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، قرآن کریم نے جو ان کی سزائیں ذکر کی ہیں وہ ان کے برے اعمال کے بعد ہیں قرآن کریم میں ہے کہ

''ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ'' (سورۂ التین آیت ۵)

یہ اسفل السافلین اور درک اسفل کی جو سزائیں ہیں یہ برے اعمال کے بعد مقرر ہوئی ہیں اس سے پہلے کوئی دور ایسا نہیں گزرا، یہ سب باتیں خلاف عقل اور خلاف روایت ہیں۔ پہلے انسان اور پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ بعض معتزلہ اور بعض خوارج اور مرزائی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پیغمبر نہیں تھے۔ لیکن یہ خیال کتاب وسنت کی روشنی میں غلط اور بے بنیاد ہے۔

آدم علیہ السلام کے ساتھ جو خطاب ہوا ہے اور جو ان کے شرائف اور فضائل بیان ہوئے ہیں اور انہیں مسجود ملائک بنایا گیا ہے یہ ان کی نبوت اور رسالت کے تکوینی ادلہ ہیں۔ اسلامی عقائد کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان اور پہلے پیغمبر ہیں اور انبیاء کرام کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہو کر جناب نبی کریم ﷺ پر ختم ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد قیامت تک کسی قسم کی نبوت ورسالت باقی نہیں۔ البتہ ایک پیغمبر جماعت انبیاء میں سے ایسے ہیں کہ جن کی دعا قبول ہوئی ہے اور شرف امت محمدیہ کے حصول کے طور پر وہ دنیا میں تشریف لائیں گے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ضروری عقائد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ عقائد رکھنا ضروری ہیں کہ

(۱) وہ انسان تھے۔

(۲) وہ بغیر مس بشر کے حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔

(۳) وہ خدا کے پیغمبر تھے۔ ”وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ“

(سورۂ اٰل عمرٰن آیت ۴۹)

(۴) وہ عنصری موت نہیں مرے ہیں ۔

(۵) وہ آسمانوں پہ اٹھائے گئے ہیں۔

(۶) قرب قیامت پھر نزول فرمائیں گے

(۷) وہ اس امت کے اعلیٰ اور وفادار جنرل ہونگے۔

## جہاد کی اہمیت اور ضرورت

جنرل تو اب بھی ہیں لیکن وہ کمزور ہیں۔ وہ اپنے حق میں کم اور دوسروں کے حق میں کام زیادہ کرتے ہیں۔ اس کو پتہ نہیں کہ جہاد کس کو کہتے ہیں اور دہشت گردی کس کو کہتے ہیں ایک عرصہ تک کہتا رہا کہ جہاد اور دہشت گردی میں بہت فرق ہے، اب جب ان کے آقاؤں کا دباؤ بڑھ گیا تو وہ کہنے لگا کہ ان مجاہدوں میں دہشت گرد بھی شامل ہیں معاذ اللہ استغفر اللہ جہاد تو امت محمدیہ کا طرۂ امتیاز ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا

**الجهاد ماض منذ بعثنى الله الى ان يقاتل اٰخر هذه الامة الدجال لا يبطله**





**جور جائر ولا عدل عادل** (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۷)

یہ جہاد جاری رہے گا اگر روئے زمین ساری عدل سے بھر جائے تب بھی جہاد کی ضرورت رہے گی اور اگر روئے زمین پر ظلم ستم پھیل جائے تب بھی جہاد کی ضرورت رہے گی۔ جہاد مار دھاڑ کو نہیں کہتے جہاد اعلاء کلمۃ اللہ اور قمع باطل کی کوششوں اور تدابیر کو کہتے ہیں۔ سورۃ الفرقان کی آیت ” وجاهدهم به جهادا كبيرا“ (فرقان آیت ۵۲) مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صبر اور عفو کی زندگی گزار رہے تھے بالفعل جہاد نہیں تھا مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد دوسرے سال جہاد شروع ہوا ہے اور جہاد کی اجازت آئی ہے اور پھر بدر سے شروع ہو کر تبوک تک جا کر غزوات مکمل ہوئے۔ آیت نازل ہوئی ہے مکہ مکرمہ میں اور جہاد بالفعل نہیں تھا تو علماء کرام فرماتے ہیں کہ جہاد کی تیاری کرنا بھی جہاد ہے حکمت عملی اور مصلحت ہے۔ تیرہ سال تک نبی نبوت کی آنکھ سے دیکھتے رہے اور کعبۃ اللہ اور مکہ پر مشرکین کا تسلط تھا اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ قرآن کریم میں سورہ علق میں یہ مضمون موجود ہے:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ (سورۂ علق آیت ۹،۱۰)

کہ یہ لوگ حضرت کو نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے حتیٰ **اسلم عمر** یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے اور ہم سب قوی ہو گئے۔ وہ تیرہ سال جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ میں گزارے وہ بھی جہاد کی زندگی ہے یہ مدینہ منورہ کی زندگی کیلئے تیاری فرمائی ہے۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ جو ہتھیار اور اسلحہ موجود نہ ہوا ان

کے دستیاب ہونے تک انتظار کرنا بھی جہاد ہی کا مرحلہ ہے، جیسے مسلمان بادشاہوں نے ایک عرصے تک غفلت کی ہے اوران کی غفلت سے کفار نے فائدہ اٹھا کر جدید اسلحہ تیار کر لیا حالانکہ ہمارے پیغمبر پر جب یہ آیت نازل ہوئی

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّة (سورۂ انفال آیت ۶۰)

تو صحابہ کرام نے پوچھا کہ ''ما القوة'' کہ حضرت قوت کیا ہے؟ ''قال هو الرمی'' ( مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۶) فرمایا کہ یہ تو رمی ہے یعنی دور سے مارنا ہے۔ محدثین کو یا مفسرین کو اگر اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اورانہوں نے سہم اور تیر کے پھینکنے کو رمی کہا ہے۔ تو یہ ان کا ایک عذر تھا جب سواریوں کا ذکر ہوتا تھا تو لوگ اونٹ اور خچر اور گدھے کا ذکر کرتے تھے سائیکل اور موٹر سائیکل کار اور ٹرک بس اور ریل گاڑی ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز کا ذکر نہیں کرتے تھے ان کا وجود نہیں تھا، لیکن ذکر نہ کرنا یہ دلیل عدم وجود کی نہیں ہے، محدثین کے یہاں بھی ایک قاعدہ ہے!

''عدم ذکر الشئی لیس بدلیل لعدم وجود الشیء''

## آواز کی تشہیر کا مسئلہ

کبھی کبھی ایک چیز بتدریج آ موجود ہوتی ہے اور یہ طویل مبحث ہے ایسے ہزاروں لاکھوں مسائل ہیں جن کا وجود وقت کے ساتھ پیدا ہوا آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا آپ حجۃ الوداع میں خطبہ دے رہے تھے سوا لاکھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو معروفین تھے اس سے بڑی تعداد اور حضرات کی موجود تھی اتفاق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خیمہ سب سے آ





خر میں ملا تھا اور انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ایسے خطبہ دے رہے تھے ''فکانہ یخاطبنی'' گویا مجھے خطاب کر رہے ہیں، یہ آپ کا معجزہ تھا آواز دور تک جاتی تھی۔ اب وہ ضرورت لاؤڈ اسپیکر نے پوری کی ہے دیگر آلات نے پوری کی ہے۔

شاطبی غرناطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''موافقات'' میں نقل کیا ہے کہ جو ضرورت نبی کی وحی سے اور معجزے کے طور پر پوری ہو جائے اور وہ مخصوصات کے قبیل میں سے نہ ہو جیسے معراج پر جانا اور قرآن کریم کا نازل ہونا یہ مخصوصات ہیں ایک ایسا معجزہ جو نبی کو بطور اعجاز کے ملے اور وہ مخصوصات کے قبیل میں سے نہ ہو امت مادی محنت اور مشقت کے ذریعے سے اس کو حاصل کر سکتی ہے، اس کا ذکر میں نے پیغام مسرت میں بھی کیا ہے۔ انکو یہ بھی تکلیف ہونے لگی کہ جی مولویوں کے پاس لاؤڈ اسپیکر ہوتا ہے، اس کی آواز دور تک جاتی ہے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، کچھ نقصان اپنوں نے کیا تھا، تو انہوں نے کہا دور کا قریب کا باہر کا اور اندر کا فرق ہے اسی کو لیکر کے انہوں نے اس کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اس عاجز نے آج سے دس پندرہ سال پہلے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اس میں لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے کی شرعی حیثیت پر کلام کیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز دور تک جا سکتی ہے، اس پر پابندی لگانا شرعاً قانوناً عرفاً غلط ہے وہ کتاب موجود اور چھپی ہوئی ہے، اور عام دنیا میں بٹی ہوئی ہے ''پیغامِ مسرت'' اور وقت کے مقتدر فقیہ اور علیٰ الاطلاق مفتی اعظم پاکستان حدیث اور اسلامی علوم کے اسکالر ہمارے استاذ حضرت اقدس حضرت مفتی ولی حسن رحمہ اللہ صاحب کی تقریظ اور تصدیق دونوں اس کو حاصل ہے۔ یہ بھی معجزات میں سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے حضرت سعد ابن ابی

وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے بازار میں حضرت کی آواز سنی کہ نماز شروع ہوگئی اور وہاں
کسی ضروری کام سے جلدی گئے اور واپس آئے، پھر سنت پڑھی اور جماعت میں شامل
ہوگئے۔

## نماز میں قرأت سنت کے مطابق ہونی چاہیئے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز میں سنت کے مطابق طویل سورتیں پڑھتے تھے
،سورۃ کہف اور سورۃ یوسف آپ کا عام معمول تھا۔سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو واقعہ
بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی رکعت میں سورت یٰسین مکمل پڑھی ہے اب یہ
بھی ایک سہولت کر دی گئی کہ قرأت مختصر سی ہو قطع نظر اس کے کہ درسگاہ ہے لوگوں کی عظیم
تعلیم گاہ ہے اور لوگ وہاں دین سیکھنے آتے ہیں بلکہ درسگاہوں کی مساجد میں اور بھی زیادہ
خفیف قرأت کی جاتی ہے، والیٰ اللہ المشتکی.' وہ طبقہ جو خالص دین کیلئے ہے وہ کیسے
قرأت کے اندر تھکتا ہے یا طویل نماز سے اکتاتا ہے۔نماز تو مقاصد میں سے ہے زوائد
میں سے نہیں ہے۔ہمارے اکابر اور بزرگوں نے یومیہ قرأت پر عمل کیا ہے۔آنحضرت ﷺ
کی ہر دن کی قرأت معلوم ہے احادیث وآثار میں ہر نماز کیلئے سورتیں معلوم ہیں اور پسندیدہ
اور ارشاد فرمودہ سورتیں بتائی گئی ہیں۔نمازیں سنت کے مطابق پڑھائی جائیں قرأت میں
ان تمام سورتوں کی پڑھنے کی کوشش کی جائے، جو سنت سے ثابت ہیں۔بعض آئمہ اپنی منزل
کے اعتبار سے پڑھتے ہیں قطع نظر اس کے کہ یہ خلاف سنت ہے، بعض ایسے بھی ہیں جو چاند
کی تاریخوں سے پڑھتے ہیں کہ آج یکم ہے جی تو میں پہلا پارہ پڑھتا ہوں، کل دو ہے دوسرا





پارہ پڑھتا ہوں یہ سب خلاف سنت باتیں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس طرح منزل
آدمی بیٹھ کر پڑھے یا نفلوں میں پڑھے فرائض کے اندر پوری قوم کا لحاظ ہے اور دین اور
سنت کا باقاعدہ لحاظ ضروری ہے اس واسطے جناب نبی کریم ﷺ کو کہا گیا!

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ (سورۂ نساء آیت١٠٢)

جب آپ تشریف فرما ہیں تو نماز آپ پڑھائیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ دونوں فرماتے ہیں!

اهل العلم والفضل احق بالامامة (بخاری ج١ص٩٣)

علماء فقہ اور فضیلت والے وہ نمازیں پڑھایا کریں۔قاری صاحب اور حافظ
صاحب کی ضرورت اس کے بعد ہے، پہلے علم کی ضرورت ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ''امالی'' میں ہے، کہ جب حضرت امام اعظم ابو
حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ! عالم آدمی نمازیں پڑھائیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا
کہ حضرت قرأت کی ضرورت تو دو رکعتوں میں ہے، فرض نماز کی دو رکعتوں میں قرأت
ضروری ہے باقی آخری دو میں ''ان شاء قرأ وان شاء سکت وانشاء سبح'' ہدایہ
میں ہے۔تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
قرأت کی ضرورت تو دو رکعتوں میں ہے، تو حضرت نے فرمایا اور علم کی ضرورت نماز کے ہر
جز میں ہے، ہر ہر جز میں علم درکار ہے، جہاں سے علم فوت ہو گیا وہاں اندیشہ ہے کہ فساد
آجائے گا۔

## آپ ﷺ کی زندگی مکمل طور پر محفوظ فرمائی گئی ہے

جناب نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ نے محفوظ فرمائی ہے، اور اس حفاظت کیلئے تکوینی نظام دوطریقے سے چلائے گئے، ایک تو جو کتاب جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی قرآن کریم اس کی حفاظت فرمائی گئی ’’اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ‘‘ (سورۂ حجر آیت ۹) ۔اور یہ حفاظت پیغمبر ﷺ کے ذریعے پیغمبرؑ کے صحابہ ؓ کے ذریعے تابعینؒ کے ذریعے پوری فرمادی گئی۔

بخاری شریف میں ایک کمسن بچے کا ذکر ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ایسی جگہ رہتے تھے، جہاں سے لوگ گزرتے تھے’’کان ممر الناس‘‘اور بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ میں پانی کا چشمہ تھا لوگ وہاں پانی پینے اور پانی بھرنے قافلے والے آتے تھے، اور لوگ تذکرے کرتے تھے۔کہ ایک شخص مکہ میں پیدا ہوا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ان میں اور ان کی قوم میں سخت اختلاف ہے اور پھر یہ باتیں بھی ہونے لگیں کہ اس نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کی۔وہ بچہ کہتا ہے کہ اس وقت یہ بھی بیان ہوتا تھا کہ اس پیغمبر پر کونسی سورۃ نازل ہوئی، وہ تلاوت ہوجاتی تھی، اور میرے دل میں بیٹھ جاتی تھی، میرا سینہ قرآن سے بھرجاتا تھا۔

جب ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت دی اور ان کی تکالیف ختم فرمائیں، اس وقت ان کا قبیلہ اور دیگر قبائل کیساتھ منتظر تھا کہ اگر یہ پیغمبر برحق ہیں تو مکہ سے اور کعبہ سے زیادہ دور نہیں رہے گا۔جب حضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کیا





تو لوگ جوق در جوق اسلام لانے کیلئے ٹوٹ پڑے، ہمارا قبیلہ بھی چلا آیا، اور مسلمان ہوگیا آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا! تم میں جس کو قرآن زیادہ یاد ہو وہ نماز پڑھائے، تو فرمایا مجھے تو پہلے سے زیادہ سورتیں یاد ہوئی تھیں، انہوں نے میرے علاوہ کسی کو نہیں پایا، جس کو مجھ سے زیادہ قرآن یاد ہو، اور مجھے امامت کیلئے مقرر فرمایا، اور آگے بڑھایا۔تو ظاہر ہے ایسے کم سن بچوں کے دل ودماغ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم بٹھایا ہے، یہ حفظ قرآن کا اعجاز ہے

قرآن کریم کے حفظ کیساتھ نبی کی زندگی محفوظ ہورہی تھی، اور نبی کی زندگی چند چیزوں پر مشتمل تھی موافقین مخلصین جیسے صحابہ کرامؓ ان کے احوال بھی ضبط ہوگئے۔اور مخالفین کافرین یا منافقین ان کے ذمائم بھی جمع ہوگئے محفوظ ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسا نازل فرمایا کہ جن میں معنی اور الفاظ دونوں منزل من اللہ ہیں۔اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کو بھی محفوظ فرمایا اس شان سے اور اس ضرورت سے کہ صحابہ کرام کا حال بنا۔ پیغمبر کے ارشادات اور ہدایات پر عمل کرنے میں ان کو ایسی مہارت عطا کی گئی کہ ابوسفیان نے ایک موقع پر کہا ہے اور اس وقت کہا کہ وہ اسلام بھی نہیں لائے تھے کہ میں نے مشرق اور مغرب روم اور فارس کے سفر کئے ہیں لیکن۔

’’فقال ای قومِ واللہ لقد وفدت علی الملوک ووفدت علیٰ قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیت ملکاً قط یعظمه اصحابه مایعظم اصحاب محمدٍ محمداً‘‘ (بخاری ج ا ص ۳۷۹)

جو محبت اور تعلق اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو جناب نبی کریم ﷺ کیساتھ نصیب فرمایا تھا وہ بالکل مثالی تھا۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کیلئے پورے اسلام کو آسان فرمایا اور انہوں نے قرآن کریم کو ضبط کرنے کیساتھ ساتھ پیغمبرانہ زندگی بھی ضبط فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص پر ناراضگی ظاہر فرمائی اور اس سے پوچھا کہ کیا تم پیغمبر کے صحابی ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے پیغمبر کی صحبت نہیں پائی، میں اس وقت موجود نہیں تھا لیکن مجھ تک پیغمبر کا علم ایسے پہنچا ہے جیسے کنواری لڑکی کو سب کچھ پتہ ہوتا ہے۔ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جو میرے علم میں نہیں ہو۔

علماء نے عجیب بات لکھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ اور ذوالنورین کو ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے نبی کی زندگی مکمل یاد ہے، یہ نبی کریم ﷺ کا اعجاز ہے کہ بعد میں آنے والوں کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو آسان فرمایا۔

صحیح مسلم میں اور مسند احمد اور دیگر معتبرات میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر صحابہؓ سے پوچھا

قد راینا اخواننا کیا تم میرے بھائیوں کو جانتے ہو

تو انہوں نے کہا کہ آپ کے بھائی تو فرشتے ہوں گے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو ملائک ہیں پھر صحابہ نے کہا کہ ہم ہوں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

انتم اصحابی تم تو میرے صحابہ ہو

تو صحابہ نے عرض کیا کہ آپ بتائیں کہ آپ کے بھائی کون ہے؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ





اخواننا الذین لم یأتوا بعد (مسلم ج ا ص ۱۲۷)

ہمارے بھائی وہ ہیں جنہوں نے ہمیں دیکھا نہیں ہوگا ہمارے بعد آئیں گے لیکن ایمان میں بڑے پختہ ہوں گے، علم و عمل میں بڑے مضبوط ہوں گے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس بیماری میں مبتلا ہیں کہ نبی کو بھائی نہ کہا جائے۔ بڑا بھائی تو باپ کے برابر ہوتا ہے اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

"والیٰ ثمود اخاھم صالحا" "والیٰ عاد اخاھم ھودا" (سورۂ ہود ۶۱،۵۱)

اہل حق کا موقف عین قرآن وسنت کے مطابق ہے۔ بہر حال ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کی شکل میں محفوظ فرمائی اور دوسری حیثیت سے صاحب قرآن جن پر قرآن کا نزول ہوا تھا ان کی زندگی محفوظ فرمائی اور وہ احادیث اور سنت کی شکل میں ہے۔

## احادیث مبارکہ کی تفہیم کے دو طریقے

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کو جاننے کیلئے دو طبقے پیدا فرمائے ہیں:

**پہلا طبقہ** ایک طبقہ وہ جنہوں نے احادیث کے معانی اور مطالب سمجھ لئے حدیث میں اس کی مثال آئی ہے جیسے زمین پانی پی لے اور پھر اس سے فصل نکلے بہترین قسم کا اناج نکلے دوبارہ وہاں پانی موجود نہ ہو باغ لہلہاتا ہوا کھیتیاں لہلہاتی ہوئی اس طرح فقہاء ومجتہدین ہیں (بخاری ج ا ص ۱۸)، انہوں نے احادیث کو ضبط کیا اور پھر ان سے مسائل اور استنباط کے سرسبز باغ اور لہلہاتی ہوئی کھیتیاں نکل آئیں "کزرع اخرج شطئه" قرآن کریم نے بھی صحابہ کرام کی جماعت کو ایک سرسبز وشاداب کھیتی کیساتھ تشبیہ دی ہے۔

وہ جماعت جنہوں نے قرآن کریم اور احادیث کو ضبط کر کے ان کے معانی اور مطالب کی روشنی میں امت کی ضرورت پوری کی اور مسائل مستنبط فرمائے اس جماعت کا نام فقہاء ہے۔ ان فقہاءِ کرام کی بہت بڑی تعداد ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے امت کی ضرورت چار سے پوری کر دی اور ان میں سب سے پہلے اور سب سے بڑے ہمارے مذہب کے امام، الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں، امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کے بعد ہیں۔

ان حضرات کے فقہی اجتہادات اور مسائل سے امت کی ضرورت پوری ہوگئی ہے، اس وقت بھی اور آج بھی اور قیامت تک، ضرورت ان ہی کے قواعد کی روشنی میں پوری ہوتی رہے گی، کسی نئے فقیہ مجتہد کی ضرورت نہیں ہے، اور عجیب بات ہے کہ جب بھی کسی نے اسطرح کی کوشش کی تو وہ گمراہ ہوا ہندوستان میں ایک شخص آیا اور اس نے اس بات کی کوشش کی کہ کچھ روایات اور مسائل چھوڑے جائیں تو نتیجتاً انکار حدیث کا مرتکب ہو گیا۔ اور ایک شخص نے آ کر کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ماننا ضروری نہیں ہے، اور وہ معیارِ حق نہیں ہیں تو ان کی کتابوں سے بجائے دین کے بے دینی کے مظاہرے ہونے لگے۔ اور ابھی حال ہی میں ایک شخص نے کتاب لکھی ہے اور اس میں جاندار کی تصویر جائز کر دی، اپنے خیال میں اس شخص نے بڑا دھماکہ کیا ہے، لیکن اس کو یہ خیال نہیں کہ یہ دھماکہ اس نے اپنے خلاف کیا ہے اور اپنی آخرت برباد کی ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ کی حدیث "ان اشد الناس عذابا عند الله المصورون" (بخاری شریف ج۲ص۸۸۰) **اصح فی الباب** ہے۔





اور ترمذی میں ہے کہ "**باب ماجاء فی المصورین**" (ترمذی ج۱ص۳۰۸) بخاری اور مسلم کی حدیث ہے اس پر عمل کرنا ایمان ہے، اس سے انحراف کرنا یہ خطرناک ہے ہاں ضروریات اور چیز ہیں سیاستدان کہتے ہیں ہم بہت مجبور ہیں میڈیا کے سامنے اس کی ضرورت ہے اور پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کیلئے ادارے کہتے ہیں ضرورت ہے، نوٹ پر تصویریں بنائی ہے اور یہ تصاویر ہیں لیکن آیا یہ ضرورت اس درجے کی ہے جس سے اس کی اجازت ہوتی ہے۔ "**ھذہ مسئلۃ طویلۃ الذیل فی محلھا**"

"**اختلاف امتی رحمۃ**" (الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ ص۸)

**دوسرا طبقہ**　جناب نبی کریم ﷺ کی زندگی مبارک احادیث کی شکل میں محدثین نے جمع فرمائی ہیں، ان محدثین میں سے عظیم المرتبت اور عظیم الرفعت جنہیں امیر المؤمنین فی الحدیث اور رأس المحدثین کہا گیا ہے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی کتاب **الجامع الصحیح** جسے بخاری شریف کہتے ہیں یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے اور اس امت کے قابل مفاخر اعمال میں سے ہے۔ دنیا میں کتابیں بہت ہیں اور دین کی کتابیں ہیں، ضرورت کی کتابیں ہیں، شرف اور صحت کی کتابیں ہیں لیکن امام بخاریؒ کی بخاری شریف جیسی کتاب نہیں۔ امام بخاریؒ نے بڑے تقویٰ پرہیزگاری، احتیاط اور کمال جہد کیساتھ یہ کتاب جمع کی ہے، بہت ہی حیرت انگیز واقعات ہیں۔

## ایک وہم اور اس کا ازالہ

ابھی ہمارے بزرگ دوست مولانا قاری مفتاح اللہ حفظہم اللہ امام بخاری رحمہ

اللہ کے ترجمہ نگاروں کے حوالے سے بتا رہے تھے کہ یہ ہر حدیث نقل کرنے سے پہلے نہاتے تھے اور دو رکعت نفل پڑھتے تھے اور استخارہ کرتے تھے ۔ یہ لکھا گیا ہے لکھنا بہت آسان ہے سوچا جاتا تو ایسا نہ لکھا جاتا ۔ کیا امام بخاری رحمہ اللہ ہمہ وقت غسل خانے کے سامنے بیٹھے رہتے تھے یا دریا کے کنارے درس دے رہے تھے اور نہ ہی یہ کوئی سنت طریقہ ہے ۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپکا درس شروع ہورہا ہے ، آپ وضو کے بجائے نہائے بہت بہتر ہے چستی تازگی رہے گی اور دو رکعت بھی پڑھ لیں لیکن ہر روایت کے بعد اٹھے دو رکعت پڑھی اور استخارہ کیا یہ ہمارے شارحین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کی لغزشیں معاف فرمائے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی کوئی معمولی عمل نہیں ہے کہ ہر مجلس حدیث کی جب منعقد ہوتی تھی تو یہ تمام آداب بجالائے جاتے تھے ۔

## علم سے متعلق کچھ ضروری آداب

سارے مسلمانوں سے اپیل ہے اور خاص کر طلباء عزیز سے کہ علم کا کام سارا کا سارا باوضو اور طہارت کیساتھ کرو ہم نے اپنے زمانے میں ایسی بزرگ عورتوں کو دیکھا ہے کہ جو بچوں کو دودھ پلانے کیلئے بھی طہارت اختیار کرتی تھیں ، اور جن دنوں میں انہیں عذر ہوتا تھا تو صرف منہ ہاتھ دھونے کو بھی ضروری سمجھتی تھیں ، کیونکہ ’’منیہ‘‘ وغیرہ کے لوگوں نے لکھا ہے کہ جب مکمل وضو نہ ہوسکے تو کچھ حصہ جیسے چھوٹے بچے کیلئے امام طحاویؒ نے حکم نقل کیا ہے کہ بس وہ منہ ہاتھ دھو کر تلاوت کرسکتا ہے اس کو باقاعدہ وضو پر مجبور نہ کیا جائے ۔ ترمذی میں سفیان کی روایت ہے وہ کہا کرتے تھے کہ سلف کے علوم میں برکات بہت تھیں





کیونکہ وہ متوضی اور متطہر رہتے تھے باوضو ہوتے تھے ۔ امام العصر مولانا انورشاہؒ کے متعلق تذکروں میں پڑھا بھی ہے اور اپنے اساتذہ سے جو براہ راست شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے سے سنا ہے کہ حضرت نے کبھی بھی لیٹ کر مطالعہ نہیں کیا ہمہ وقت بیٹھے رہتے تھے یہ کام ایسے عظیم لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ آسان کردیتے ہیں ، کچھ مشکل اور گرانی ان کیلئے نہیں ہوتی آپ جواب بخاری کے درس میں آئے ہیں طلباء کا آخری سبق ہے بہت سارے ہمارے بزرگوں دوستوں نے دکانیں بند کیں کارخانوں اور فیکٹریوں سے آج رخصت لی ، اپنے کام کاج آج موقوف کردیے ، ایک تو اس لئے کہ احادیث رسول پیغمبر ﷺ کی وراثت ہے اور امت برابر کی شریک ہے ہم پڑھاتے ہیں اور طلباء نے پڑھ لیا ہے ، آپ اس کا مختلف طریقوں سے تعاون کرتے ہیں اور ہم سب کیلئے اس پر عمل ضروری ہے بعید نہیں ہے کہ قیامت کے دن یہی عمل کہ ہم بخاری شریف کا درس سننے کیلئے گئے تھے اور چھٹی کی تھی کہا جائے کہ بیڑا پار ہے یہی عمل نجات کیلئے کافی ہوجائے ۔ اللہ جل جلالہ کے یہاں نیکیاں جب قبول ہوتی ہیں تو چھوٹی سی نیکی بھی بہت عظیم بن جاتی ہے ’’فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین ‘‘ (سورۂ توبہ آیت ۱۰۸) اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء کے لوگوں کیلئے کہا ہے اور پھر مسجد نبوی والوں کیلئے بھی کہ یہ بڑے پاکباز لوگ ہیں اور پاکی سے ان کو محبت ہے ۔

اسلام تو دین ہی طہارت کا ہے اسلام کی بنیاد ہی تقدس اور تطہر پر ہے ۔ مال ہو تو حلال ہو کلام ہو تو شریعت کے موافق ہو اور ہمہ وقت باوضو رہیں کوئی نقصان نہیں فائدہ ہی فائدہ ہے ۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ جب اپنی بیٹی کو رخصت کررہے تھے گھر سے جانے کا

وقت تھا رخصتی کا تو اپنی بیٹی کو فرمایا ’’یابنتی توضئی کل حین‘‘ اے میری پیاری بیٹی ہمہ وقت باوضو رہو یہ مؤمن کیلئے زینت بھی ہے ضرورت بھی۔ وہ جو حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن علم بہت ہوگا اور عمل بالکل نہیں ہوگا تو وہ اس طرح کہ ان چیزوں کی طرف توجہ کم ہوجائے گی  اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ ہمارے دینی مدرسوں میں چھوٹے چھوٹے طلباء جو میزان، نورالایضاح اور نحومیر پڑھتے ہیں وہ بھی باوضو رہتے ہیں، ایک چھوٹا بچہ وضو خانے میں بیٹھا تھا پہنچ بھی نہیں رہا تھا پہنچنے کی کوشش کرتا تو گرنے لگتا تھا اس سے میں نے کہا کہ ٹھنڈ ہے سردی ہے کیوں وضو کرتے ہو کہا سبق شروع ہو رہا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ کیلئے لوٹے میں پانی لاتا ہوں کہا مجھے لوٹے سے وضو کرنا نہیں آتا، یہ ہمارے رسول کریم ﷺ کی طہارت کاملہ کی دلیل ہے۔ ایسا دین لیکر آئے ہیں چھوٹا بچہ بھی سخت سردی میں ٹھنڈی ہوا میں وضو خانے میں بیٹھا ہوا ہے، چھوٹے چھوٹے ہاتھ پہنچا رہا ہے پانی لے رہا ہے قرآن شریف پڑھنے کیلئے آیا ہے۔ ’’اللھم صل وسلم علیٰ النبی الامی‘‘ ایک عیسائی مجھ سے کچھ سوالات کرنے آتا تھا  جب وہ آجاتا تھا تو میں اس کے پاس ایک، دو گھنٹے بیٹھتا تھا بات چیت کرتا تھا وہ لکھے ہوئے سوالات لاتا تھا، میں اس کو جوابات دیتا تھا ، جب تک اس سے گفتگو ہوتی تھی تکلیف بہت ہوتی تھی  ایک دن میں نے اس سے پوچھا ، تو اس نے کہا کہ ہمارے یہاں غسل نہیں ہے ہمارے جسم سے ہمیشہ بدبو آتی ہے میں آپ کے پاس آنے سے پہلے بڑی بڑی بوتلیں عطر کی اپنے اوپر ڈالتا ہوں لیکن اگر جسم ناپاک ہو اور اس پر آپ عطر ڈالدیں تو وہ عطر بھی بدبو بن جائے گا، پاک صاف ستھرا جسم ہو اس پر آپ معمولی سی خوشبو بھی لگائیں سنت کے مطابق تو اس سے پورے طبقے اور پوری جماعت





میں خوشبو مہکے گی۔ جناب نبی کریم ﷺ کے بڑے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات محدثین سے احادیث یاد کروائیں اور محدثین کی جماعت کے سرخیل اور سرتاج وہ امام بخاریؒ ہیں، جن کی الجامع الصحیح بخاری شریف ہیں، اس پر امت کو فخر ہے اور یہ امت کا عظیم سرمایہ ہے۔

## دین ہر اعتبار سے دنیا سے افضل ہے

ہمارے ان دوستوں کو پتہ نہیں کیا بلا لگ گئی ہے کہ مدرسوں والے دنیاوی نظام سیکھیں، دنیا تو بغیر سیکھے آتی ہے کوئی نہ بھی سیکھے تب بھی جب وہ جوان ہوجائے گا تنخواہ لینے کی کوشش کریگا پیسے کمائے گا، دنیا کمانے کیلئے بہت زیادہ دیوانہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہیں بھی آپ کچھ سامان  لگائیں اور چند دن استقامت اختیار کریں اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالدے گا۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ

من اراد الدنیا فلیتجر    جو دنیا کمانا چاہے وہ تجارت کرے

ومن اراد الاخرۃ فلیتزھّد    اور جو صرف آخرت کمانا چاہے وہ بچ کر رہے

نیز فرمایا

التاجر الصادق الامین مع الانبیاء والشھداء والصالحین

(ترمذی ج۱ص۲۲۹ باب فی التجار)

وہ تاجر جو دیانت دار ہو وہ پیغمبروں کے ساتھ اٹھے گا، مگر دیانت داری ایک ابتلا ہے۔ اور مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ

’’الکذب یمحو برکۃ البیع‘‘ (بخاری ج۱ص۲۷۹ باب یمحق الکذب والکتمان فی البیع)

جھوٹ بولنے سے بیع کی خیر و برکت ختم ہوجاتی ہے۔ دنیا آزمائش اور ضروریات کی جگہ ہے جب ضرورت پیدا ہوجاتی ہے تو کوئی درزی کا کام شروع کرتا ہے کوئی پلمبر کا، کوئی ڈاکٹر بنتا ہے اور کوئی انجینیر اور کوئی فوج میں چلا جاتا ہے۔ جیسے کہ پلمبر کو کپڑا سینا نہیں آتا اور درزی پلمبر کا کام نہیں کرسکتا اور فوجی ڈاکٹری نہیں جانتا تو پھر دینی مدارس والوں کو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ آپ بھی دنیا میں آجائیں۔ دراصل مقصد دنیا میں لانا نہیں ہے بلکہ دین سے ہٹانا ہے۔ ان کو ہماری بڑی فکر ہے کہ ہم بھی قومی دھارے میں شامل ہوجائیں۔ قومی دھارا تو سارا کا سارا ہمارا تابع ہے ہم اس کے تابع نہیں ہیں، الحمدللہ۔
لوگ انتہائی محنت اور مشقت سے سونا اور چاندی کماتے ہیں اور ایک ایک پیسہ جوڑ کر رکھتے ہیں اور جب لاکھوں بن جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اب ہمیں مدرسہ تعمیر کرنا ہے اور مسجد بنانی ہے کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ جو دین لیکر آئے ہیں وہ مولویوں کا دین نہیں ہے بلکہ خدا کا دین ہے اور خدا تعالیٰ کے تمام بندے اس کا استحقاق رکھتے ہیں، وہ اس کے شرف اور عزت کے وارث ہیں۔ قیامت کے دن جس طرح امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے سر پر تاج ہوگا کہ یہ بڑے محدث ہیں اسی طرح ہمارے ان دوستوں کے سروں پر بھی عزت کے تاج ہونگے کہ جنھوں نے دارالعلوم دیوبند بنایا، دہلی اور سہارنپور کے مدرسے قائم کئے اور پاکستان میں مدرسوں کا جال پھیلایا جن کی حلال کمائی کی برکت سے آج عالیشان جگہوں میں بیٹھ کر ہزاروں طلبہ علوم دین آسانی سے حاصل کرتے ہیں۔
جس طرح علماء کو علم کا انعام ملے گا اسی طرح دین کی محنت اور تعاون کرنے والے اہل دنیا کو بھی ان کے ساتھ عزت و شرف کا مقام حاصل ہوگا۔ اگر خود ان سے پوچھا جائے آپ نے تو





آرمی کے اصول پڑھے ہیں اور اس سے آپ نے ایک قدم آگے بڑھایا فضا میں آپ مرنے والے تھے نیچے اتر گئے تو آپ پاکستان کے بادشاہ تھے اس کا کیا شکر ادا کیا آپ نے؟ آپ سے پہلے ایک قیمتی جنرل سینتیس (۳۷) قیمتی افراد کو ساتھ لیکر کے، کیا ہوا میں بکھر نہیں گئے؟ کوئی بچانے والا تھا؟ عظیم سانحہ ہے پاکستان کی تاریخ کا لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کس بے صبری اور کس اضطرار کی حالت میں کبھی پرس نکال رہے تھے کبھی موبائل ڈھونڈ رہے تھے ادھر ادھر اور جب چند منٹوں کے فاصلے سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی عزت رکھی آپ بخیریت اور عافیت نیچے اتر آئے تو آپ نے یہ شکر یہ ادا کیا کہ مدرسے بند کردیں اور طلباء کو پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جو پڑھ رہے ہیں۔ تاکہ وہ اس سے رہ جائیں یہ شکر یہ ادا ہوا ہے؟ حکم یہ تھا اور آپ پر تو اس وقت واجب یہ تھا کہ آپ جب نیچے اتر آئے تو آپ کہتے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے لہٰذا اس ملک کی تشریح اور تعبیر ''لاالٰہ الا اللہ کے مطابق ہوگی، اور لاالٰہ الا اللہ کی علمی و عملی تفسیر قرآن اور سنت ہیں، لہٰذا آج سے پورے ملک میں اسلامی آئین نافذ ہوگا۔ انگریز کے ظالمانہ اور دوسروں کو غلام بنانے والے جو قوانین ہیں ان کو یکسر روانہ کردیتے ختم کردیتے آپ نے تو اپنے دین پر چھرا چلانا شروع کردیا۔ اور آپ کہہ دیتے کہ ہم اسلامی لوگ ہیں ہمارا مذہبی دن جمعہ ہے لہٰذا ہمیں اتوار کی تعطیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا تو ہفتہ بھر میں کوئی چھٹی نہ کرو اور اگر کرنی ہے تو وہ جمعہ کا دن ہے۔ آپ اس شکر کے طور پر کہ آپ کی زندگی محفوظ ہوئی ہے آپ ملک کے مہذب طبقے علماء کرام سے پوچھ لیتے کہ بحیثیت ایک اسلامی حکمران کے مجھ پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، آپ نے ان سے دوری شروع کرلی اور ان کو پتہ نہیں کن کن نامناسب الفاظ سے یاد

کرتے ہیں آپ کو یہ فکر نہیں کہ آپ یہاں سے جانے والے ہیں۔ پاکستان کی ستاون (۵۷) سالہ تاریخ میں کتنے آئے اور گئے کس کو یہاں ٹھہرنا ہے۔

جہاں اے برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

بھائی یہ دنیا کسی کے ساتھ بھی نہیں ٹھہرتی۔

مکن تکیه بر ملك دنیا و پشت
كه بسيار كس چوں تو پرورد وكشت

دنیا اور دنیا کی چیزوں پر زیادہ سہارا نہ کرنا اس نے بہت ساروں کو پالا ہے اور گرایا ہے۔

چوں آہنگ رفتن کند جان پاك
چه برتخت مردن چه بر روئے خاك

اور جب وہ گھڑی آئے گی جس میں آپ کی روح نکلے گی اس وقت ایمان دیکھا جائے گا۔

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُO ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ
رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃًO فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیO وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْO (سورۂ فجر آیات ۲۸ تا ۳۰)

آپ کو اس کی فکر ہونی چاہئے کہ دوسرے لوگوں کو خوش کرنے کیلئے آپ روزانہ ایک نیا آرڈیننس جاری کرتے ہیں آپ نے مدرسوں اور طلباء کو کاغذ کی کشتی میں





بٹھایا ہوا ہے ہم تو سرکاری خرچے پر نہیں پل رہے ہیں ہم تو قومی اور دینی ادارے کے لوگ ہیں آپ اپنے سرکاری اداروں کو پہلے لگام دیں انکو اخلاق اور تہذیب سکھائیں انہیں قومی دھارے میں کھینچ کر لائیں وہ ہمارے بھائی ہیں وہ ہماری اولاد ہے ہماری نسل ہے ہمارے لئے فخر ہیں ان کی دینی ضرورت دنیا کی ضرورت سے بڑھ کر ہے ان کو آپ نے ایسے ہی کامل اور اکمل چھوڑا ہوا ہے۔

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

جو اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کی اجازت سے خاندان قوم اور قبیلوں کی خوشیوں کیلئے اور اللہ کی رضاء اور خوشنودی کیلئے نبوت کے علوم پندرھویں صدی میں پڑھ رہے ہیں انہیں پتہ ہے کہ آپ جیسے ابن الوقت لوگوں کے سامنے ان کو ابتلاء کا شکار ہونا پڑے گا مگر پھر بھی وہ سینہ نکال کر علوم پڑھنے کیلئے آئے ہیں اور آتے رہیں گے، انشاء اللہ ان کا شکر کرنا چاہئے، ان کے سر پر عزت اور فخر کا تاج رکھنا چاہئے۔

یہ مادی اور ٹیکنالوجی کا دور ہے دنیا پرستی کا اور پیسوں کی مشین بننے کا دور ہے۔ جو دینی اور شرعی علوم آنحضرت ﷺ لیکر آئے ہیں طلبہ کرام ان کے پڑھنے کیلئے آج بھی کمر بستہ ہیں تو وہ آپ کو اچھے ہی نہیں لگتے، اللہ تعالیٰ آپ کو روشنی دے عقل دے اسلامی فہم اور سمجھ دے ہم آپ کی فلاح اور بہبود کے قدردان اور طلبگار ہیں لیکن!

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بہرحال بخاری شریف! الجامع الصحیح دین کی معتبر کتاب ہے۔ ۲۵۶ھ

میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے اور ان سے بہت پہلے یہ کتاب مکمل کی ہے کیونکہ ان سے ان کی زندگی میں نوے ہزار شاگردوں نے بخاری شریف کی تعلیم حاصل کی ہے اور اور نسخے محفوظ کئے ہیں ۔اس وقت سے قیامت تک اس کتاب کی علمی درسگا ہوں میں اور عمل میں اللہ تعالیٰ نے لاج قائم فرمائی ہے۔ بخاری شریف کا نام سنتے ہی خاص وعام خوش ہوجاتے ہیں یہ بہترین حدیث کی کتاب ہے بخاری شریف ہمارے مذہب کی بڑی اور منتہی کتاب ہے اسی مقصد اور غرض صالح کیلئے یہ درس قائم ہوتا ہے اس درس میں ہم اپنے دوستوں کو اپنے مخلصین کو تھوڑی دیر کیلئے دنیاوی کاموں سے کچھ فرصت مانگ کر یہاں بٹھاتے ہیں، کہ آپ آئیں اور دینی مدرسے کے طلباء کی سرپرستی کریں اور وہ کرتے ہیں ۔اور یہ کہتے ہیں کہ! جی کون ان کو پیسے دیتے ہیں واہ بھائی واہ! خودنہیں دیتے اوروں کو بھی روک رہے ہیں۔انگریز نے ایک سوستر سال حکومت کی اپنے خیال سے اس نے اسلام اور مدرسوں کو ختم کیا ہے لیکن نتیجتاً ان کو ختم ہونا پڑا، بوریہ بستر باندھ کر یہاں سے جانا پڑا۔

## حکمرانوں کے لئے لمحۂ فکریہ

مدارس کے ساتھ اچھا سلوک ہونا چاہئے۔ میں نے عمرہ سے واپسی پر نمازِ فجر کے بعد یہاں کے نمازیوں سے کہا کہ دنیا اسلام کا عظیم فرزند خادم الحرمین فہد بن عبدالعزیز فوت ہو چکے ہیں تو وہاں کعبہ اور مسجد نبوی کے آئمہ حضرات نماز پڑھاتے پڑھاتے رونے لگتے ہیں اور جمعے کے خطبے دیتے ہیں تو زاروقطار روتے ہیں کیونکہ وہ دین کا سالار تھا اور اس نے حرمین شریفین اور اسلام کی ایسی خدمت کی ہے جو آفتاب ومہتاب سے زیادہ واضح اور روشن





ہے۔ وہ مرچکے ہیں اور دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کو خیر سے یاد کیا جاتا ہے۔تو میں نے کہا کہ ہمارے زمانے کے گل رنگین حکمران بھی ذرا سوچ لیں کہ یہ جب مریں گے تو ہم انکو کس طرح یاد کریں گے ؟

اب کہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز باہر نہیں جانی چاہئے اور اس پر بھی پابندی ہے، طلباء کو آپ داخل نہ کریں اس پر بھی پابندی ہے، ان کی تعداد کم کرلیں اور باہر والوں کو تو یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، جو آچکے ہیں وہ بھی چلے جائیں، مسجد اور مدرسے بغیر اجازت کے نہ بنائے جائیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ یہ جو شراب خانے بن رہے ہیں ان پر کونسی پابندی لگی ہے؟ اور قتل کی جو آماجگاہیں قائم ہوچکی ہیں ان کا آپ نے کونسا سروے کیا ہے؟ کب تلاشی لی ہے؟ کچھ سوچنا چاہئے آپ کی کونسی چیز یاد کی جائے گی؟

بارِ دنیا میں رہیں غمزدہ یا شاد رہیں
ایسا کچھ کر کے چلیں تا کہ بہت یاد رہیں

اللہ بزرگ وبرتر ان سب کو عقل سلیم اور دین کے سمجھنے کیلئے فہم وفراست عطا فرمائے ہم اس فکر اور خطرے سے غافل نہیں ہیں کہ اہل مغرب ہمارے ملک کو یا اسلامی ملکوں کو نشانہ بنا رہا ہے ہمیں تکلیف ہے اس پر ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مغرب والوں کی توجہ دوسری طرف پھیر دے اور ان کی ٹیکنالوجی اور ایٹم کو اللہ تعالیٰ خود ان کی تباہی کا سبب بنائے (آمین)۔

اگر آپ اسلام کیلئے مخلص ہیں اور دین اسلام اور ملک کیلئے واقعی اخلاص سے پیش آتے ہیں تو ہم گناہگار اور فقراء کی دعائیں شامل حال رہیں گی ،لیکن دعاؤں کا مستحق بننا

ضروری ہے۔

## دینِ اسلام کی مخالفت کرنے والے ہر دور میں موجود رہے ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جو دین کو نقصان پہنچاتے تھے وہ بہت سارے تھے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج امریکہ اور برطانیہ ہمیں تنگ کرنے لگے ہیں یہ کفار کی بہت قدیم روایت ہے ان تنگیوں ہی سے نکل کر اسلام ہر سمت، چار دانگِ عالم میں پھیلا ہے، اور پھیلتا رہے گا۔

خوارج ایک جماعت تھی جو بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بدزبانی کرتی تھی، معتزلہ ایک فرقہ تھا وہ عقل کو زیادہ ترجیح دیتا تھا اور دین کو کم، جہمیہ ایک فرقہ تھا اور ان کا بڑا جہم بن صفوان تھا اور بڑے عجیب وغریب اخلاق اور نظریات رکھتا تھا جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے اھواز میں جا کر قتل ہو گیا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ جہمی فرقہ سب سے خطرناک ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت محتاط مفتی اور فقیہ تھے جب انہوں نے بھی ان کو غلط کہا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف میں ایک مستقل عنوان اس سلسلے میں قائم کیا ہے

**”کتاب الرد علیٰ الجهمية و غير هم التوحيد “**

(بخاری ج۲ص۱۰۹۶)

پھر یہ کہ مسلمانوں کا اپنا پلیٹ فارم کیا ہوگا تو فرمایا **کتاب التوحيد**، عقیدہ توحید مضبوط رکھو کسی غلط توحیدی کو دیکھ کر ایسا نہ ہو کہ آپ بھی بدعتی بن جائیں، نہیں ہم توحید کے ماننے





والے ہیں اور توحید پر فخر اور شکر کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

من شاخ بلند پر از میوۂ توحید

از راہ گزر سنگ زدن آر نہ داریم

فرماتے ہیں کہ توحید کے پھل سے لدا ہوا سر سبز درخت کو راستے سے گزرنے والے پتھر مارتے ہیں اس سے مجھے ڈر نہیں لگتا جب پروگرام مضبوط ہوا اور عقیدہ محکم ہو تو پھر مضبوط عقیدے کیلئے آپ محنت کریں تو بڑا عنوان قائم کیا ہے **”الرد علیٰ الجهمية“** اور چلتے چلتے پھر فرمایا کہ یہ معتزلہ جو عقل پرست بنے ہوئے ہیں، ان کی باتیں بھی کمزور ہیں۔

اسلامی عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو اعمال کئے جاتے ہیں اگر وہ دین کے مطابق ہیں تو ان کو قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں تولا جائے گا، اور اگر وہ نیک اعمال نہیں ہیں تو پھر گناہوں کے پلڑے میں ڈلیں گے، اور آدمی کیلئے گناہوں کا وزن بنے گا، یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقّ (سورۂ اعراف آیت ۸)

قیامت کے دن اعمال کا تولنا برحق ہے۔

معتزلہ کہتے تھے کہ نہیں اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے وہ کیوں تولے اور کبھی کہتے تھے اگر تولنے کا ذکر بھی ہے تو اس سے مراد قیامِ عدل ہے، ان کی یہ باتیں صحیح نہیں تھیں، ائمہ اہلسنت نے اپنے اپنے زمانے میں انکار رد کیا۔ امام بخاریؒ بھی چونکہ اہلسنت کے جلیل القدر امام ہیں اسلئے انہوں نے بھی کتاب کے آخر میں ان کا رد کیا ہے۔

# حدیث پر کلام کی ابتداء

## وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ

(سورۂ انبیاء آیت ۴۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ! ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن قائم کریں گے یعنی" الموازین العادلات" القسط صفت ہوجائے گی، اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ منصوب بنزع الخافض ہے

"وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ "میں القسط کو بعضوں نے مفعول له کہا ہے اور بعضوں نے دیگر تراکیب بھی کی ہیں "لیوم القیامة" میں لام توقیت کیلئے ہے "ای لوقت یوم القیامة " قیامت کے دن ترازو قائم ہوں گے۔

### میزانِ عدل کی تحقیق

ترازو یا تو ہر عمل کا علیحدہ علیحدہ ہوگا تو یہ جمع کا صیغہ ہے، یا یہ کہ تفہیم کیلئے ہے، یعنی بہت بڑا میزان ہوگا، اور اس ایک ترازو سے سب کچھ تل جائے گا۔ احادیث میں اس کی بڑی تفصیل آئی ہے کہ اس کا ایک پلڑا نیکیوں کا ہے تو وہ بالکل سفید ہے "کفة الحسنات من النور ، وکفة السیئات من الظلم " اور گناہوں کا جو پلڑا ہے بالکل سیاہ ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے جس ترازو سے سونا اور جواہر تلیں گے وہ صاف رہیگا اور جس ترازو سے گندگی اور نجاست کو تولا جائے گا وہ میلا کچیلا ہوگا، اور وہ ترازو جو نیک اعمال کے تولنے کا





ہے وہ جنت کی سیدھ میں ہے اور وہ ترازو جو گناہوں کے تولنے کا ذریعہ ہے وہ پلڑا جہنم کی سیدھ میں ہے اور اس کو روکنے کیلئے باقاعدہ روکنے والا موجود ہے، اور ترازو عدل کا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام وہاں موجود ہوں گے، یا عزرائیلؑ ہوں گے، یا جبرائیلؑ ہوں گے کئی روایتیں ہیں کہ کون ترازو استعمال کرے گا، اور علماء نے عجیب بات لکھی ہے کہ تینوں صحیح ہیں۔

آدم علیہ السلام اس لئے ہوں گے کہ ان کی اولاد پر مقدمات ہیں وہ فریق ہیں ، اور جبرائیل علیہ السلام وکیل سرکار کے طور پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور عزرائیل علیہ السلام یا ملک الموت وہ جو تھانیدار کیس بناتا ہے وہ پھر اس محلکے کیساتھ عدالت میں پیش ہوتا ہے کہ یہ میں نے بنایا ہے۔

### اعمال کو تولنے کی کیفیت کیا ہوگی

اعمال تلیں گے اور نیکیوں کا وزن ہوگا اور گناہوں کا وزن نہیں ہوگا، نیکیاں بھاری رہیں گی، کیونکہ وہ قیمتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک نوٹ ہے سکہ رائج الوقت سو روپے کا آپ نے دوکاندار کو دیا اور اس نے کہا کہ بالکل صحیح ہے کیا چاہئے؟ یہ اس نوٹ کی اہمیت ہے لیکن اگر آپ اس کو ایک خوبصورت رنگ کا نقشہ دیں یا کوئی خوبصورت کاغذ دیں تو وہ کہے گا کہ اس کو چھوڑو یہ بیکار ہے اس سے پتنگ بنالو، اس سے کچھ بھی نہیں ملیگا یہ بے وزن ہے آپ نے ایک چھوٹا سا ذرہ نکالا اور سنہار نے کہا کہ یہ تو بہترین سونا ہے اور یہ دو تولے سے کم نہیں ہے اس کے اتنے پیسے بنتے ہیں پھر آپ نے بہت ساری مقدار میں لوہا د

کھایااس نے کہا یہ زنگ آلودلوہا ہے بےکار ہے اسے پھینک دو کباڑ یا بھی اس کونہیں لیگا۔

تو حسنہ کا وزن ہے اور سیئہ کا وزن نہیں ہوتا وہ تو بے وزن چیز ہے دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں آدمی کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے اس نے قرآن حفظ کیا ہے یہ علم حاصل کر رہا ہے یہ کہتا ہے نا! کوئی یوں تو نہیں کہتا یہ میرا بیٹا ہے اس نے چار چوریاں کی ہیں چھ دس اور بھی کریگا ایسا کوئی باپ تعارف کراتا ہے اس کو دیکھ کر شرماتا ہے یہ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا، تو دنیا کے اندر بھی نیک اعمال قیمتی ہیں وزن دار ہیں اور برائیاں شرم کی باعث ہیں۔

’وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ‘‘ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو قائم کریں گے۔ **وان اعمال بنی آدم وقولهم يوزن** اور بے شک اعمال بنی آدم اور انکے قول تولے جائیں گے۔ اعمال ہاتھ سے بھی ہوتے ہیں، پیروں سے بھی ہوتے ہیں آنکھ اور ناک سے بھی ہوتے ہیں کسی کو ناک ایسی کرو کسی کو آنکھوں سے غلط اشارے کرنا، لیکن قول صرف زبان سے ہوتا ہے تو ایک کو جمع لے آئے اور ایک کو مفرد اگرچہ بخاری کے بعض نسخوں میں **قولهم** کی جگہ **اقوالهم** بھی ہے۔

’’**وقال مجاهد**‘‘ ، مجاہد بن جبر رحمہ اللہ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں تیس (۳۰) مرتبہ ان سے قرآن کا علم حاصل کیا ہے اور چونکہ استاد کے ساتھ بہت دیر تک رہے ہیں تو ملازم مع الشیخ صحبت کثیرہ کیساتھ محدثین کے یہاں زیادہ متقن ہوتا ہے تفسیر میں بھی وہ معتبر ہیں ویسے بھی مجاہد کا نام مبارک ہے جہاد سے ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو موت سجدے کی حالت میں دی ۱۰۱ھ ، ۱۰۲ھ، ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ میں مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔





وزن اعمال کی یہ آیت ایک جگہ ’’**وزنوا بالقسطاس المستقيم**‘‘ (سورۃ شعراء آیت۱۸۲) ہے یعنی وزن کا صیغہ آیا ہے امام بخاری ؒ بھی اسی مناسبت سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے ہیں۔

## لفظ قِسطاس کی تحقیق

توامام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ جو قسطاس کا لفظ ہے بمعنیٰ ترازو اور سیدھا پن ہے یہ **العدل** کو کہتے ہیں برابری اور مساوات کو۔ ’’**وزنوا بالقسطاس المستقيم**‘‘ یعنی ایسے ترازو سے ناپو اور تولو جو ٹھیک اور صحیح ہو رومی زبان کے اندر یہ مساوات اور برابری کو کہتے ہیں۔ گویا ایسے الفاظ کا بھی قرآن کریم میں استعمال ہے جو عجمہ ہیں ’’والمسئلة الاختلافية فی السلف‘‘ ۔ ’’ ويقال القسط مصدر المقسط‘‘ کہتے ہیں کہ قسط بھی مقسط کا مصدر ہے یعنی محذوف الزوائد ، اصل کو دیکھ کر ورنہ تو مقسط ’’اقسط يقسط‘‘ سے ہے اور اس کا مصدر اقساط آتا ہے قِسط یا قَسط نہیں آتا لیکن اصل صیغہ تو قسط کا ہے اس سے اضافہ ہو کر کے اقسط يقسط بن گیا، **وهو العادل** ’’جب یہ اَقْسَطَ يُقْسِطُ سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے انصاف کرنے والا۔ اور اگر یہ قَسَطَ سے ہو تو قاسط بمعنیٰ ظالم کے ہوگا ’’ واما القاسط فهو الجائر‘‘ ، قرآن کریم کی آیت ہے ’’**واما القٰسطون فكانوا لجهنم حطبا**‘‘ (سورۂ جن آیت۱۵) **قاسطون** بمعنیٰ **ظالمون** اور **جائرون** کے ہے وہ ناپسندیدہ ہے، یعنی یہ ایک صیغہ ہے لیکن اس کے استعمال کا فرق ہے، اگر یہ مزید میں ہو تو یہ محمود ہے۔ ’’**ان الله يحب المقسطين**‘‘ (سورۂ

مائدہ آیت ۴۶)۔اور اگر یہ مزید سے ہٹایا جائے اور اصل صیغہ نکالا جائے تو پھر قاصد بمعنیٰ ظالم کے ہے۔ایسا ہوتا ہے جس طرح ''فلس'' پیسے کا ہونا اور افلاس پیسے کا نہ ہونا۔

## سند کے راویوں کا تعارف

''وبہ قال حدثنا احمد بن اشکاب'' ، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ہیں اور ''آخر من لقیہ بمصر'' ۲۱۷ھ یا ۲۱۹ھ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے ملاقات کی ہے اور استفادہ کیا ہے اس نام کے اور لوگ بھی ہیں۔علی بن اشکاب ، اور محمد بن اشکاب، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ''لیس بینھم قرابۃ'' ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اتفاقی نام ہیں۔(فتح الباری ج ۱۳ص ۶۶۲)

''قال حدثنا محمد بن فضیل'' بالاتفاق قوی ہیں ''عن عمارۃ بن القعقاع'' بالاتفاق ثقہ ہیں۔عن ابی زرعۃؒ مشہور حافظ و تابعی ہیں۔''یروی عن ابی ھریرۃؓ'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے رہنے والے ہیں، یہ پہاڑوں میں رہتے تھے اور بعض لوگ ان قبیلوں سے بہت تنگ تھے۔

بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں کہا گیا کہ ہم قبیلۂ دوس سے بہت تنگ ہیں، تو آپ نے کہا ''اللھم اھد دو ساوائتنی بھم'' خدایا دوسیوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لے آ۔چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ کے سرخیل ہیں ۷ھ میں خیبر کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئے آخر میں ہیں لیکن نمبر سب سے لے گئے۔ہمارے پیغمبر علیہ السلام بھی تشریف لائے آخر میں لیکن درجات آپ کے





بہت عالی ہیں اور مقام آپ کا بہت بلند ہے۔بہت سے بعد میں آنے والے بہت سارے اگلوں سے بڑھ جاتے ہیں یہ خدا کا فضل و احسان ہوتا ہے۔طلباء عزیز کو اس میں ایک تلمیح ہے خوشخبری ہے اور مژدہ ہے کہ گویا آپ نے اس سال پڑھا اور فاضل ہو رہے ہیں لیکن انشاء اللہ۔اللہ آپ کو پیچھے نہیں چھوڑے گا۔اور جب وقت آئیگا تو اللہ آپ کو چاند اور سورج کی طرح جگمگا دیگا بشرطیکہ اپنے دین پر مضبوطی سے رہیں اور اپنے اللہ کو ہمیشہ راضی رکھتے رہیں اور اپنے نبی کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہیں اور جو فکر اور زاویہ سوچ آپ نے اس درسگاہ کے اندر حاصل کیا ہے اس کی عزت و ناموس کا خیال رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں سر بالا رکھے گا۔

تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے اور تین یا ساڑھے تین سال مشکل سے ان کو ملے لیکن احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ان سے مروی ہے جس کی تعداد ''۵۳۷۴'' ( پانچ ہزار تین سو چوہتر ) ہے اور فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں تو وہ چھ یا سات ہزار ہونگی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی '۵۳۷۴' جو بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں جمع کی ہیں وہ صحیح جمع ہیں۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ والا مجموعہ کہاں چلا گیا تو وہ ان کو بھی یاد تھا اور دوسروں کو بھی یاد تھا وہ اوروں کے ذریعے بیان ہو گیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ جو احادیث ہیں وہ وہی ہیں۔تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ لکھتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یاد کرتے تھے گویا دس بارہ ہزار کا

کل مجموعہ احادیث ہے اور وہ ان بزرگوں کو زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زبانی یاد ہو چکا تھا، دین ہر اعتبار سے اللہ تعالی نے قرن اول کے اندر محفوظ فرمایا ہے ابو ہریرہ پر بڑے دور گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ ''ولدت یتیماً وھاجرت مسکیناً'' اور کبھی فرماتے کہ ''ونشأت مسکینا'' بڑی مسکنت اور غربتوں میں میں نے وقت گزارا ''وکنت غلاماً لبسریٰ بنت غزوان'' میں بسریٰ کے یہاں غلام تھا'' فزوجنی اللہ'' ایک وقت آ گیا کہ وہ عورت اللہ نے میرے نکاح میں دیدی۔طلبہ کو بشارت ہے کہ نکاح کی زیادہ فکر میں نہ ہوں اللہ تعالیٰ عزت وشرف کے نکاح عطا کر دیگا۔ویسے بھی دنیا کے بہت سے لوگ نکاحوں کے بارے میں پریشان ہیں بڑے قدر اور عزت کے گھروں میں ہمارے بہنیں اور بیٹیاں بیٹھی ہیں اللہ تعالی اس مبارک نشست میں ان کے لئے بھی نیک رشتے پیدا کرے، لیکن دین والوں کے لئے خوشخبری ہے کہ ان کے رشتے بہت آسان ہونگے اور بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو عزت اور پردے کے رشتے عطا فرمائیں گے۔سب سے بڑا رشتہ دین کا ہے اس کی حفاظت کرو چھوٹے چھوٹے رشتے وقتی طور پر نصیب ہوتے رہیں گے مقصد سے غافل نہ ہوں، تو ابو ہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ

**فالحمدللہ الذی جعل الدین قواما و ابو ھریرۃ اماما**

خدا کا شکر ہے جس نے دین کو عزت کا ذریعہ بنایا اور ابو ہریرہ کو مسلمانوں کا امام بنایا۔ابو ہریرہ کو محدثین راوی الاسلام کہتے ہیں بعض کی رائے یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالشّمس تھا اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن نام رکھا گیا۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن اللہ تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نام ہیں اور ابو ہریرہ آنحضرت ﷺ نے انکو کہا تھا کیونکہ یہ بلی





سے محبت کرتے تھے، پالتے تھے
،اس کا خیال رکھتے تھے کسی شاعر نے کہا ہے۔

**لا تدعنی الا بیا عبدھا    فانہ من اشرف اسمائی**

کہتا ہے مجھے محبوب کا غلام کہہ کر پکارو یہ میرا بہترین نام ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ناراض ہو کر مسجد میں مٹی پر لیٹے تھے حضرت ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ قم یا ابا تراب اٹھوائے مٹی پر لیٹنے والے۔تو ابوتراب ان کی مستقل کنیت بن گئی۔تو وہ بہت خوش ہوتے تھے جب کوئی ابوتراب کہتا تھا۔اکابر اور بزرگوں کی طرف سے جو اعزاز ،القاب ،اوصاف ملتے ہیں وہ فخر اور شکر کے ہوتے ہیں، صحیح طرح قدر دانی کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بہترین نتائج دونوں جہانوں میں نصیب فرماتے ہیں۔

## حدیث مبارکہ کی تشریح

''قال قال النبی ﷺ کلمتان حبیبتان الیٰ الرحمٰن''

جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو کلمے ہیں جو بڑے پیارے ہیں رحمٰن کو حبیبتان بمعنیٰ محبوبتان کے ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جو اس کو پڑھے گا وہ پیارا بنے گا۔ ''ای محبوب قائلھما ،(علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے ارشاد الساری میں نقل کیا ہے) ''والقیت علیک محبۃ منی'' محبت کسے کہتے ہیں اس گلی میں ہمارے ایک بزرگ شاعر بیٹھے ہیں وہ کہتے ہیں۔

محبت جو ان کی عطا ہوگئی    یہ دنیا بھی جنت نما ہوگئی

محبت کا معنی محدثین نے کیا ہے الزیادۃ فی الخیر و البرکۃ ۔خیراور برکت کے کاموں میں اضافہ ہونا علماء سے محبت ہوجاتی ہے تو لوگوں کی داڑھیاں چہروں پر آجاتی ہیں گھروں میں پردہ آجاتا ہے بچے دینی مدرسوں میں نکل جاتے ہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تھوڑی سی اور محبت بڑھ جاتی ہے تو اشراق اور چاشت اوابین ایام بیض کے روزے شروع ہوجاتے ہیں۔

لفظ رحمٰن میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی برکات ہیں جیسے ایک شخص کو آپ کہیں کہ آپ مجھے یہ چیز دیدیں آپ تو بڑے مہربان ہیں تو اس کا دل نرم ہوجائے گا "کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان "اور بہت ہلکے پھلکے ہیں زبان پر یعنی کہنے میں بہت آسان ہیں مشکل نہیں ہے۔ثقیلتا ن فی المیزان ،اور بہت بھاری ہیں میزان کے ترازو میں۔قیمتی بات ہواور مختصر سی ہو یہ نبی کا اعجاز ہے ۔

من قال لاالٰہ الااللہ دخل الجنۃ ،جس کے پڑھنے سے سودوسوسال کا کافر کفر سے چھوٹ کر اسلام میں آجاتا ہے۔حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " لــــو لا کلمات اقولھن لجعلتنی الیھود حمارا" کچھ کلمے ہیں جنہیں میں صبح شام پڑھتا ہوں وہ نہ پڑھتا تو یہود جادوگر جادو کے زور سے مجھے گدھا بنادیتے۔

اعوذ بوجہ اللہ العظیم الذی لیس شیء اعظم منہ وبکلمات اللہ التامات التی لایجاوزھن برولافاجر وباسماء اللہ الحسنیٰ کلھا ماعلمت منھا وما لم اعلم من شر ماخلق وبرأ وزرأ (مؤطاامام مالک ۲۳۷)اور" اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من کل شیطان و ھامۃ ومن کل عین لامۃ " آنحضرت ﷺ ان کلمات کو پڑھ کر





حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنھما کودم کرتے تھے اورفرماتے تھے تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے بیٹے حضرت اسحٰق اور حضرت اسماعیل علیھما السلام کو ان سے دم کرتے تھے( ترمذی ج ۲ص ۲۷ ) ۔ایک کلمہ ہی ہوتا ہے جوایک اجنبیہ کوایک مسلمان کی بیوی بنادیتا ہے، میں نے قبول کیا آپ نے قبول کیا۔اورایک کلمہ ہی ہے جس نے عمر بھر کا تعلق ختم کرکے دونوں کواجنبی کردیا "فلاتحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ" ( سورۂ بقرہ آیت ۲۳۰ )اللہ فرماتے ہیں دو کے بعد تیسری دیدی تو اب یہ بیوی اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے شادی کرکے نہ آئے۔

"کلمتان حبیبتان الیٰ الرحمٰن" دو کلمے ہیں بڑے پیارے ہیں اللہ رحمٰن کواور"خفیفتان علیٰ اللسان" اور بہت ہلکے پھلکے ہیں زبان پر کہنے میں" ثقیلتان فی المیزان" ،اور بھاری ہونگے میزان کے ترازو میں اور وہ کلمے کونسے ہیں"سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم "لفظ"سبحان"اللہ کی پاکی کیلئے آتا ہے جیسے"سبحان ربی العظیم""سبحان ربی الاعلیٰ""سبحانک اللھم" "سبحان الذی اسریٰ بعبدہ""وسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون" علماء لکھتے ہیں اس کا عامل محذوف ہوتا ہے اسبح سبحان ،اور پھر کلمہ تامہ ہے ضرورت نہیں رہیگی اس کی ،سبحان اللہ یہ تنزیہ ہے تقدیس ہے کہ اللہ بے عیب ہے اللہ میں جھل نہیں ،ظلم نہیں ، یہ نہیں جتنے ہیں یہ سبحان سے سلب ہوجاتے ہیں"وبحمدہ" میں واوحالیہ ہے"ای متلبساً بحمدہ" اوراللہ کیلئے کمالات ثابت ہیں اور برکات ثابت ہیں"تبارک الذی بیدہ الملک" "سبحان اللہ العظیم" یہ تاکید مزید ہے"سبحان اللہ" میں اشارہ ہے عیوب کو ترک کرو

۔گناہ سے پرہیز کرو، اس کو کہتے ہیں تخلیہ،تخلیہ اپنے آپ کو غلط چیزوں سے فارغ کرو خالی کرو بحمدہ ،تحلیہ ہے،حِلْیة حُلیةً زیورات سے آراستہ ہونا زیورات تب جچتے ہیں جب حسن ہو اور پہلے سے عیوب ختم ہوں۔ ضروری ہے کہ پہلے آپ کا چہرہ دھلا ہوا ہو جسم پاک صاف ہو تب جا کر قیمتی لباس اور خوشبو جچے گی اور زیب دیگی ۔تو پہلے فرمایا۔ سبحا ن اللہ یہ کلمہ کثرت سے پڑھنے والے کے گناہ ظلم وزیادتی عیوب وقبائح ختم ہو جاتے ہیں ،سبحان کا کلمہ اصل میں اعتراف عجز ہے بندے کی طرف سے سبحان اللہ کا کیا مطلب ہے کہ اللہ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے ورنہ میں نہیں کر سکتا ’’سبحان الذی اسریٰ بعبدہ‘‘ یہ خدا ہی کی قدرت تھی جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے دعا فرمائی "لاالہ الا انت سبحانک‘‘ خدایا تیری ذات پاک ہے کہ کوئی نبی بھی تجھ سے پوچھے بغیر باہر قدم رکھے ’’سبحان اللہ‘‘ میں خداوند تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اور تنزیہ ہے اور بندے کی طرف سے بھی اعتراف ہے کوتاہی وکمزوری کا،

بندہ ہما کہ از تقصیر خویش
عزر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوند یش
کس نتو اند کہ بجا آورد

اسی سے کمال انسان کو ملتا ہے کہ وہ اعتراف کرلے کہ خدا مجھ سے عبادت کا حق





ادا نہیں ہوا خدایا ہم نے بخاری شریف کے پڑھنے پڑھانے کا حق ادا نہیں کیا ہم سے بڑی کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوئی ہیں ہمیں معاف فرما ’’سبحان اللہ العظیم‘‘ کیونکہ تو پاکیوں والا ہے اور کوتاہیوں کو معاف کرنا اللہ بزرگ برتر ہی کی شان اور کبریائی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے آخر میں جو حدیث نقل کی یہ اس سے پہلے بھی ان کے دو استاذوں سے آئی ہے زھیر سے کتاب الدعوات میں اور قتیبہ سے ایمان ونذور میں لیکن بڑی عالی ترتیب کے ساتھ یہاں لے آئے آخری استاذ احمد بن اشکاب رحمہ اللہ سے۔

یہ ایک عظیم درس ایک مقتدر کتاب کا سبق ایک آخری جماعت جو علم میں مسلح ومزین ہو رہی ہے ان کے سبق کے طور پر ایک کتاب کا درس مکمل ہو رہا ہے تو سننے والے بیٹھنے والے سب اس انتظار میں ہیں کہ ہمیں ایک کنجی ملے ایک خزانہ ملے تو دنیا کے خزانے دنیا میں ختم ہو جاتے ہیں اور آخرت کا خزانہ ہمیشہ رہیگا تو ’’سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم‘‘ یہ اخروی خزانے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ "سبحان اللہ نصف المیزان ‘‘ایک دفعہ سبحان اللہ کہنے سے میزان کا ترازو آدھا بھر جائے گا’’ والحمدللہ تملئه ‘‘اور الحمدللہ پورا بھر دیگا ’’سبحان اللہ العظیم‘‘ سے اور بھی بھرنا شروع ہو جائے گا ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے دلی آرزو ہوتی ہے کہ ایک عالم ایک بزرگ شیخ مرشد سے کوئی وظیفہ ملے وظیفہ اس مختصر عمل کو کہتے ہے جس کا فائدہ بہت زیادہ ہو اور کرنا آسان ہو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک وظیفہ دیا اور وہ ہے استغفار۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دیگا حضرت آپ تشریف فرما ہوئے آپکے وجود کے

ساتھ عذاب جمع نہیں ہوگا۔

**وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ** (سورۂ انفال آیت ۳۳)

اور جب یہ استغفار کررہے ہوں تب بھی سزا نہیں دے رہا۔ پیغمبر اور نبوت کے برابر عمل ہے تو وہ استغفار ہے اور فرمایا ''**فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ**'' استغفار کرو گناہ معاف ہوجائیں گے۔ ''**اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا**'' اللہ تعالیٰ بارشیں برسادے گا ''**وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ**'' مدد کرے گا مال اور بیٹے دے کر ''**وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰت**'' باغات دیگا ''**وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا**''، نہرے جاری کردیگا۔ (نوح ۱۰ تا ۱۲)

یہ احسن المدارس، احسن المقاصد، احسن الدراسات، جامع مسجد امام ابو یوسف، اور جامعہ مسجد محمد عثمان، یہ کیا ہیں یہ سب کی سب انہار اور جنتیں ہیں اور علم کے سرسبز اور شاداب باغات ہیں اور خیر و برکت کے چشمے اور نہریں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے جاری اور ساری فرمائی ہیں اور طالبین علم جو دورہ حدیث میں شریک ہیں اور حاضرین مجلس جو درس حدیث کے احترام میں یہاں آئے ہیں ان کو بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جناب نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک وظیفہ دیدیا۔

**''سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم''**

یہ خوب پڑھا کرو۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور گھر تشریف لائے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں وظیفہ پڑھ رہی تھیں۔ حضرت تشریف لے گئے اور جب کافی دیر بعد واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی ہیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا جویریہ کیا آپ اس وقت سے اب تک بیٹھی ہیں؟ کہا جی





تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے آپ کے بعد چار کلمات تین دفعہ پڑھے ہیں اور جب اس کا اجر تولا جائے گا تو جتنی دیر آپ نے ذکر کیا ہے وہ زیادہ نکلیں گے۔

**سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضى نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته** (مسلم ج۲ ص۳۵۰)

ابراہیم علیہ السلام نے شب معراج میں جناب نبی کریم ﷺ سے کہا امت کو میرا سلام کہیں اور ان کو کہیں کہ جنت میں بہت ساری زمین خالی پڑی ہوئی ہے اس میں بیج لگانے کی ضرورت ہے ''**سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**'' پڑھا کریں جنت کے باغات میں اس سے درخت لگتے ہیں اس کے پڑھنے والے جب وہاں پہنچیں گے تو بے حساب لمبے لمبے نہ ختم ہونے والے باغات ہونگے حدیث میں ہے جو یہ چاہے کہ قیامت کے دن اس کو پورا اجر ملے اور پیمانہ بھر بھر کے ملے تو وہ مجلس کے اختتام پر سبحان اللہ پڑھے اور جو شخص یہ چاہے کہ مجلس اس پر وبال نہ بنے شرم اور گناہ کا باعث نہ بنے خیر اور برکت کا باعث بنے وہ مجلس کے آخر میں ''**سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**'' (سورۂ صٰفٰت آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲) پڑھ لیں۔

امام بخاریؒ بھی یہ حدیث ''**سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**'' آخر میں لے آئے۔ الجامع الصحیح کا آغاز کیا تھا وحی سے کیونکہ بنیاد شریعت کی وحی ہے اور حدیث لائے تھے ''**انما الاعمال بالنيات**'' اعمال تب معتبر ہونگے جب نیت صالح اور نیک ہو تو جس عمل میں دینی نیت موجود ہو تو وہ عمل وزن دار بنے گا ''**ثقيلتان في**

المیزان ''اس عمل میں اللہ کی توفیق شامل حال ہوگی ''**خفیفتان علی اللسان**'' جس عمل
میں نیت صالح ہو وہ عمل اللہ کو محبوب ہوگا ''**کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن**'' مشہور ہے
''**کلمتان حبیبتان**'' بمع متعلقات کے یہ خبر مقدم ہے اور ''**سبحان اللہ وبحمدہ سبحان
اللہ العظیم**'' یہ مبتدا مؤخر ہے اور درمیان میں متعلقات ہیں اور کہا ہے کہ کبھی خبر تشویقاً مقدم
کی جاتی ہے جیسے کہتے ہیں۔

**ثلاثة تشرق الدنیا ببهجتها**
**شمس الضحیٰ و ابو اسحٰق والقمر**

بکیر کا شعر ہے اور محقق ابن ہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نہیں ترکیب ساذج ہے۔
وہی مبتدا ہے اور یہ ہی خبر ہے اور مزید پیچیدگیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل
واحسان سے سبق مکمل ہو گیا ہے درس پورا ہوا اب یہ ہی طلباء جن کا درس حدیث مکمل ہوا ہے
ان کے اساتذہ اور علماء کرام تشریف فرما ہیں۔ وہ انکے سروں پر علم سے فراغت پر فضیلت کی
پگڑیاں باندھیں گے۔ سعودی عرب سے ہمارے بزرگ شیخ عمر جو حرم شریف کے قدیم
سکان میں سے ہیں وہ وہاں سے اعزازاً اور تبرکاً ان کے لئے جبے بھیجتے ہیں وہ بھی انکو
پہنائے جائیں گے تھوڑا سا وقت اس میں لگے گا پھر اس کے بعد دعا ہوگی یا درکھنا اصل
اعزاز طلباء کا یہ منظر دیکھنا ہے اور اصل روح جو مجلس کی ہے وہ دعا ہے کہیں بدنصیبی نہ ہو اور
دعا سے محرومی نہ ہو تسلی اور آرام سے بیٹھیں یہ اوقات یہ دن یہ گھڑیاں کبھی کبھی نصیب ہوتی
ہیں بہت امید ہے کہ اللہ اس کو ہمارے لئے آپ کے لئے اور جملہ حاضرین وغائبین کیلئے
رحمتوں اور نجات کا بہترین ذریعہ بنائے۔





ہمارے یہاں الحمدللہ دورہ حدیث کی ایک عظیم تعداد ہے انکی دستار بندی ہو رہی
ہے۔ تخصص کا انعقاد تو بہت پہلے سے ہے لیکن اس سال جو متخصصین ساتھی تھے تیس کے
قریب ان میں سے انیس ساتھی سرفراز ثابت ہوئے جن کے وجود پر، تفقہ پر اور تخصص کی
کوششوں پر ادارہ اور یہ عاجز اور یہ مشائخ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان کے مستقبل کی
خیر وعافیت کیلئے دعائیں کرتے ہیں انکی بھی دستار بندی ہوگی اور انکو بھی جبہ پہنایا جائے
گا۔ انشاء اللہ۔ حفظ کے بھی پچپن طلبہ ہیں جو ہماری شاخوں میں تیار ہو چکے ہیں انشاء اللہ
انکو بھی اعزازاً وشکراً منادیل دیے جائیں گے۔